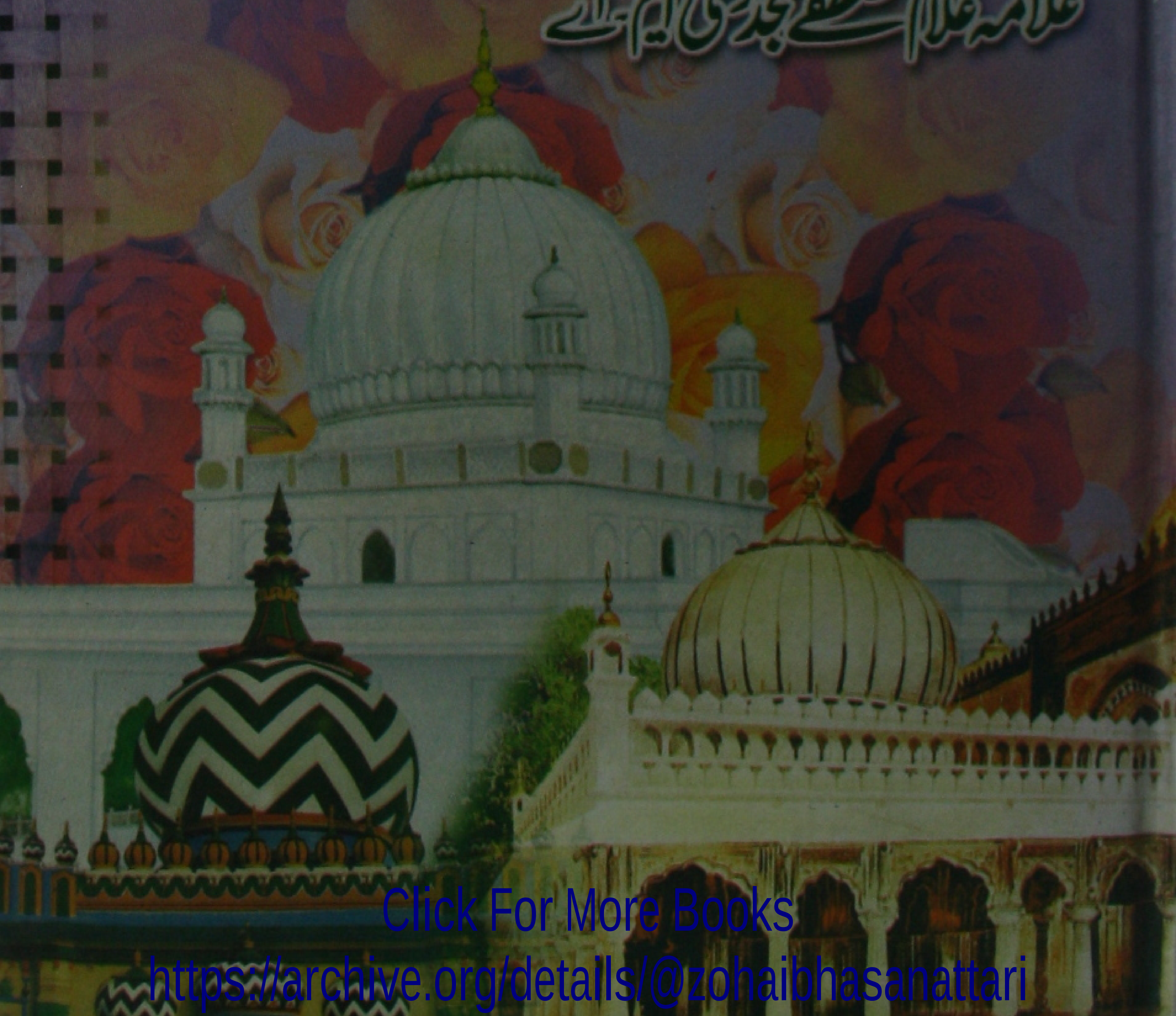
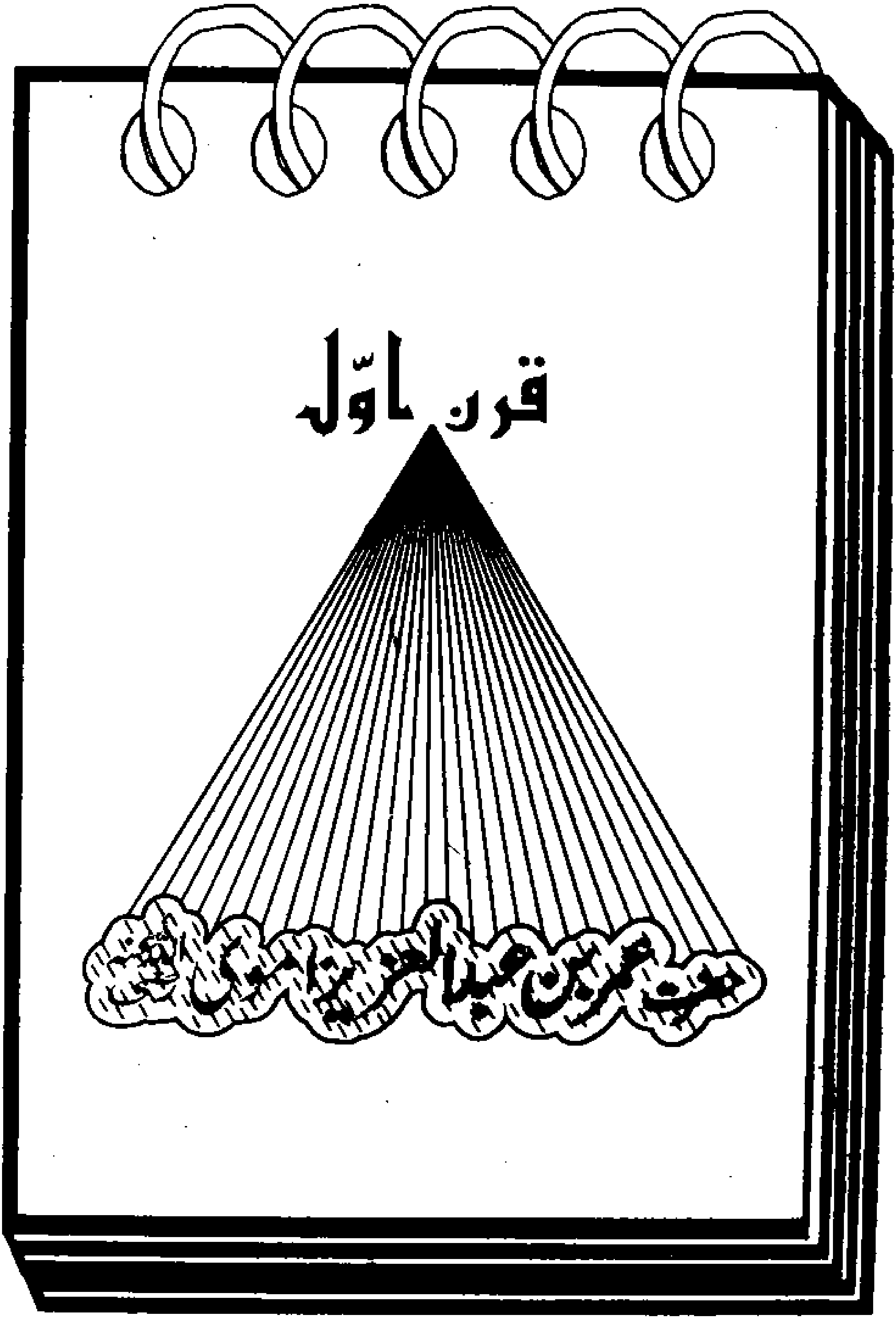
تذکرہ

مجددینِ اسلام

مصنف

علامہ غلام مصطفٰے مجددی ایم۔اے




قرن اوّل

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

☆

امیر المومنین، مجدد اسلام حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ 61ھ یا 63ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، آپ اموی حکمران مروان بن حکم کے پوتے تھے، آپ کے والد عبد العزیز مصر کے گورنر تھے چنانچہ آپ کی پرورش بڑے ناز ونعم اور عیش وتنعم کے گہوارہ میں ہوئی جس کے اثرات سریر آرائے خلافت ہونے تک قائم رہے (تاریخ اسلام از عبد اللہ ملک، صفحہ 581) والدہ کا نام اُمِ عاصم تھا جو حضرت فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ یقیناً یہ والدہ ماجدہ کے حسن تربیت اور پاکیزہ دودھ کا فیضان تھا کہ آپ بنو مروان کے خارستان میں خوش رنگ پھول کی طرح جلوہ نما ہوئے۔

بالغ ہوئے تو اپنے والد ماجد کے پاس چلے گئے، لیکن پھر مدینہ منورہ آ گئے، والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے چچا عبد الملک نے آپ کو دمشق میں بلا لیا اور اپنی بیٹی سے آپ کی شادی کر دی، آپ شاہی خاندان کے اہم فرد تھے، اس لئے آپ کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے ہر جگہ اپنی انمول سیرت وکردار کا گہرا اثر چھوڑا، ولید بن عبد الملک (86 تا 96ھ) نے آپ کو مدینے کا گورنر بنایا تو آپ نے اس شرط پر عہدہ قبول کر لیا کہ وہ دوسرے عمال کی طرح لوگوں پر ظلم وستم نہیں کریں گے، (سیرت عمر بن عبد العزیز، از علامہ ابن جوزی، صفحہ 32) آپ 87 سے 93ھ

تک اس عہدے پر مامور رہے، آپ نے ولایت مدینہ میں بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں، مثلاً مسجد نبوی کی تعمیر، تالابوں کی تعمیر، سڑکوں کی تعمیر، غرض لوگوں کی خوشحالی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مدینہ منورہ کے عوام کو سکھ کا سانس نصیب ہوا تو عراق کے لوگ (جو حجاج بن یوسف کے ظلم سے تنگ آگئے تھے) بھی ادھر کا رخ کرنے لگے، نتیجتاً ولید بن عبدالملک نے حجاج کے مجبور کرنے پر آپ کو معزول کردیا۔

آپ سلیمان بن عبدالملک کے عہد (96ھ تا 99ھ) میں اس کے مشیر خاص رہے۔ سلیمان آپ کی سیرت و کردار سے ازحد متاثر ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے بعد خلافت کیلئے آپ کو نامزد کیا، آپ کو مسند خلافت پر فائز ہونا بہت ناپسند تھا، آپ نے اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے، میں خود اسے اتارے دیتا ہوں، تم جسے چاہو، اپنا خلیفہ منتخب کرلو'' (تاریخ اسلام صفحہ 583)۔

یہ سن کر حاضرین بیک زبان کہنے لگے: ''ہم نے آپ کو امیر چن لیا اور آپ سے راضی ہوگئے''، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے اصرار اور اسلام کی بقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ منصب قبول کرلیا۔ ذیل میں ان کی سیرت و کردار کے تابناک گوشوں پہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

علم و فضل:

حضرت عمر بن عبدالعزیز علم و فضل کے اعتبار سے امام وقت تھے۔ آپ نے انس بن مالک، سائب بن یزید، صالح بن کیسان کی نگرانی میں تعلیم و

تربیت حاصل کی، قرآن حکیم کے حافظ تھے، حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے از حد متاثر تھے، اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کرتے کہ "میں ان کی مانند ہونا چاہتا ہوں" جناب عبداللہ ملک صاحب لکھتے ہیں:

"آپ علم وفضل کے پیکر، صاحب فہم وشعور اور ماہر فقہ تھے، بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے شاگرد نظر آتے تھے۔ آپ کے فتوے آج بھی اسلامی فقہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں" (تاریخ اسلام، صفحہ 594)

سر عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں:

"عمر بن عبدالعزیزؒ نہ صرف اپنے سخت زہد و اتقا بلکہ حدیث کی وسیع معلومات کی بناء پر اس گروہ میں غیر معمولی طور پر ممیز و ممتاز تھے، حدیث میں بہت سی روایتیں ان کی سند سے کی جاتی ہیں"۔ (اصول فقہ، صفحہ 76)

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "ہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعلیم کے واسطے آئے تھے اور آخر میں ہم نے ان سے تعلیم حاصل کی" اور میمون بن مہران علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "علماء حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے" (روض الریاحین از امام یافعی یمنی علیہ الرحمۃ، حکایت نمبر 558) امام احمد بن حنبل کا قول ہے "میں تابعین میں سے بجز عمر بن عبدالعزیزؒ کے کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا" (تاریخ ملت، صفحہ 651، جلد 1)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بہت علم دوست تھے، آپ سے پہلے اموی حکمرانوں کے دربار شعراء سے بھرے رہتے، آپ نے ان کو نکال کر علماء وفضلاء کو جمع فرمایا۔ آپ نے قرآن وحدیث وفقہ کی ترویج واشاعت پر خصوصی توجہ دی، حدیث نبوی کی اشاعت کیلئے قاضی ابوبکر بن حزم والی مدینہ کو لکھا کہ تمام محدثین کے مجموعے

جمع کئے جائیں اور ان کی نقلیں مملکت اسلامیہ کے اہم مراکز میں رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔آپ کے دور خلافت میں علماء وطلباء کے وظائف مقرر تھے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اہل علم سے بہت پیار تھا اور یہ بدیہی امر ہے کہ اہل علم سے وہی پیار کرتا ہے جو خود صاحب علم ہو، اسلئے امام نووی کا بیان ہے'' ان کی جلالت شان، فضیلت علمی، وفور علم، صلاح آثار نبوی کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے'' (تہذیب الاسماء جلد اوّل) اور حافظ ذہبی کا قول ہے'' کان فقیھا مجتھداً عارفا'' یعنی وہ فقیہ و مجتہد و عارف تھے'' (تذکرہ الخلفاء، جلد اوّل)

زہد و تقویٰ:

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ زہد و تقویٰ کے عظیم مینار تھے۔یہ واقعی کمال نہیں تو اور کیا ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو کر بھی دنیا کی رنگینیوں سے دست کش رہے۔حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں:

'' لوگ مجھے زاہد کہتے ہیں، واقعی زاہد تو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہیں، ان کے پاس دینا آئی اور انہوں نے ترک کر دی'' (روض الریاحین حکایت 561)

حضرت اسماعیل بن عیاش، عمرو بن مہاجر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے اہل کا نفقہ ہر روز دو درہم تھا۔(ایضاً)

امام یافعی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

'' مسلمہ بن عبد الملک حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی خدمت میں نزع کی حالت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا جو کسی نے آپ سے پہلے نہیں کیا، وہ یہ ہے کہ اپنی اولاد کیلئے روپیہ چھوڑا نہ اشرفی اور تیرہ بیٹے ہیں۔آپ نے فرمایا، میرے بیٹے دو طرح کے ہیں، خدا کے فرمانبردار ہیں تو ایسوں کو خدا ہی کافی ہے، (دھو

تیولی الصالحین) یا عاصی و نافرمان ہیں، ان کی مجھے کچھ پروانہیں، جو ہو سو ہو' (روض الریاحین حکایت 672)

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے، آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کے چھوٹے بچے نے ایک سیب اٹھا کر کھانا شروع کر دیا، آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا، بچے نے ماں سے شکایت کی، ماں نے اسے بازار سے سیب منگوا دیا، بعد ازاں آپ گھر تشریف لائے تو فرمایا:

''خدا کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا، اپنے دل سے چھینا تھا، اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصے کے سیب کے بدلہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں برباد کرلوں'' (سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ 161 از ابن جوزی) اور رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے اس وقت بیت المال کی شمع جلاتے تھے، اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلاتے تھے، (ابن سعد جلد نمبر 5) بیت المال کی جانب سے فقراء و مساکین کیلئے جو مہمان خانہ تھا اس کے باورچی خانہ سے اپنے لئے پانی تک نہ گرم کراتے تھے، ایک دفعہ ملازم آپکی لاعلمی میں ایک مہینہ تک پانی گرم کرتا رہا، آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرا دی (ابن سعد جلد 5) ایک مرتبہ بیت المال کا عطر آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے ناک بند کرلی کہ خوشبو ناک میں نہ جائے (سیرت عمر بن عبد العزیز)

آپ کا زہد و تقویٰ زندگی کے ہر شعبے پہ غالب تھا۔ آپ کے وصال پہ شاہ روم نے آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

''اگر عیسیٰ مسیح کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبد العزیز

ہوتے۔ میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے، میں اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا'' (تاریخ اسلام، صفحہ 581، بحوالہ)

یہ الفاظ آپ کے زہد و تقویٰ پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور الفضل ما شھدت بہ الاعدا کے تحت بہترین سند ہیں، آپ آگ کی پکی ہوئی چیز یا شکر کھانے کے بعد بھی وضو فرماتے (تاریخ الخلفاء) یہ آپ کے کمال زہد کی دلیل ہے۔

خوف خدا:

انسان کے اعمال صالحہ کا دارومدار خشیت الٰہی پر مبنی ہے، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اس دولت سے مالا مال تھے۔ حضرت مغیرہ بن کلیم علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ مجھ سے فاطمہ بنت عبد الملک (زوجہ عمر بن عبد العزیز) نے بیان کیا:

''حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے زیادہ وضو نماز والے لوگ اور بھی ہوں گے لیکن اپنے رب سے ڈرنے والا ان سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب عشاء کی نماز پڑھ چکتے تو مسجد میں بیٹھ جاتے۔ پھر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ نیند کا غلبہ ہو جاتا، پھر بیدار ہوتے اور اسی طرح دعا کرتے رہتے، یہاں تک کہ پھر آنکھ لگ جاتی، ہر رات یہی کیا کرتے تھے'' (روض الریاحین حکایت 563)۔

ایک مرتبہ آپ کی کنیز نے آپ کو خواب سنایا کہ ''میں نے دیکھا کہ دوزخ، دوزخیوں کیلئے دھڑ ادھڑ جل رہی ہے۔ پھر پل لا کر اس کی پشت پر رکھا گیا'' آپ نے فرمایا'' پھر کیا ہوا؟'' اس نے کہا'' پھر عبد الملک بن مروان کو لایا گیا اور اس پل پر چڑھایا تو وہ تھوڑی ہی دور جانے پایا تھا کہ پل الٹ گیا اور دوزخ میں جا پڑا'' آپ

نے فرمایا" پھر کیا ہوا؟" اس نے کہا" پھر ولید کو لایا گیا، وہ بھی دوزخ میں گر پڑا، پھر سلیمان کو لایا گیا، وہ بھی اس میں جا گرا" آپ نے فرمایا" پھر کیا ہوا؟" اس نے کہا میں نے دیکھا کہ آپ کو بھی لایا گیا" اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ نے ایسی چیخ ماری کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، وہ کنیز اٹھی اور آپ کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی" اے امیر المومنین! واللہ میں نے یہ دیکھا کہ آپ دوزخ سے بچ گئے، آپ نے نجات حاصل کی" وہ کان میں چیختی رہی مگر آپ برابر نعرے مارتے رہے۔ (ایضا! حکایت 822)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جلالت میں حاضری کے تصور سے ہمیشہ لرزہ بر اندام رہتے، آپ کا یہ قول بہت مشہور ہے:

" تم لوگ میرے رونے پر ملامت و تعجب نہ کیا کرو، کیونکہ اگر فرات کے کنارے پر بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو میں اس کے بارے میں جوابدہ ہوں" (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

اس طرح ایک دفعہ اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا" میں اس وقت امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں۔ اس لئے جب میں ان بے کس، غریب محتاج اور فقیر لوگوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں بھرے ہوئے ہیں اور جن کا میں ذمہ دار ہوں اور خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کے مدعی ہوں گے تو ایسی حالت میں اگر میں خدا کے سامنے کوئی معقول عذر یا دلیل پیش نہ کر سکا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور میری آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اور جتنا میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اتنا ہی میرا دل خوفزدہ ہو جاتا ہے" (تاریخ اسلام از ندوی حصہ دوم)

آپ کا قول ہے" اگر میں سوائے قیامت کے کسی چیز سے ڈرتا ہوں تو اے

اللہ مجھے اس خوف سے امن میں نہ رکھنا‘‘(تاریخ الخلفاء از سیوطی صفحہ 306 اردو)

اپنے ایک فوجی سلیمان بن ابی کریمہ کو ایک مرتبہ لکھا کہ:

’’خدا کی عظمت وخشیت کا سب سے مستحق وہ بندہ ہے جس کو اس نے اس آزمائش میں ڈالا جس میں، میں ہوں، خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا، اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں، میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں مجھے معلوم ہوا کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جانے والے ہو، میری یہ درخواست ہے کہ جب میدان جنگ میں پہنچنا تو میرے لئے شہادت کی دعا کرنا، میری حالت پر خطر اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔‘‘(طبقات ابن سعد جلد 5)

موت کے ذکر سے بدن پہ لرزہ طاری ہو جاتا، ایک دفعہ کسی نے آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی، **واذا القوا منھا مکاناً ضیقاً مقرنین** (اور جب ڈال دیئے جائیں گے کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے) تو آپ اس قدر روئے کہ گھگھی بندھ گئی۔(تاریخ ملت، صفحہ 666)

سادگی اور تواضع:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب مسند خلافت پہ فائز نہیں تھے تو آپ کی زندگی بہت مسرفانہ تھی، شاہی خاندان کے فرد تھے، دولت کی ریل پیل تھی، جب مدینہ منورہ کی گورنری پر گئے تو تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان تھا(سیرت عمر بن عبد العزیز) رجا بن حیواۃ کا بیان ہے کہ’’وہ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس تھے‘‘(ایضاً)

لیکن خلافت کی ذمہ داری اٹھاتے ہی زندگی بالکل بدل گئی۔ طبقات ابن سعد

میں ہے کہ ” تخت خلافت پہ قدم رکھتے ہی انہوں نے ابوذر غفاری اور ابو ہریرہؓ کا قالب اختیار کرلیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا ” میرے لئے میرا خچر ہی کافی ہے “ (تاریخ اسلام از معین الدین ندوی، جلد 2، صفحہ 213)

ابوامیہ خصی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے غلام کہتے ہیں کہ ” میں نے ایک روز اپنے آقا کی زوجہ محترمہ سے شکایت کی کہ یہ روز کے روز مسور کی دال نہیں کھائی جاتی، انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا! تمہارے آقا کی خوراک بھی یہی مسور کی دال ہے “۔ (ایضاً)

سعید بن سوید کہتے ہیں کہ ” حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے اور آپ کے کرتے میں آگے اور پیچھے کی طرف چند پیوند لگے ہوئے تھے، ایک آدمی نے عرض کیا ” اے امیر المومنین! آپ کو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے پھر آپ کپڑے کیوں نہیں بنواتے “ آپ نے بہت دیر تک گردن جھکائے رکھی اور پھر سر اٹھا کر فرمایا ” تونگری میں میانہ روی اور قدرت کے وقت قصور معاف کرنا زیادہ افضل ہے “ (ایضاً صفحہ 298)

اپنی بیوی فاطمہ کا جو بقول ایک شاعر کے ایک شہنشاہ کی بیٹی، کئی شہنشاہوں کی بہن اور ایک شہنشاہ کی بیوی تھی، ایک ایک چھلا اتروا کر بیت المال میں جمع کروا دیا۔ فاطمہ کو ان کے باپ نے ایک بیش قیمت ہیرا دیا تھا جو انہیں عزیز تھا، آپ نے اسے بھی نہ چھوڑا اور صاف کہہ دیا ” ہیرا بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ “ (تاریخ ملت جلد 1 صفحہ 665)

آپ نے اپنا تمام سامان امارت، لونڈی، غلام، فرش، فروش، لباس، عطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ (تہذیب الاسماء جلد اول) اسی طرح تواضع آپ کی ہر ادا سے مترشح تھی۔ روایت ہے کہ ''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ایک مہمان رات کو آیا، اس وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے اور چراغ میں تیل نہ تھا۔ گل ہونے لگا تو مہمان نے کہا کہ'' آپ فرمائیں تو میں اس کو درست کر دوں'' آپ نے فرمایا'' مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں''۔ اس نے کہا کہ'' خادم کو جگا دوں'' آپ نے فرمایا'' وہ کچی نیند میں ہے''۔ یہ کہہ کر آپ ہی اٹھے اور کپی لے کر چراغ کو تیل سے بھر دیا۔ مہمان نے کہا'' اے امیر المومنین!'' آپ ہی نے تکلیف کی'' آپ نے فرمایا'' جب میں تیل لینے گیا تھا جب بھی عمر ہی تھا، اب پھر کر آیا تب بھی عمر ہی ہوں، مجھ میں سے کچھ کم نہیں ہو گیا، اور لوگوں میں بہتر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہے'' (روض الریاحین حکایت 731)

آپ کو اپنی تعریف و توصیف ہرگز ناپسند تھی حالانکہ آپ سے قبل خلفائے بنو امیہ نے صرف اسی لئے بہت سے شعراء دربار خلافت میں متعین کئے ہوئے تھے۔ آپ آئے تو شعراء کا ناطقہ بند ہو گیا، عرب کا مشہور شاعر جریر کسی طرح عدی بن ارطاۃ کے ذریعے آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور فی البدیہہ اشعار کہے۔

ان النبی بعث النبی محمداً — جعل الخلافته فی الامام العادل

وسع الخلائق عدله و وقاره — حتی ارعو و اواقام میل المائل

انی لا رجو منه نفعاً عاجلا — والنفس مولقه بحب العاجل

والله انزل فی الکتاب فریضة — لا بن السبیل و للفقیر العائل

آپ نے اپنی تعریف و توصیف سن کر فوراً تواضع اختیار کی اور فرمایا'' جریر!

اللہ سے ڈرو اور زبان سے کوئی ناحق بات نہ نکالو" (ادب العرب صفحہ 128)

آپ نے پہلی تقریر میں فرمایا "میں تم میں کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں، البتہ تمہارے مقابلہ میں خدا نے مجھے زیادہ گرانبار کیا ہے۔" سیرت عمر بن عبدالعزیز) غرض آپ کی سادگی، تواضع اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ انہیں عام مجموں میں پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ (ایضاً)

عزم واستقامت:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے دور خلافت میں جس قسم کی اصلاحات نافذ کیں ان کیلئے عزم صمیم اور زبردست استقامت کی ضرورت تھی۔ بنو امیہ کے امراء نے لوگوں کا مال و جائیداد غصب کر رکھی تھی، اور سینکڑوں من سونا اور چاندی ناجائز ذرائع سے جمع کر لی تھی۔ آپ نے یہ مال ان سے چھین کر عوام میں تقسیم کرنا چاہا۔ آپ کے خاندان کے لوگوں نے کہا کہ ہم یہ مال واپس نہیں کر سکتے اگرچہ ہمارے سر تن سے جدا ہو جائیں، خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو غاصب بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے، آپ نے عزم سے کہا "اگر تم نے اس مسئلہ میں میری مدد نہ کی تو میں تم کو ذلیل و رسوا کروں گا" اور مسجد میں جا کر عوام کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا اور وہیں اپنی جاگیروں کی اسناد منگوائیں اور انہیں ضائع کر کے ساری جاگیریں اصلی مالکوں کو لوٹا دیں، حتیٰ کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (تاریخ اسلام صفحہ 586، از عبداللہ ملک)

اسی طرح آپ نے مخلد بن یزید سے کہا، "جب تک ایک ایک کوڑی وصول نہ کر لوں گا، تمہارے والد کو نہ چھوڑوں گا، یہ معاملہ حقوق مسلمین کا ہے" (تاریخ ملت، صفحہ 655)

علاوہ ازیں فدک کا مسئلہ، سب علی کا انسداد، عمال کا محاسبہ، اصلاح احوال اور نفاذ شریعت آپ کے انقلابی اقدام اور مضبوط قوت ارادی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ فرماتے ہیں" مجھ سے پہلے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا، ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی، اب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے، ایسی صورت میں میرے لئے اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں" (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

آپ نے وسیع وعریض سلطنت میں احکام شرعیہ کی احیاء وترویج کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ ابن سعد نے لکھا ہے" امویوں کے مذہبی تساہل سے جو امور جادہ شریعت سے ہٹ گئے تھے، انہیں دوبارہ اس راستہ پر لگایا، عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے، ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی" (طبقات جلد 5)

آپ سے پہلے اسلامی معاشرہ مختلف اخلاقی برائیوں کا گہوارہ بن گیا تھا، ایرانی رسوم ورواجات عام ہو گئے تھے۔ شراب نوشی اور فیشن پرستی قوم کو خراب کر رہی تھی۔ آپ نے ان برائیوں کو جڑ سے اکھیڑ دیا کہ ایک بار پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہوگئی۔

عدل وانصاف:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور خلافت عدل وانصاف کے اعتبار سے از حد سنہری اور مثالی دور ہے، آپ نے اپنے عہد سے پہلے عمال وامراء کے متعلق شکایات کا بھی منصفانہ تدارک کیا، اور جن لوگوں کے حقوق ظالمانہ طور پر چھین لئے گئے تھے ان کو واپس دلائے، اس میں مسلم وذمی کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ (تاریخ ملت

صفحہ 656) اس سلسلہ میں ایک مثال پیش خدمت ہے۔

''اہل سمرقند نے شکایت کی کہ قتیبہ بن مسلم نے سمرقند پرنا منصفانہ طور پر قبضہ کر لیا تھا، لہذا ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سلیمان بن ابی اسریٰ کو لکھا کہ اہل سمرقند قتیبہ بن مسلم کے قبضہ کو نا منصفانہ بتاتے ہیں، تم اس معاملہ کی تحقیق کیلئے ایک قاضی مقرر کرو جو شہادتوں پر غور کر کے ایمانداری کے ساتھ مقابلہ کا فیصلہ کرے، اگر فیصلہ اہل سمرقند کے حق میں ہو تو مسلمانوں کو شہر چھوڑ کر اپنی قدیم لشکر گاہ میں لوٹ آنا چاہئے، تا آنکہ نئے سرے سے معاملہ طے ہو۔ سلیمان نے حکم کی تعمیل کی اور جمیع بن حاضر قاضی کو معاملہ کے تصفیہ کیلئے مقرر کیا۔ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ اہل سمرقند کی شکایات بجا ہیں۔ لہذا مسلمان سمرقند پر سے قبضہ اٹھا لیں اور باہر اپنی قدیم چھاؤنی میں چلے آئیں اور نئے سرے سے بزور شمشیر فتح حاصل کریں یا نیا صلح نامہ مرتب ہو۔ اہل سمرقند مسلمانوں کی اس انصاف پسندی سے بے حد متاثر ہوئے، انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صورت حال پر خوش ہیں۔ ہم ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتے'' (تاریخ ملت، جلد 1، صفحہ 657)

مروان بن حکم نے باغ فدک پر قبضہ کر لیا اور بنو امیہ کے خلفاء اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

''میں اسے انہیں مصارف کیلئے مخصوص کرتا ہوں جن میں وہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں صرف ہوتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابوداؤد) آپ نے یہ بھی فرمایا'' جو چیز رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا

کونہیں دی، اس پر میرا کوئی حق نہیں'' (ابوداؤد، کتاب الخراج)

ابن سعد نے لکھا ہے'' غرض، مال و جائیداد اور نقد و جنس کی قسم سے جو بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا۔ ایک ایک کر کے ان کے اصل وارثوں کو واپس کر دیا گیا'' (طبقات جلد 5)

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں'' آپ کی مدت خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کل دو سال پانچ مہینہ رہی۔ اسی اثناء میں آپ نے زمین کو عدل سے بھر دیا اور ظالموں کو موقوف کیا اور بہت سے اچھے طریقے جاری فرمائے'' تاریخ الخلفاء صفحہ 292) آپ نے والیء خراسان کو لکھا کہ'' اہل خراسان کو حق اور عدل درست کر سکتا ہے، اس کو عام کرو'' (ایضاً)

آپ کا اعلان تھا کہ'' جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا ایسی بات کی جس کی رو سے خاص و عام کو فائدہ پہنچے اس کو تین سو دینار تک انعام ملے گا'' (ابن الحکم صفحہ 141)

مساوات:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مساوات کے علمبردار تھے، ایک بار ابو بکر بن محمد کو لکھا کہ'' کسی شخص کو صرف اس لئے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے، میرے نزدیک یہ سب عام مسلمانوں کے برابر ہیں'' (طبقات ابن سعد جلد 5)

ایک مرتبہ آپ کے سالے اور چچیرے بھائی مسلمہ بن عبد الملک فریق کی حیثیت سے مقدمہ میں آئے اور سرکاری فرش پر بیٹھ گئے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے روک دیا کہا اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے، عام لوگوں کے

ساتھ برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنادو۔(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

آپ کے دور خلافت میں انسان تو انسان جانوروں میں بھی مساوات و یگانگت کا رویہ پایا جاتا تھا۔ مالک بن دینار کہتے ہیں "جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو چرواہے نہایت تعجب سے کہنے لگے، لوگوں پر کون خلیفہ مقرر ہوا ہے جو ہماری بکریوں کو بھیڑیئے کچھ نہیں کہتے" (تاریخ الخلفاء صفحہ 296) گویا بکری اور بھیڑیئے میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔سب برابر تھے۔

رعایا پروری:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بہت غریب نواز اور رعایا پرور تھے۔

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام غیر ضروری مصارف بند کر کے اس کو مسلمانوں کے مفاد کیلئے مخصوص کر دیا، گزشتہ خلفاء خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے اس کو صحیح مصرف میں لگایا، ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا۔اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہہ کرتے تھے" (تاریخ اسلام صفحہ 223، بحوالہ اصابہ جلد 5)

"وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے، ان کے قرضہ کی ادائیگی کی ایک مدت قائم کی، شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر کئے، ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا" (ایضاً، بحوالہ ابن سعد جلد 5)

"آپ کے زمانہ میں رعایا بڑی آسودہ ہوگئی، ملک کے طول وعرض سے افلاس اور غربت کا نام ونشان مٹ گیا، اور کچھ دنوں میں صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔ مہاجر بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے، ایک ہی سال

میں یہ حال ہو گیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے، وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے کے قابل ہو گئے“ (ایضاً صفحہ 224، بحوالہ سیرۃ)

”حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے رعایا کو اس قدر خوشحال کر دیا کہ کوئی آدمی ضرورت مند نہ رہا“ (فتح الباری جلد 6)

آپ ذمیوں کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتے تھے، عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ”ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کی کفالت کا انتظام کرو“ (ابن سعد جلد 5)

”ایک ذمی کی زمین پر عباس بن ولید کا قبضہ تھا، اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس دعویٰ کیا کہ عباس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ آپ نے عباس سے پوچھا تو اس نے کہا ”میرے والد (ولید) نے مجھے جاگیر میں دی تھی، اس کی سند بھی میرے پاس موجود ہے“ آپ نے فرمایا ”خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے“ اور ذمی کو زمین واپس دلا دی“ (سیرت عمر بن عبد العزیز)

کوئی مسلمان ذمیوں کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا، ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ نے ایک سرکاری ضرورت سے ایک قبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ آپ نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے (ابن سعد جلد 5) حجاج ذمیوں کے کندھوں پر مہر کرواتا تھا۔ آپ نے یہ ظالمانہ طریقہ منسوخ کر دیا (ابو نعیم صفحہ 306) بربر کے ایک قصبہ لواتہ کی کچھ لونڈیاں مسلمانوں کے ہاں آئیں، حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ ”یا تو ان کے وارثوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر و یا واپس کر دو“ (فتوح البلدان صفحہ 255)

آپ کا ہر حکم اور عمل رعایا کی بہتری کیلئے ہوتا تھا۔ عوام پر بے جا وزن نہیں

ڈالتے تھے کہ جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے، آپ کے اس فرمان پر غور کیجئے جو خراج کی وصولی کیلئے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا:

''زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ اگر بنجر زمینوں میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائیں۔ جن آباد زمینوں میں پیداوار نہیں ہوتی ان کا خراج نہ لو، جو زمین قحط زدہ ہو جائے اس کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو، خراج میں صرف وزن سبعہ لو، ٹکسال والوں، چاندی پگھلانے والوں سے، نوروز کے ہدیے، عرائض نویسی، شادی اور گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لیا جائے جو ذمی مسلمان ہو جائے اس پر ٹیکس نہیں'' (تاریخ اسلام بحوالہ کتاب الخراج)

اتباع شریعت:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے نزدیک اللہ، رسول اور خلفائے راشدین کی اتباع کرنا ہی معیار حق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ میں اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض پیروی کرنے والا ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔'' (لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق) (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

عروہ بن مہاجر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''قرآن شریف کے بعد کوئی کتاب اور نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، میں قاضی ہوں، منعقد ہوں'' (تاریخ الخلفاء صفحہ 293)

اپنے بیٹے سے فرمایا" خدانہ کرے کہ تیرے باپ پر کوئی ایسا دن آئے کہ اس کی خواہش بدعت کی بیخ کنی اور سنت کو زندہ کرنے کی نہ ہو" (تاریخ الخلفاء صفحہ 306) ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ" وہ سنت رسول کو جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے" (الصارم المسلوم صفحہ 276)

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے" اپنے سے پہلے لوگوں کی رائے کے مطابق عمل کرو اور ان کے خلاف مت کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم اور دیندار تھے" (ایضاً صفحہ 303) آپ سیدنا فاروق اعظمؓ کے تعامل پر خصوصی توجہ دیتے۔ آپ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے پوتے حضرت سالمؒ کو لکھا کہ:

" میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا مجھے استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن الخطاب کی روش اختیار کروں، اس لئے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کئے ہیں، بھیجو، اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا" (ابن سعد جلد 5)

" گویا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیا تھا۔ اور آپ اس مقصد وحید میں کامیاب ہوئے۔

عشق رسول کی غیرت:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بارگاہ رسالت سے بہت محبت تھی۔

آپ اپنے آپ کو بارگاہ رسالت میں از حد متواضع و مودب رکھتے، کسی نے عرض کیا کہ" اگر آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوتا تو آپکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک کے قریب دفن کیا جاتا"۔ آپ نے فرمایا" واللہ اگر خدا تعالیٰ جہنم کے علاوہ مجھے ہر سزا دے دے، میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں خود کو اس جگہ کا حقدار

جانوں"(تاریخ الخلفاء صفحہ 310)

آپ گستاخ رسول سے بہت نفرت کرتے، یہ آپ کی عظیم محبت کا تقاضا تھا، علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے "خلید سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عمر بن عبد العزیز کا گالیاں دیں، اس پر عمر بن عبد العزیز نے تحریر کیا ہے" گالی دینے کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ الا یہ کہ کوئی رسول ﷺ کو گالی دے، اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں گا، اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ یہ بات اس کیلئے مفید ہے تو میں ایسا نہ کرتا" اس کو حرب نے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ یہ روایت عمر بن عبد العزیز سے مشہور ہے" (الصارم المسلول لشاتم الرسول صفحہ 276)

بزرگوں کی غیرت:

آپ صحابہ کرام واہل بیت اطہار کا ادب کرتے اور ان کی توہین کرنیوالے کو برا جانتے تھے۔ تمام مورخین کرام کا اجماع ہے کہ آپ نے اموی دور کی بدترین عادت سب علی کو ختم کیا۔ آپ سے پہلے تمام عمال خطبہ میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ کو (معاذ اللہ) برا کہا کرتے تھے، آپ نے اس کی جگہ آیت مقدسہ پڑھنے کو کہا "ان اللہ یا مربا لعدل و الاحسان..... الخ"

آپ نے حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے گستاخ کو درے لگوائے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 301)

نصیحت پسندی:

آپ کسی کی نصیحت کو دل کے کانوں سے سنتے تھے، اس پر خوش ہوتے اور عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ علماء کرام اور صوفیائے عظام سے

نصیحت آموز باتیں پوچھتے ، مثلاً حضرت سالم بن عبد اللہ ، جابر بن حیاۃ ، اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہم کو بلا کر پوچھا کہ کوئی تدبیر کیجئے ، امارات مصیبت ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں ۔ ان میں سے ایک نے کہا اگر عذاب خداوندی سے نجات درکار ہے تو بوڑھوں کو باپ ، جوانوں کو بھائی اور چھوٹوں کو فرزند تصور کر اور ان سے وہ سلوک روا رکھ جو گھر میں باپ بھائی اور بیٹے سے روا رکھتا ہے ۔ (کشف المحجوب صفحہ 176) ایک مرتبہ آپ کے بیٹے نے آپ کو نصیحت کی تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا '' اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے ایسی اولاد دی جو دینی کاموں میں میری مدد گار ہے '' (الکامل از ابن اثیر جلد 5 صفحہ 24)

ایک بار حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ کو لکھا کہ مجھے واعظ و نصیحت کیجئے ، انہوں نے جواب دیا ، حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ سب سے زیادہ ہولناک امور تمہارے آگے ہیں اور تم کو انہیں ضرور دیکھنا پڑے گا ، نجات سے یا تباہی کے ساتھ ، اور جان لو کہ جو شخص اپنے نفس کو جانچتا رہتا ہے نفع میں رہتا ہے اور جو اس سے غافل رہتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے ۔ اور جو شخص انجام کار پر نظر رکھتا ہے وہ نجات پاتا اور جو ہوائے نفس کی اطاعت کرتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے ۔ جو حلم کرتا ہے اس کو غنیمت ملتی ہے ، جو ڈرتا ہے وہ بچ جاتا ہے ، جو مامون رہتا ہے وہ عبرت پکڑتا ہے اور عبرت والا صاحب بصیرت ہوتا ہے '' (روض الریاحین حکایت 762)

اسی طرح مطرف بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو نصیحت کی کہ '' دنیا عقوبت کا گھر ہے ۔ اس کو وہی جمع کرتا ہے جس میں عقل نہیں اور اس سے مغالطہ اسی کو ہوتا ہے جس کو علم نہیں ۔ اے امیر المومنین ! اس میں ایسے رہو جیسے کوئی اپنے زخم کا علاج کرتا ہے کہ خوف انجام کی درد سے شدت دوا پر صبر کیا کرتا ہے '' (ایضاً حکایت 763)

یہ تھے وہ دل کی گہرائی سے نکلنے والے مقدس کلمات جن کے سہارے آپ خلافت کی پرخار راہ پر چلتے رہے اور آپ کا دامن کسی مظلوم کے خون سے داغدار نہ ہوا۔

خصائل متفرقہ

......☆......

☆...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ صبر و تحمل کی دولت سے مالا مال تھے، ایک مرتبہ کسی قریشی شخص نے ان کے ساتھ سخت کلامی کی، انہوں نے بڑی دیر تک سر نیچا کر لیا۔ اور پھر فرمایا کہ "تمہاری مرضی تھی کہ حکومت کے جوش میں شیطان کے ہاتھوں خفیف ہو کر آج تمہارے سات وہ بات کروں جس کو کل تم میرے ساتھ کرو" (روض الریاحین حکایت 660)

☆...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ از حد نرم مزاج اور حلیم الطبع انسان تھے، خوارج جیسی قوم کے ساتھ بھی نرمی و مہربانی کا حکم دیا۔ آپ نے خود خارجیوں کے سردار بسطام کو لکھا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میرے مقابلہ میں کیوں صف آراء ہوتے ہو اگر جمیت دینی تمہیں مجبور کرتی ہے تو اس جذبہ میں، میں تم سے کم نہیں، زبانی گفتگو کر کے کیوں نہ فیصلہ کر لیا جائے کہ حق و صداقت کس کے ساتھ ہے" (البدایہ والنہایہ جلد 9، صفحہ 187)

گویا آپ اس فتنہ خو قوم کو میدان جنگ سے نکال کر افہام و تفہیم کی فضاء میں لے آئے، بعد ازاں خارجیوں کے ہر سوال کا کافی و شافی جواب دیا اور ان کے عقائد کا فساد ان پر ظاہر کر کے ان کو مطمئن کر دیا۔ یہ آپ کے حسن اخلاق، نرمی کردار کا ثبوت ہے۔

☆...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بہت بہادر تھے۔ ثعالبی لطائف المعارف میں

کہتے ہیں کہ ’’حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا، مروان بن حکم اور عمر بن عبدالعزیز کے سروں پر بال نہ تھے اس کے بعد خلفاء میں یہ بات نہ رہی‘‘ (تاریخ الخلفاء صفحہ 309) چونکہ اس زمانہ میں سر پر خود لگاتے تھے اس وجہ سے سر کے بال اڑ جاتے تھے اور اسی وجہ سے اس شخص کو جس کے بال اڑ جاتے تھے عرب میں اصلع یعنی بہادر اور شجاع کہتے تھے‘‘ (بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء)

☆...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو صداقت سے پیار اور جھوٹ سے نفرت تھی، فرماتے ہیں ’’جس وقت سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ ایک عیب ہے، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا‘‘ (تاریخ الخلفاء صفحہ 295)

☆...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بہت سنجیدہ مزاج تھے، مذاق کو ناگوار سمجھتے تھے، ایک دفعہ بنو مروان نے مل کر آپ کو مذاق کے ذریعے متوجہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ’’تم ایک رذیل بات پر مجتمع ہوئے جو دلوں میں کینہ پیدا کر دیتی ہے‘‘ (ایضاً صفحہ 304) اور فرمایا ’’وہ بہتر ہے کہ تم قرآن شریف مجتمع ہو کر پڑھو، جب اس سے فارغ ہو تو احادیث شریفہ سیکھو اور جب اس میں دسترس پیدا ہو جائے تو احادیث کے معنی پر غور کرو‘‘ (ایضاً)

الغرض آپ کی انہی پاکیزہ عادات وصفات نے اسلامی تاریخ میں انقلاب پیدا کیا اور ایک بار صدق صدیقی، عدل فاروقی، حلم عثمانی اور زور حیدر کی یاد تازہ کر دی، آخر اڑھائی سال کی خلافت کے بعد بیس روز بیمار رہ کر ماہ رجب المرجب 101ھ/ جنوری 720ء میں وصال فرما گئے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ ایک روایت ہے کہ آپ کی اصلاحات پر بنو امیہ کے دنیا پرست لوگ بہت برہم تھے

، چنانچہ انہوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ آپ کو اس سازش کا علم تھا مگر آپ نے کسی سے انتقام لینے کی وصیت نہ فرمائی۔ گویا اس اعتبار سے خلیفہ راشد سیدنا امام حسن المجتبیٰ کے عفو و درگزر کی بھی تجدید فرما دی۔ امام شافعی اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہما آپ کو خلیفہ راشد کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے عالی مرتبہ علمائے کرام نے آپ کو پہلی صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔

............☆☆☆............

قرن دوم

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ

امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆☆☆

دوسری صدی ہجری اپنی نصف منزلیں طے کر چکی تھی۔ اموی اقتدار کا چراغ گل ہو چکا تھا اور عالم اسلام کے طول و عرض میں عباسیوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ علوم و فنون، صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت کی ترقی و عروج کی بدولت عوام و خواص کے طرز زندگی میں نمایاں فرق پیدا ہو چکا تھا۔ مذہب میں عقل و فلسفہ کی نئی نئی موشگافیوں کی وجہ سے افکار و اعمال میں تبدیلی آ رہی تھی۔

اس دور میں ہر فن نے الگ الگ حیثیت و جہت اختیار کر لی تھی۔ تفسیر قرآن میں سفیان ثوری، امام مالک، ابو عمرو بن العلا، شعبہ بن حجاج، وکیع بن الجراح اور یونس بن حبیب جیسے لوگ سامنے آئے۔ حدیث میں تحریری مجموعے منصۂ شہود پہ آئے۔ امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریر متوفی ۱۵۰ نے یا بقول بعض ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ نے سب سے پہلے آثار و احادیث پر کتاب مرتب کی۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ سعید بن عروبہ متوفی ۱۵۶ھ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔ بعدازاں محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ امام اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ امام معمر متوفی ۱۵۳ھ، عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ اور لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ نے ضبط حدیث میں اہم کردار ادا کیا۔ علم حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ کے احسانات کا

ذکر نہ کرنا تاریخ پر ظلم ہوگا۔آپ نے بلند پایہ محدثین اور اعلیٰ مرتبت فقہا کی جماعت تیار کی۔ اہم اصول حدیث کا حیطہ تحریر میں آنا بھی اسی دور کی خصوصیت ہے۔فقہی حوالے سے بھی یہ دور سنہری ہے۔یوں تو فرقہ پرستی ،اعتزال والحاد کی بے راہروی ،انکار حدیث اور عقلیت پسندی کی منہ زوری جیسے ہولناک فتنے جنم لے چکے تھے۔فقہ وکلام نے اپنے تاسیسی مراحل سے گزر کر باقاعدہ فنی صورت اختیار کر لی تھی ،جس میں امام اعظم ،امام مالک جیسے فقہائے اسلام کا ہاتھ تھا۔اس دور میں فقہی مسائل کے حل کے لئے دو گروہ تھے۔اہل مدینہ کا گروہ دوسرا اہل عراق کا گروہ ، یہ لوگ نو بہ نو معاشرتی ،تمدنی اور تہذیبی مسائل کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس واستحسان اور استصلاح جیسے اصول فقہ سے بھی کام لینا شروع ہو گئے۔نظری فقہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔جرح وتعدیل کے مرحلے بھی طے ہوئے۔یونانی علوم کی درآمد نے غور وفکر کے زاویوں کا انداز بدل دیا۔یہ دور اپنے ارتقائی سفر میں چوتھی صدی ہجری کے نصف تک بڑھتا چلا گیا اور سقوطِ بغداد نے اہل اسلام کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا، اجتہادی قوتیں ختم ہو گئیں اور تقلیدی معرکہ آرائیوں سے نوحہ ملت کی دردناکی میں مزید اضافے ہوئے۔

یہ ابو مسلم جعفر منصور عباسی (۱۳۶ھ تا ۱۵۸) کا دور تھا جس میں ابتداً سیاسی ومعاشرتی بدحالی وافراتفری کے عفریت محورقص تھے۔ابو مسلم خراسانی جیسے با اثر آدمی کے قتل سے ایران وعراق کی سرزمینوں میں بغاوت وتمرد کے زلزلے نمودار ہوئے۔۱۴۱ھ میں فرقہ رنداویہ کی شورش برپا ہوئی۔افریقہ کے خارجی وبربری بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔خراسان میں ایک بدبخت استاذ بیس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ہرات ،بادغیس اور سجستان کے باشندوں کو ساتھ ملا کر خلافت عباسی کے خلاف طوفان

اٹھائے۔ آل نبوت کے فرد وحید حضرت محمد بن عبداللہ المعروف نفس زکیہؒ نے عباسی ظلم وستم کے خلاف آواز حق بلند کی اور شہید ہوئے۔ منصور عباسی ظالم حکمران تھا۔ جس کے ظلم وستم سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ جیسی مایہ ناز شخصیت بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد مہدی بن منصور (۱۵۸ھ تا ۱۶۹) تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے نرمی، فراخدلی اور فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ مہدی نے وسیع وعریض سلطنت میں بغاوتوں کو فرو کیا۔ اور رومی اور سندھی علاقوں میں فتوحات حاصل کیں۔ مہدی کے بعد ہادی اور اس کے بعد ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کا دور خلافت وحکومت اسلام کا تابناک زمانہ ہے۔ اس دور کے سیاسی پہلوؤں میں علویوں کی بغاوت، افریقیوں کی عداوت، مصریوں اور یمنیوں میں خانہ جنگی، رومیوں سے نبرد آزمائی، خاندان برامکہ کا اثر ونفوذ اور اس کا عبرتناک زوال وانحطاط نہایت قابل ذکر ہیں۔ جبکہ عدل وانصاف، رعایا کی خوشحالی، شرعی قوانین کا نفاذ، علم وفن کا فروغ واشاعت اہل علم وفکر کی سرپرستی، ایشیاو یورپ کے علماء وفضلاء کا دربار خلافت میں زبردست اجتماع، مصنوعات اور ان کی مختلف ممالک سے تجارت، معاشی اصلاحات، شاہراہوں ہسپتالوں، سراؤں کی تعمیر وتشکیل کے رفاہی امور، حوضوں اور کنوؤں کی سہولت، کامیاب خارجہ پالیسی خلافت ہارونی کی درخشاں خصوصیات ہیں۔ بغداد کی مساجد علوم وفنون کا سرچشمہ تھیں۔ اس دور میں یوحنا ماسویہ، واقدی، ابن قتیبہ، اصمعی، خلیل، ابن احمد، عباس بن احنف، ابونواس جیسے اہل فن موجود تھے، امام ابویوسف اور امام محمد جیسے فقیہ ومحدث مسند حدیث وفقہ پر رونق افروز تھے۔ اور بھی صوفیہ، متکلمین، محدثین کثیر تعداد میں مصروف عمل تھے۔

بقول امیر علی، ہارون الرشید ہر اعتبار سے عظیم حکمرانوں میں اپنا خاص مقام

رکھتا ہے۔امام سیوطی لکھتے ہیں ۔ہارون الرشید ایک زبردست خلیفہ اور جلیل القدر بادشاہ تھا۔

یہ تھے وہ تاریخی حالات جن میں اللہ تعالیٰ نے امام محمد بن ادریس شافعیؒ کو پیدا فرمایا، حضرت امام اس علمی وفکری دور میں تمام اہل علم وفکر کے درمیان آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوئے۔

مخبر صادق کی بشارت:

حضور سرور عالم مخبر صادق علیہ نے اپنی امت مغفورہ کے بہت سے واقعات وحالات کی اپنے دور ظاہری میں نشاندہی فرمادی۔مثلاً حضرت فاروق و عثمان شہید ہوں گے۔حضرت حسن مجتبےٰ صلح پر راضی ہوں گے۔حضرت امام حسین کربلا میں جام شہادت نوش کریں گے۔نسل عبداللہ بن عباس سے سفاح، مہدی جیسے خلفاء ہوں گے۔اہل فارس، علم یا ایمان کو ثریا کی بلندی سے بھی توڑ لائیں گے۔اس حدیث صحیح سے مراد امام اعظمؒ کی ذات گرامی ہے۔اسی طرح حضور علیہ نے امام شافعی کے بارے میں فرمایا

"لَا تَسُبُّوْا قُرَيْشاً فَإِنَّ عَالِمَهَا يَمْلَأُ الْأَرْضَ عِلْماً، قریش کو گالی نہ دو کیونکہ ان کا عالم زمین کو علم سے بھر دے گا" امام سیوطیؒ نے اس حدیث کا مصداق امام شافعی کو قرار دیا ہے۔(تبییض الصحیفہ ص ۴)

حالات وواقعات:

حضرت امام شافعیؒ کا نام نامی محمد ،کنیت ابو عبداللہ اور لقب ناصرالحدیث ہے۔جداعلیٰ شافع کی وجہ سے شافعی کہلائے ۔سلسلہ نسب اس طرح

ہے۔

"هو محمد بن ادريس بن العباس بن عثمان

بن شافع بن السائب بن عبيد بن عبديزيد بن هاشم

بن عبدالمطلب بن عبد مناف بن قصي بن كلاب بن

مرةبن كعب بن لوئي بن غالب بن فهر بن مالك بن

النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن الياس بن

مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اَدّبن ادؤ" (ترجمہ

الامام الشافعی دیوان الشافعی ص ۵)

آپ کا نسب ساتویں پشت پہ جا کر حضور سرور عالم ﷺ سے جا ملتا ہے۔

آپ مقام غزہ میں رجب المرجب ۱۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ جو فلسطین میں بیت المقدس سے تین مراحل کے فاصلے پر واقع ہے یہ عجیب بات ہے۔ کہ جس سال آپ پیدا ہوئے اسی سال امام اعظمؒ کا انتقال ہوا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا۔ "مات امام و ولد امام" یعنی ایک امام رخصت ہوا اور ایک امام پیدا ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق عرب کے ممتاز قبیلہ ازد سے تھا۔ آپ کے والد آپ کی ولادت سے چند روز قبل فوت ہو گئے اب ماں کا سایہ شفقت تھا۔ جس نے اس نخل فضل کو زمانے کی دھوپ سے بچانا تھا۔ آپ دو سال کے ہوئے تو آپ کو لے کر حجاز مقدس آ گئیں۔ اور وہاں سے اپنے آبائی علاقے میں آ کر رہنے لگیں۔ آپ نے اپنے ماموں کے پاس دس سال بسر کیے۔ بعد ازاں والدہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں آ کر قیام کیا۔ اور وہیں جسمانی و اخلاقی و روحانی نشو ونما حاصل کی۔ (طبقات الشافعیہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۰)

آپ بچپن سے ہی کمال کے ذہین اور فطین تھے۔ شروع سے ہی علم و فضل

کے ساتھ لگاؤ تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ دس سال کی عمر میں حدیث کی عظیم کتاب موطا امام مالک یاد کی اور پندرہ سال میں مختلف مسائل میں فتوے دینا شروع کیے۔ آپ نے قبیلہ ہزیل میں رہ کر شعروادب میں اتنا رسوخ پیدا کیا کہ وقت کا امام الشعرا اصمعی آپ سے اصلاح لیتا تھا۔ (وفیات الاعیان جلد ۳ ص ۳۰)

آپ نے دوران مکہ معظمہ امام مسلم بن خالد سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں آپ نے اپنے عم محترم سے علم الانساب اخذ کیا۔ اپنی طلب علم کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں۔

"جعلت انشد الاشعار و اذکر الاداب والاخبار و ایام العرب فمربی رجل من الزبیر یین من بنی عمیی فقال لی یا عبدالله عزعلی الایکون مع هذه اللغتو هذه الفصاحةوالذکاء فقه فتکون سدت اهل زمانک فقلت فمن بقی نقصد فقال لی مالک بن انس سیدالمسلمین یومئذ" یعنی میں اشعار، آداب واخبار اور ایام عرب سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک دن ایک مرد عمی نے مجھے فقہ کے لئے امام مالک بن انسؓ کے پاس جانے کے لئے کہا۔ (دیوان الشافعی ص ۷)

امام مالک کی خدمت اقدس میں آپ نے خوب علم حدیث کے مزے لوٹے۔ امام مالک نے ا. ں نصیحت و بشارت سے بھی نوازا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، معاصی سے اجتناب کرنا، فانه سیکون لک شان من الشان، عنقریب تمھاری بہت شان ہوگی۔ یہ حضرت امام مالک کی کرامت وفراست کی دلیل ہے۔ کہ

ان کے الفاظ کی حرمت وعظمت پوری طرح قائم رہی۔آپ نے ان سے آٹھ ماہ تک استفادہ کیا۔(تانیب الخطیب ص ۱۸۲) پھر مکہ معظمہ تشریف لا کر وہاں کے شیوخ کرام سے فیض لیتے رہے۔

امام شافعیؒ نے اپنے دور کے بہت بڑے علما کرام اور ائمہ عظام سے علم حاصل فرمایا۔امام موفق مکی نے ان کے اساتذہ کی تعداد اسی بتائی ہے۔ان میں امام اعظم کے شاگرد خاص امام محمدؒ بھی شامل ہیں۔بلکہ سب سے زیادہ حضرت امام انہی کے ممنون نظر آتے ہیں۔ان کا مشہور قول ہے۔امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن الحسن ،لوگوں میں مجھ پر سب سے زیادہ فقہی احسان امام محمدؒ کا ہے (تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۷۶)

حضرت امام کی والدہ نے امام محمدؒ سے شادی کر لی جس کی وجہ سے امام محمدؒ کا تمام علمی سرمایہ،حضرت امام کو نصیب ہوا۔اسی علمی سرمائے کی بدولت ان کو تفقہ فی الدین کا ملکہ حاصل ہوا۔خود فرماتے ہیں ۔جو فقہ میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے۔وہ اصحاب ابوحنیفہ سے مستفید ہو کہ ان لوگوں پر اللہ نے مسائل واحکام کے استنباط اور استخراج کے راستے کشادہ کر دیئے ہیں۔نیز فرماتے ہیں الفقها کلهم عیال ابی حنیفه،تمام فقہا ابوحنیفہ عیال ہیں۔

فیاض ازل نے حضرت امام کو گوناں گوں اوصاف سے نوازا،عارف کامل خواجہ فرید الدین عطار لکھتے ہیں۔"آپ بحر شریعت وطریقت کے شناور،رموز حقیقت کے شناسا،فراست وذکاوت میں ممتاز اور تفقہ فی الدین میں یکتائے روزگار ہیں،پورا زمانہ آپ کے محاسن واوصاف سے بخوبی واقف ہے۔(تذکرہ الاولیاء ص ۱۳۶)

حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

''اپنے وقت کے بزرگوں کے امام، تمام علوم میں یگانہ روزگار، جوانمردی اور پرہیزگاری میں ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ ہر حال میں مستودہ خصال تھے۔ (کشف المحجوب ص۱۹۳)

ذیل کی سطور میں ہم اس بحرِ ذخار کی چند جولانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

علم و عقل و تفقہ:

حضرت امام نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں علم و عقل و تفقہ کے سرچشمے جاری تھے۔ اس دور میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ اور بصرہ کے تعلیمی مراکز علوم وفنون کے گہوارے تھے۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل اور ان کے شاگردوں مجاہد، عطار اور طاوس جیسے بزرگوں کا فیض جاری تھا۔ انہی کی ضیا پاشیوں سے سفیان بن عیینیہ اور مسلم بن خالد الزنجی تابدار ہوئے اور حضرت امام کو بھی علم اسلام کی روشنی سے منور کر گئے۔

مدینہ میں خلفائے راشدین اور دیگر قدسی صفات صحابہ کرام رہائش پذیر تھے۔ ان کے تابعین نے ان کے فیضان علم کو پھیلایا بالخصوص حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے فیضان علم کے وارث عروہ بن زبیر، ربیعہ رائی اور ابن شہاب جیسے لوگ مشہور تھے۔ جن سے امام مالک، شعبہ، اوزاعی، یحییٰ بن سعید نے استفادہ کیا، حضرت فاروق کے غلام اسلم کا حلقہ درس بھی بہت وسیع تھا، جس میں حضرت امام زین العابدین جیسے بزرگ بھی آ کر بیٹھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زکوان اپنے علمی وقار کی وجہ سے بقول عبداللہ بن ربہ بادشاہوں پہ سبقت لے گئے۔ محمد بن عجلان، مسجد نبوی میں بیٹھ کر تابعین میں علم وفکر کی دولت بانٹتے تھے۔ اسی علمی مرکز میں

امام جعفر صادق نے خوب فیضان لٹایا جن سے امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ جیسے لوگ مستفیض ہوئے۔ مرکز مدینہ سے تمام عالم اسلام کے جید علماء وفقہاء نے رجوع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اسی مادر علمی کے احسان مندر ہے۔ عراق میں حضرت علی المرتضٰی اور عبداللہ بن مسعود کے علم وفضل کی شعاعوں نے علقمہ، متوفی ۶۳ھ اسود متوفی ۹۵ھ مسروق متوفی ۶۳ھ حارث بن قیس، عامر بن شرجیل، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متوفی ۱۴۸ھ امام شعبی اور مسعر بن کدام جیسے لوگ آفتاب و ماہتاب بنے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے ماہ پاروں ابو یوسف، امام محمد، زفر بن ہزیل، حسن بن زیاد نیز سفیان ثوری، شریک بن عبداللہ نے فقہ وحدیث کی لازوال خدمت کی کہ آج بھی امت مرحومہ ان کی منت کش ہے۔

بصرہ میں حضرت انس بن مالک، ابوموسیٰ اشعری اور ان کے دستر خوان علم کے ریزہ خوار امام حسن بصری محمد بن سرین جیسے صوفی اور فقیہ ومحدث ابھر کر سامنے آئے۔ بصرہ میں ابوالعالیہ، حسن بن ابی الحسن یسار، جابر بن زید اور قتادہ جیسے علما وفضلا نے وراثت علم وفکر کو تقسیم کیا۔ مرکز شام کو حضرت معاذ، ابودرداء، عبادہ بن صامت اور ان کے تابعین ابوادریس خولانی، قبیصہ، مکحول بن ابی مسلم، عمر بن عبدالعزیز، رجا بن حیاۃ، امام عبدالرحمٰن نے چار چاند لگائے۔ مرکز مصر میں عمرو بن العاص نے دینی تعلیمات کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا، ان کے مشہور شاگرد یزید بن ابی حبیب، عبداللہ بن لہیعہ اورلیث بن سعد اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو نے علم کی ترویج کی، اسی طرح یمن کا مرکز علم طاوس بن کیسان متوفی ۱۰۶ھ اور وہب بن منبہ جیسے نجوم ہدایت سے چمکتا رہا۔ بنوعباس کے عہد خلافت میں بغداد، عروس البلاد کے طور پر ہویدہ ہوا تو تمام مراکز اسلام کا علم وفضل وہاں سمٹ آیا۔ یہ تھے اس دور کے علمی و

امام جعفر صادق نے خوب فیضان لٹایا جن سے امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ جیسے لوگ مستفیض ہوئے۔ مرکز مدینہ سے تمام عالم اسلام کے جید علماء و فقہاء نے رجوع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اسی مادر علمی کے احسان مند رہے۔ عراق میں حضرت علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعود کے علم و فضل کی شعاعوں نے علقمہ، متوفی ۶۳ھ اسود متوفی ۹۵ھ مسروق متوفی ۶۳ھ حارث بن قیس، عامر بن شرجیل، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متوفی ۱۴۸ھ امام شعبی اور مسعر بن کدام جیسے لوگ آفتاب و ماہتاب بنے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے ماہ پاروں ابو یوسف، امام محمد، زفر بن ہزیل، حسن بن زیاد نیز سفیان ثوری، شریک بن عبداللہ نے فقہ و حدیث کی لازوال خدمت کی کہ آج بھی امت مرحومہ ان کی منت کش ہے۔

بصرہ میں حضرت انس بن مالک، ابوموسیٰ اشعری اور ان کے دستر خوان علم کے ریزہ خوار امام حسن بصری محمد بن سرین جیسے صوفی اور فقیہ و محدث ابھر کر سامنے آئے۔ بصرہ میں ابوالعالیہ، حسن بن ابی الحسن یسار، جابر بن زید اور قتادہ جیسے علما و فضلا نے وراثت علم و فکر کو تقسیم کیا۔ مرکز شام کو حضرت معاذ، ابودرداء، عبادہ بن صامت اور ان کے تابعین ابوادریس خولانی، قبیصہ، مکحول بن ابی مسلم، عمر بن عبدالعزیز، رجابن حیاۃ، امام عبدالرحمٰن نے چار چاند لگائے۔ مرکز مصر میں عمرو بن العاص نے دینی تعلیمات کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا، ان کے مشہور شاگرد یزید بن ابی حبیب، عبداللہ بن لہیعہ اور لیث بن سعد اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو نے علم کی ترویج کی، اسی طرح یمن کا مرکز علم طاؤس بن کیسان متوفی ۱۰۶ھ اور وہب بن منبہ جیسے نجوم ہدایت سے چمکتا رہا۔ بنو عباس کے عہد خلافت میں بغداد، عروس البلاد کے طور پر ہویدہ ہوا تو تمام مراکز اسلام کا علم و فضل وہاں سمٹ آیا۔ یہ تھے اس دور کے علمی و

فکری حالات جن میں امام شافعی نے تعلیم مکمل فرمائی۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ ایسے حالات میں جنم لینے والا فہم وشعور کا شاہکار بچہ بڑا ہو کر کس پائے کا عالم ہوگا۔ آپ نے ان تمام علمی مراکز سے فیض اٹھایا، یمن میں آپ کے علمی اثر رسوخ کی وجہ سے خلیفہ ہارون بھی پریشان ہو گیا اور انہیں بغداد طلب کر لیا، مصر میں آپ کو از حد پذیرائی نصیب ہوئی یہی وجہ ہے۔ کہ مصر میں شوافع بہت زیادہ تعداد میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے تصانیف و تالیفات بھی رقم فرمائی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کے کہنے پر کتاب الرسالہ لکھی جس میں قرآن کے معانی، معتبر احادیث اور اس کے ساتھ اجماع و ناسخ و منسوخ کا بھی بیان تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد وص ۲۷) آپ ماہر تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس علم میں کتاب السبق الرمی تحریر کی، (ایضاً) آپ کی روایات پر مبنی کتاب الام اور المبسوط کو ان کے شاگردوں نے تیار کیا۔ مسند شافعی میں بھی احادیث مرفوعہ کو جمع کیا گیا۔ جنہیں امام اپنے تلامذہ کے سامنے بیان کر چکے تھے۔ اس مسند میں روایات کی تکرار کے ساتھ 1900 احادیث مروی ہیں، مکررات کو چھوڑ کر ۸۲۰ مسند و مرفوع اور ۱۲۰ مرسل ہیں (حاشیہ تدریب الراوی) آپ نے علم الحدیث میں اصول مرتب کئے۔ مثلاً امام نے حدیث مرسل سے استدلال کرنے پر اختلاف کیا یہ آپ کی احتیاط تھی۔ امام ابن جریر طبری نے فرمایا ان التابعین اجمعوا باسرھم علیٰ قبول المرسل ولم یات عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمہ بعد ھم اتی راس الماتین۔ (منیۃ الالمعی ص ۲۷)

ان کے زمانے میں رواۃ کی تحقیق ہو چکی تھی۔ ان کی جن روایات پر تعامل صحابہ و تابعین ثابت نہ تھا۔ علماء ان کو نا قابل استدلال تصور کرتے تھے، حضرت امام نے ان سے اختلاف فرمایا کہ صحابہ و تابعین ہر مسئلہ پر حدیث تلاش کرتے تھے، کوئی

روایت نہ ملتی تو دوسرے دلائل کی طرف دیکھتے۔ اس لیے حضرت امام نے ایسی روایات کو معمول بہا قرار دیا۔ مثلاً قلتین کی حدیث طبقہ اولیٰ میں شائع نہ تھی، مگر دور امام میں اسے شائع کیا گیا۔ اور انہوں نے اس پر اپنے مذہب فقہی کی بنیاد قائم کی ۔جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ جلد اص ۱۱۷ اور ابن قیم نے تہذیب السنن ص ۸۵ میں تصریح کی ہے۔ اسی طرح امام شافعی نے حدیث خیار مجلس پر عمل کیا جس کو فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین نے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت امام نے ان روایات کے خلاف اقوال صحابہ وفتاوی تابعین کو بھی نہ تسلیم کیا کہ ھم رجال و نحن رجــــال ،وہ بھی مرد تھے ہم بھی مرد ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ) آپ کے نزدیک اجتماعی سکوت قابل حجت نہیں۔ ایک اصل کو دوسری اصل پر قیاس نہ کیا جائے۔ اصل پر جرح نہ کی جائے۔ فرع میں کہنا چاہیے کہ یہ کیوں ہے۔ خاص سبب نزول حکم نص سے خارج نہیں ہوسکتا۔ کسی حکم کا کسی وصف خاص پر معلق ہونا اس وصف کی نفی کی صورت میں نفی حکم پر دلالت کرتا ہے۔ آپ نے قیاس واستحسان کی شدید مخالفت کی ،قیاس کے قوانین مقرر کیے۔ یعنی فرع عندالعقل، اصل حکم فرع میں بطریق اولیٰ ثابت ہو۔ اگر نہ ہوتو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اولاً اصل سے حکم کی علت معلوم کی جائے۔ جس کے باعث فرع میں حکم نافذ ہوگا۔ ثانیاً مختلف صورتوں میں تیسری صورت واقع ہو جس کا حاصل صراحتاً معلوم نہ ہو اس صورت میں اس کا ان صورتوں سے مقابلہ کیا جائے گا۔ جس سے اسے مشابہت ہوگی اس کا حکم اس میں جاری ہوگا یہ قیاس الشبہ ہے۔

آپ نے احادیث کے جمع وتنقید، اصول اور مراتب و امتیازات کے قواعد تشکیل دیئے۔ جن سے حدیث کی حجت کا علم ہوتا ہے۔ زعفرانی کا قول ہے حدیث والے سو رہے تھے، امام شافعی نے بیدار کیا، امام محمد فرماتے ہیں ایسا محدث نہیں جس پر شافعی کا

احسان نہ ہو، ہمیں ناسخ و منسوخ، مجمل و مفسر حدیث کا علم آپ کی مجلس سے ملا۔ (ابن خلکان جلد ۳ ص ۳۵) نیز فرمایا اگر اس دور میں اصحاب حدیث کلام کریں گے تو زبان شافعی میں کریں گے (ایضاً) امام کے نزدیک علم کا حصول نفلی نماز سے بہتر ہے (مرقاۃ جلد ا ص ۱۳۱) اس لیے آپ نے اس اصول پر اس طرح عمل کیا کہ سراپا علم بن گئے۔ آپ کو ہر فن میں کمال دسترس حاصل تھی۔ فرماتے ہیں میں نے جو کچھ امام محمد سے حاصل کیا وہ بار شتر کے برابر ہے۔ باقی اساتذہ نے آپ کو کیا دیا ہوگا ذرا تصور کریں۔ آپ درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ آپ نے مجتہد کے لیے جن علوم کی شرط لگائی ہے ان کو دیکھ کر بھی آپ کے تبحر علم کو سلام کرنا پڑتا ہے۔

☆...... قرآن و حدیث اور ان کی اقسام خاص، مجمل، مبین، ناسخ و منسوخ پر عبور۔

☆...... عربی زبان کی لغوی و نحوی تحقیق پر عبور۔

☆...... اقوال صحابہ پر بلحاظ مراتب، تابعین اور ان کے طبقات پر اور ان کے باہمی اختلافات پر عبور۔

☆...... اقسام قیاس پر عبور۔

آپ قرآن، حدیث، اجماع و قیاس جیسے فقہی ماخذ کو اس طرح نہیں دیکھتے جیسے دوسرے مذاہب فقہی میں دیکھا گیا ہے۔ آپ کا منفرد اسلوب فکر ہے۔ آپ کا یہ تجدیدی احسان ہے کہ اقدار زمانہ کی وجہ سے فقہی کدورتوں اور احادیث میں موضوعی روایتوں کو ختم کرنے کے لیے بنیادی معیارات عطا کیے، جن کا تاریخ فقہ و حدیث میں اہم مقام ہے۔ آپ کی علمی و فقہی جلالت شان اور علو بیان کو آج تک خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ تیس سال سے ہر رات کو حضرت امام کے لیے دعا مانگتا ہوں، زعفرانی فرماتے ہیں، جس طرح اہل یہود میں عبداللہ بن سلام

منفرد تھے عالم اسلام میں امام شافعی منفرد ہیں ۔ابو عبید کا بیان ہے۔میں نے امام شافعی سے زیادہ عقل والا کوئی نہیں دیکھا،ابو ثور کا فرمان ہے جو کہے کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ علم و فضل والا کوئی آدمی دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے۔امام ابوداود نے فرمایا امام احمد سب سے زیادہ امام شافعی کی طرف مائل تھے۔فرماتے ہیں کان الشافعی من افصح الناس و کان مالک تعجبه قرأته لانه کان فصیحاً : شافعی لوگوں سے زیادہ فصیح تھے،کہ امام مالک جیسا فصیح بھی جن پر حیران ہوا۔(تہذیب التہذیب جلد۹ص ۲۶) کسی شخص نے امام احمد بن حنبل پر اعتراض کیا کہ آپ امام شافعی کے پاس کیوں بیٹھے ہیں حالانکہ خود عالم ہیں۔آپ نے فرمایا میرے پاس جس قدر علم ہے۔اس کے معانی پر وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔ان کی خدمت میں مجھے حقائق حدیث معلوم ہوتے ہیں،وہ پیدا نہ ہوتے تو ہم علم کے دروازے پر ہی رہتے، اور فقہ کا دروازہ بند ہو جاتا،وہ اس عہد میں اسلام کے سب سے بڑے محسن ہیں۔وہ فقہ،معانی اور علوم لغت میں ثانی نہیں رکھتے۔نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے مطابق کہ ہر صدی کی ابتداء میں ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اہل علم اس سے علم دین حاصل کریں گے۔اس صدی کی ابتداء امام شافعی سے ہوئی ہے۔(تذکرۃ الاولیاء ص۱۲۶) مزید فرمایا الشّافعی افقه الناس فی کتاب الله و سنة رسوله .(دیوان الشافعی ص۱۰) امام احمد فرماتے ہیں جس نے قلم و دوات کو ہاتھ لگایا اس کی گردن پر شافعی کا احسان ہے۔

صاحب المغازی عبدالملک بن ہشام نحوی کہتے ہیں شافعی وہ ہیں جن سے لغت حاصل کی جاتی ہے۔یہی القاسم بن سلام نے کہا،الربیع بن سلیمان نے کہا الشافعی عربی النفس عربی اللسان تھے۔انہوں نے مزید کہا اگر میں شافعی کو دیکھتا اور ان

کے حسن بیان اور فصاحت کو دیکھتا تو حیران ہو جاتا، امام جاحظہ فرماتے ہیں ہم نے ان اہل علم کی جن کتابوں کو دیکھا ان میں کسی کی تالیف شافعی کی تالیف سے احسن نہیں ان کا کلام سارا منظم ہے۔ امام ذھبی کہتے ہیں کان حافظاً للحدیث بصیراً بعلله یقبل منه ، الاما ثبت عنده ۔ وہ حافظ حدیث تھے۔ اس کے اسباب کو جاننے والے تھے۔ اس سے وہی کچھ قبول کیا جو ان کے نزدیک ثابت تھا۔ احمد بن سریج کا بیان ہے مارایت احداً افوہ ولا انطق من الشافعی یعنی ان جیسا صاحب کلام شخص میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ محمد بن الحسن نے خلیفہ ہارون الرشید سے کہا اے امیر المومنین! یہ مطلبی ہے جس پر آپ بفصاحت غلبہ نہیں پا سکتے فانہ رجل لسن بیشک وہ صاحب اللسان ہے۔ (دیوان الشافعی ص ۸)

سفیان ثوری کا بیان ہے۔ کہ امام شافعی سے زیادہ کوئی دانشور نہیں (ایضاً) انہی کا بیان ہے کہ شافعی کی عقل نصف مخلوق کی عقل سے بھی زیادہ ہے۔ (سفینۃ الاولیاء ص ۴۸) حمیدی کا قول ہے۔ ہم اصحاب رائے کا رد اچھے طریقے سے کر لیتے جہاں تک کہ شافعی آ جاتے اور ہم پر فتح حاصل کر لیتے۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ امام شافعی طلب شعر و نحو غریب میں مستغرق تھے۔

اب ہم آپ کے علم و عقل، تفقہ و تدبر، فراست و ذکاوت پر چند ایمان افروز واقعات لکھتے ہیں۔

(1)

محمد بن الفضل البزاز نے اپنے والد ماجد سے روایت کی میں نے امام احمد بن حنبل کے ساتھ حج کیا اور مکہ مکرمہ میں ایک مکان میں ٹھہرے۔ ایک دن امام احمد اکیلے باہر نکلے اور میں ان کے بعد۔ صبح کی نماز ادا کی اور مسجد میں سفیان بن عیینہ کی

مجلس میں گیا۔ پھر مجلس مجلس پھرا کہ امام احمد مل جائیں۔ آخر میں نے انہیں نوجوان عربی کے پاس دیکھا۔ میں نے کہا اے ابوعبداللہ! ابن عیینہ کو چھوڑ دیا حالانکہ ان کے قریب عمرو بن دینار اور زیاد بن علاقہ اور دیگر تابعین بیٹھے ہیں۔ ما اللہ بہ علیم؟ انہوں نے فرمایا خاموش رہو! اگر تو حدیث کا علو کھو بیٹھا تو نزول حاصل کرلے گا ایسے تیرے دین اور عقل میں کوئی کمی نہیں آتی اور اگر تو نے اس نوجوان کے کلام کو کھو دیا تو مجھے خطرہ ہے۔ یوم قیامت تک نہیں پاسکے گا۔ **ما رایت احداً افقه في كتاب الله من هذا الفتى القرشي**، میں نے اس نوجوان قریشی سے بڑھ کر کوئی کتاب اللہ کا فقیہ نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ فرمایا محمد بن ادریس الشافعی (ترجمہ الشافعی دیوان الشافعی ص ۱۰)

(2)

ابو اسماعیل الترمذی نے کہا کہ میں نے اسحٰق بن راھویہ سے سنا کہ ہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل دونوں وہاں موجود تھے۔ مجھے امام احمد نے کہا اے ابو یعقوب! اس مرد یعنی شافعی کے پاس بیٹھو، میں نے کہا، اس کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ہمارا ہم عمر لگتا ہے۔ کیا ابن عیینہ اور مقری کو چھوڑ دوں، فرمایا ویحک ان ذاک یفوت وذا لا یفوت۔ فجالستہ (ایضاً) تجھ پر افسوس، بے شک یہ ختم ہوگا۔ وہ ختم نہ ہوگا۔ پس میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔

(3)

الربیع بن سلیمان کہتے ہیں امام شافعی اپنے حلقہ میں بیٹھتے جب نماز صبح ادا کرلیتے۔ طلوع آفتاب کے وقت اہل القرآن حاضر ہوئے۔ وہ کھڑے ہوئے تو اہل الحدیث آگئے اور ان سے تفسیر و معانی پوچھتے رہے۔ جب سورج بلند ہوا تو وہ اٹھے تو

نظر و مذاکرہ کا حلقہ قائم ہوا۔ جب اور دن روشن ہوا تو وہ بکھر گئے اور اہل عربیہ اہل عروض ونحو اور اہل شعر آ گئے، وہ نصف النہار تک رہے پھر آپؒ چلے گئے۔ (دیوان الشافعی ص۹)

(4)

محمد بن عبدالحکم نے کہا کہ میں نے امام شافعی کی مثال نہیں دیکھا، ان کے پاس اصحاب حدیث آتے اور ان سے علم حدیث کے غوامض پر اعراض کرتے۔ وہ انہیں اس علم کے اسرار سے آگاہ کرتے تھے۔ جن سے وہ ہرگز واقف نہ ہوتے تھے۔ وہ وہاں سے حیران ہو کر اٹھتے اور ان کے موافق ومخالف اصحاب فقہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، اصحاب ادب ان سے شعر کے بارے میں معارض ہوئے تو وہ ان پر شعر کے معانی کھول کر رکھ دیتے۔ وکان یحفظ عشرۃ آلاف بیت، انہیں دس ہزار اشعار یاد تھے وہ ان کے اعراب ومعانی کو جانتے تھے۔ وہ تاریخ کے سب سے زیادہ عارف تھے۔ انہوں نے اپنا کام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص عمل سے کیا (ایضاً)

(5)

آپ بہت حاضر دماغ اور ذہانت و فطانت کے مالک تھے۔ آپ کی والدہ بہت بزرگ تھیں اور اکثر لوگوں کی امانتیں رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ دو شخص کپڑوں سے بھرا ہوا صندوق بطور امانت رکھ گئے۔ اس کے بعد ایک شخص وہ صندوق لے گیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے نے آ کر صندوق طلب کیا تو انہوں نے فرمایا کہ صندوق تو تیرا ساتھی لے جا چکا ہے۔ وہ کہنے لگا جب صندوق ہم دونوں نے رکھایا تھا تو آپ نے میری عدم

موجودگی میں اس کو کیسے دے دیا۔آپ کی والدہ بہت نادم ہوئیں ۔اس وقت امام شافعی بھی گھر آ گئے ۔آپ نے صورت حال معلوم کر کے اس شخص سے فرمایا تمھارا صندوق موجود ہے۔لیکن تم اکیلے کیسے آ گئے ۔ پہلے دوسرے ساتھی کو بھی لے آؤ۔وہ یہ جواب سن کر ششدر رہ گیا (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۷)

(6)

امام شافعی سترہ سال کی عمر میں امام مالک کے پاس پہنچے، وہ امام مالک کے دروازے پر اس نیت سے کھڑے رہتے کہ جو شخص ان سے فتوے پر دستخط لے کر نکلتا آپ اس کا بغور مطالعہ کرتے۔اگر جواب صحیح ہوتا تو اس شخص کو رخصت کر دیتے ورنہ امام مالک کے پاس بھیج دیتے۔امام مالک مزید غور کر کے اسے صحیح کرتے اور ان کے اس عمل پر مسرور ہوتے (ایضاً)

(7)

خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی بیوی میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔زبیدہ نے کہا کہ تم جہنمی ہو، ہارون نے کہا اگر میں جہنمی ہوں تو تیرے اوپر طلاق ، یہ کہہ کر اس نے بیوی سے کنارہ کشی اختیار کر لی ،لیکن محبت کی وجہ سے جدائی برداشت نہ کر سکا۔اس نے علماء کرام کو بلایا اور پوچھا کہ میں جہنمی ہوں یا جنتی ۔کسی نے جواب نہ دیا۔امام شافعی کمسنی کے باوجود ان علما کرام کے ساتھ تھے۔آپ نے فرمایا اجازت ہو تو میں جواب دوں۔خلیفہ نے اجازت دی ،آپ نے فرمایا مجھے آپ کی ضرورت ہے یا آپ کو میری ،خلیفہ نے کہا مجھے آپ کی ضرورت ہے۔آپ نے فرمایا کہ پھر آپ تخت سے نیچے آ جائیں کہ علما کرام کا رتبہ آپ سے بلند ہے۔خلیفہ نے آپ کو تخت پر بٹھایا اور خود نیچے آ گیا۔آپ نے سوال کیا کہ کیا ایسا موقع آیا کہ آپ نے قادر ہو کر محض خوف خدا

کی وجہ سے گناہ نہ کیا ہو۔ خلیفہ نے کہا ہاں ایسے مواقع آئے ہیں آپ نے فرمایا تم جنتی ہو۔ علما کرام نے حجت طلب کی، آپ نے فرمایا ارشاد باری ہے" جو خوف خدا کی وجہ سے گناہ سے باز آیا وہ جنت میں جائے گا۔" یہ جواب سن کر تمام علما کرام نے داد دی کہ جس کا کم سنی میں یہ عالم ہو، خدا جانے جوانی میں اس کے کیا مراتب ہوں گے: (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۷)

(8)

حضرت امام احمد بن حنبل اور امام شافعی دونوں جامع مسجد میں تھے کہ ناگہاں ایک اجنبی مسجد میں داخل ہوا حضرت امام احمد نے فرمایا، میری فراست میں یہ لوہار ہے۔ امام شافعی نے فرمایا میری فراست میں یہ بڑھی ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ پہلے وہ بڑھئی تھا اب لوہار کا پیشہ اپنا لیا ہے۔ (نزہۃ المجالس ص ۱۲۰)

جہاں میں بندہ حر کے مشاہدات ہیں کیا

(9)

امام شافعی نے امام احمد سے پوچھا آپ کے نزدیک عمداً نماز ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی کیا شکل ہے۔ انہوں نے کہا نماز ادا کرے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ کافر کی نماز ہی درست نہیں، یہ سن کر وہ ساکت رہ گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۸) امام شافعی سے خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا، آپ کا علم القرآن کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اسے محفوظ کیا اور اس کے وقف، ابتداء ناسخ، منسوخ، اس کے لیل ونہار، خاص و عام کی پہچان حاصل کی۔ اس نے کہا اے ابن ادریس واللہ آپ نے خوب علم حاصل کیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا آپ کا علم النجوم

کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا میں بری، بحری سہلی، جبلی، اور فلیلق (یونانی علم) جانتا ہوں اس نے کہا آپ کا علم انساب العرب کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا میں عام و کرام کا انساب جانتا ہوں اور میرا نسب تو امیر المومنین کا ہی نسب ہے۔ اس نے کہا لقد ادعیت علماً، آپ نے خوب علم حاصل کیا، کیا آپ امیر المومنین کو کوئی موعظت ونصیحت سے نوازیں گے، آپ نے طاوس الیمانی کی نصیحت سنائی تو خلیفہ ہارون پر گریہ طاری ہو گیا، اس نے آپ کو پچاس ہزار کی رقم عطا کی جسے آپ نے گھوڑے پر لادھا اور تشریف لے آئے (دیوان الشافعی ص ۸)

محبت رسول اور اس کے تقاضے:

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ محبت رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال تھے اور اس محبت کے تقاضوں سے بخوبی آشنا تھے۔ آپ کا حضور سرور عالم ﷺ سے کیا رابطہ تھا، ایک واقعہ دیکھئے، فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں سرکار مدینہ کی زیارت کی۔ حضور نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا اللہ تجھے برکت دے، پھر اسی شب خواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگشتری نکال کر میری انگلی میں ڈال دی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

محبت رسول کی بدولت انسان کو بلند روحانی مقامات حاصل ہوتے ہیں ۔حضرت بلال خواص فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جناب خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ امام شافعی کے بارے میں کیا رائے ہے۔ فرمایا ان کا شمار اوتاد میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت سلیمان راعی کی صحبت میں رہے۔ اور فیوض باطنی سے فیض یاب ہوئے اور آہستہ آہستہ اپنے عروج کمال تک رسائی حاصل کی۔ اپنے دور کے تمام مشائخ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ کہ میں امام شافعی کے بلند مراتب کی وجہ

سے ان کا عقیدت مند ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۳۶) امام احمد حنبل کے نزدیک وہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں (توالی التاسیس ص ۹۳)

حضرت شیخ علی ہجویری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

ایک شیخ طریقت کو ایک رات پیغمبر اسلام ﷺ خواب میں نظر آئے۔ اس نے پوچھا حضور آپ کی حدیث ہے۔ کہ زمین پر مختلف درجات کے لوگ ہیں، اوتاد، اولیاء، ابرار، حضور ﷺ نے فرمایا میری حدیث صحیح روایت ہوئی ہے۔ شیخ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ میں کسی ایک کو دیکھنا چاہتا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا۔ محمد بن ادریس (شافعی) کو دیکھو، اس کے علاوہ آپ کے بہت سے مناقب ہیں (کشف المحجوب ص ۱۹۴)

محبت کا یہ قانون ہے۔ کہ محبت محبوب سے شروع ہوتی ہے۔ حدیث پاک ہے۔ احب علیه من ولده ووالده والناس اجمعین، جب تک میں محبوب نہ ہو جاؤں اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے،

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

حضرت امام شافعی کی بشارت دینا اور خواب میں تشریف لا کر انہیں دولت لعاب سے نوازنا پھر دوسرے اہل نظر کو ان کا مقام بتانا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ امام شافعی حضور سرور عالم ﷺ کے قرب خاص کے حامل ہیں۔ حضور جان دو عالم ﷺ کو ان سے محبت ہے۔ اس محبت کے فیض اتم نے انہیں حضور سراپا نور ﷺ کا پروانہ بنا دیا۔ حضرت امام اس محبت کے تقاضوں پر بھی عمل پیرا تھے۔ محبت رسول ﷺ کا اہم تقاضا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے قریبیوں سے محبت کی جائے۔ چنانچہ آپ نے

خلفائے راشدین اور آل اطہار کی محبت کا علم بلند کیا۔ حضرت الربیع فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام شافعی سے سنا افضل الناس بعد رسول اللہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی کہ حضور رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل الناس، ابوبکر پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (البدایہ والنھایہ، جلد ۱۰، ص ۲۵۴) آپ اپنے اشعار میں خلفائے راشدین کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

و ان ابا بکر خلیفة ربه
وکان ابو حفص علی الخیر یحرص
و اشهد ربی ان عثمان فاضل،
و ان علیاً فضله ، متخصص
المة قوم یهتدی بهدا هم
لحی الله من ایاهم یتنقص

اور بے شک ابوبکر صدیق خلیفہ ہیں، ابوحفص عمر فاروق خیر پر حریص ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ عثمان غنی فضیلت والے ہیں۔ اور علی المرتضیٰ فضل خاص کے مستحق ہیں۔ یہ قوم کو ہدایت دینے والے امام ہیں۔ جو ان کا نقص بیان کرتا ہے۔ اللہ اس کو برباد کرے۔ (دیوان الشافعی ص ۵۴)

آل اطہار سے آپ کی محبت شہرہ آفاق ہے۔ ہارون الرشید نے آپ کو نجران کا گورنر مقرر کیا تو کسی نے شکایت لگائی کہ وہ سادات کرام کی اعانت کرتا ہے۔ ہارون الرشید نے سادات کرام اور امام شافعی کو گرفتار کرایا اور سب کے قتل کا حکم دیا۔ امام نے اس قدر موثر تقریر فرمائی کہ ہارون کانپ اٹھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو قید میں ڈال دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے۔ امام محمدؒ نے آپ کی سفارش کی اور امام رہا ہو گئے

(حیات الشافعی ابوزہرہ، ص ۲۴٦)

محبت آل اطہار کی وجہ سے آپ پر رفض کا بھی الزام لگا جس پر آپ نے یہ مشہور اشعار کہے۔

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ،
یکفیکم من عظیم الفخر انکم
من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ
لو کان رفضاً حب آل محمد
فلیشھد الثقلان انی رافضی

اے اہل بیت رسول تمہاری محبت خدا نے قرآن میں فرض قرار دی ہے۔ یہ تمہارا عظیم فخر ہے۔ کہ جب تک تم پر درود نہ پڑھا جائے کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ اگر آل رسول کی محبت کا نام رفض ہے۔ تو دو جہاں گواہ رہیں میں رافضی ہوں۔ (دیوان الشافعی ص ۵۵)

آپ سادات کرام کی اتنی تعظیم کرتے تھے کہ دوران سبق سیدوں کے کمسن بچے کھیل رہے تھے۔ جب وہ نزدیک آتے تو آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ دس بارہ مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۸)

صالحین کی محبت:

آپ کا سینہ بے کینہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی عظمت و محبت سے آباد تھا۔ فرماتے ہیں۔

احب الصالحین و لست منھم لعلی ان انال بھم شفاعہ

واکره من تجارته المعاصی　　و لو کنا سواء فی البضاعه

بالخصوص آپ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات ومقامات کے معترف تھے۔ آپ نے ان کے مزار اقدس پر جا کران کے فقہی مذہب کے مطابق نماز ادا کی۔ یہ ان کے ادب ومحبت کی وجہ سے تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

بے شک میں ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں، روزانہ ان کے مزار اقدس پر حاضری دیتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کران کے مزار اقدس کے پاس اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کرتا ہوں تو میری حاجت پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی'' (تاریخ بغداد)

دیوان الشافعی میں امام ابوحنیفہ کی شان میں آپ کے اشعار بھی موجود ہیں۔

لقد زان البلاد و من علیها　　امام المسلمین ابو حنیفه

با حکام و آثار و فقه　　کایات الزبور علیٰ الصحیفه

فما بالمشر قین له، نظیر　　و لا بالمغر بین و لا بکوفه

فر حمة ربنا ابداً علیه

مدی الایام ما قربت صحیفه

امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید حضرت امام قاضی محمد بن حسن شیبانی سے بھی آپ کو بہت محبت تھی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور دیگر صالحین عصر سے آپ کے خوشگوار تعلقات سے تاریخ روشن ہے۔ صالحین عصر کے ساتھ آپ کی ایک ملاقات اوران کی ایمان افروز کرامت کا ذکر اس واقعے سے بھی ملتا ہے۔

''حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل امام ابوثور اور حضرت امام ابوالحکم حدیث کے چاروں اماموں کا اجتماع ہوا۔ علمی مذاکرے کے بعد چاروں امام احمد کے

مکان پر گئے۔امام احمد تینوں اماموں کو بٹھا کر مکان میں تشریف لے گئے۔اور تھوڑی دیر بعد مسرت کے عالم میں باہر آئے۔انہوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ گھر میں کچھ نہیں تھا۔اب گھر گیا ہوں تو انواع واقسام کے کھانے موجود ہیں۔کوئی خوش پوشاک آدمی یہ کہہ کر چھوڑ گیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ اور شکر ادا کرو۔چنانچہ چاروں ائمہ کرام نے خوب کھایا اور ان کی لذت سے محظوظ ہوئے۔بچا ہوا کھانا گھر بھیجا گیا تو گھر والوں نے بھی شکم سیر ہو کر کھایا۔ایک ماہ تک ان لوگوں کو بھوک نہ لگی۔پھر جب تک کھانے کی ٹوکری امام احمد کے گھر رہی طعام کی کمی نہ آئی۔بلاشبہ یہ ان صالحین کی کرامت تھی۔(ثمرات الاوراق ج ۲ ص ۱۷۱)

یقین کامل:

حضرت امام شافعی ایمان و یقین کے درجہ مطمئنہ پر فائز تھے۔آپکو مذہب اسلام کی حقانیت پر کتنا اعتماد و اعتبار تھا اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔خواجہ عطار قدس سرہ الغفار لکھتے ہیں:

"حاکم روم نے چند راہبوں کو خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اس شرط پر بھیجا کہ اگر آپ کے دینی علماء کرام مناظرے میں ان راہبوں سے جیت گئے تو سالانہ رقم ادا کروں گا ورنہ نہیں۔خلیفہ نے تمام علما کرام کو جمع کیا اور امام شافعی کو مناظرہ کے لئے آمادہ کیا۔امام شافعی نے پانی کے اوپر اپنا مصلیٰ بچھا کر فرمایا کہ یہاں آ کر مناظرہ کرو،وہ سب راہب آپ کے ایمان راسخ اور یقین کامل کی کرامت و وجاہت دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور حاکم روم کو صورت حال لکھ دی،حاکم روم نے کہا کہ اچھا ہوا وہ شخص روم میں نہیں آیا ورنہ سارا روم مسلمان ہو جاتا"(تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۸)

جود و سخاوت:

محمد بن عبداللہ مصری کا بیان ہے کہ کان الشافعی اسخی الناس امام شافعی اپنے عہد کے تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے۔ عمر بن سواالسراجی نے کہا ہے کان الشافعی اسخی الناس عن الدنیا والدرہم والطعام (دیوان الشافعی ص ۱۲)

روایت ہے کہ حضرت امام ایک دن مصر کے بازار لوہاراں سے گزر رہے تھے کہ گھوڑے کا چابک گر پڑا۔ ایک شخص نے دوڑ کر پکڑا دیا۔ اتنے سے عمل پر آپ نے اسے دس دینار بطور انعام عطا فرمائے۔ (مستطرف، ص ۱۹۲)

حمیدی کی روایت ہے۔ کہ حضرت امام مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا، جس میں بہت سے افراد ضرورت مند تھے۔ آپ نے وہ ساری رقم ان میں تقسیم کر دی۔ اٹھے تو کوئی ایک دینار بھی ان کے پاس نہیں تھا، (حلیۃ الاولیاء جلد ۹، ص ۱۳۰) آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے کچھ مانگے اور میں پاس رکھتے ہوئے عطا نہ کروں، مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ (ایضاً) آپ فطری طور پر بہت دریا دل، فیاض اور جواد تھے۔ فتوحات کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، فوراً غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت مزنی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی جیسا کوئی سخی انسان نہیں دیکھا ایک بار ایک غلام اپنے آقا کی طرف سے رقم کی ایک تھیلی بطور نذر دے گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک حاجت مند آیا تو آپ نے وہ تھیلی اسے عطا کر دی۔ آپ کے یہ اشعار آپ کی شان سخا پر بہترین دلیل ہیں۔

یالہف نفسی علی حال افرقہ   علی المقلین من اہل المروات

ان اعتذاری الی من جاء یسئالنی مالیس عندی لمن احدی المصیبات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق سے مزین فرمایا تھا۔ چند اور گوشوں پر نگاہ دوڑایئے کہ وہ کس مقام رفعت پر فائز تھے۔

☆......حضرت خواجہ ہجویری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں" وہ ہمیشہ گوشہ نشینی کی طرف مائل تھے، تحقیق تصوف کا شوق تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ متعدد پیروکار جمع ہو گئے جن میں امام احمد بن حنبل شامل تھے۔ بعدہ طبعیت مقام طلبی اور امامت کی طرف مائل ہوئی آپ نے گوشہ نشینی ترک کر دی، ہر حال میں ستودہ خصال تھے۔ ابتداً صوفیا کرام سے پر خاش تھی۔ سلیمان راعی سے ملاقات ہوئی تو تقرب حاصل ہوا اور طبعیت بدل گئی۔ اس کے بعد جہاں گئے۔ تلاش حقیقت میں معروف رہے۔ (کشف المحجوب ص ۱۹۳)

☆......آپ لوگوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک شخص آپ کے پاس آ کر کہنے لگا آپ کا فلاں دوست علیل ہے۔ آپ نے فرمایا واللہ تم نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے نیکی کے لیے بیدار کیا اور مجھ سے جھوٹا اعتذار دور کیا۔ (معجم الادباء، جلد ۱۷، ص ۳۱۸)

☆......آپ احتیاط و تقویٰ کی بلندیوں پر پہنچے۔ آپ بیت اللہ شریف میں چاند کی روشنی میں مصروف مطالعہ تھے، کسی نے کہا بیت اللہ شریف کی شمع کی روشنی میں مطالعہ کریں، فرمایا وہ روشنی بیت اللہ شریف کے لیے مخصوص ہے۔ اس روشنی میں میرے لیے مطالعہ کرنا جائز نہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۸) یہ واقعہ آپ کے تقویٰ کی کتنی بڑی دلیل ہے۔ احتیاط میں بھی آپ منفرد ہیں۔ بالخصوص دینی معاملات میں تو اور بھی باکمال ہیں۔ مثلاً آپ نے مصر میں پہنچ کر اپنی تمام تحقیقات کا از سر نو جائزہ لیا

اور بعض احکام سے رجوع کر کے نئی آراء پیش کیں۔ امام شافعی کے قول جدید سے مراد یہی ہے۔ کہ انہوں نے رجوع کے بعد اور کیا فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی بغدادی تصنیفات کی روایت کی اجازت نہیں دیتا، امام نووی نے تصریح فرمائی کہ ان **قوله القديم مرجوع عنه فلايصح نسبته اليه** یعنی امام کے قول قدیم جس سے انہوں نے رجوع کرلیا ہوا سے ان کے ساتھ منسوب کرنا درست نہیں (شرح مسلم ص 2/۱۸۷، عمر مبارک کا آخری حصہ ۱۹۹ھ تا ۲۰۴ھ مصر میں گزرا اور یہ عرصہ آپ نے اپنی تحقیقات کی نظر ثانی میں بسر کیا، اللہ اکبر، یہ احتیاط کا عالم ہے۔ یہ امت مسلمہ کے ساتھ خلوص وللّٰہیت کا ثبوت ہے۔

☆......آپ اصحاب حدیث کا بہت ادب واحترام کرتے، فرمایا جب میں اصحاب الحدیث میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں جیسے اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو دیکھا ہے۔ اللہ ان کو بہتر جزا دے کہ انہوں نے ہمارے اصل کی حفاظت کی وہ ہم سے افضل ہیں۔ (البدایہ، جلد ۱۰، ص ۲۵۴)

☆......آپ زھد وعبادت میں درجہ کمال کے مالک تھے۔ حضرت الربیع المرادی کا بیان ہے۔ **كان الشافعي يختم القرآن في شهر رمضان ستين مرة كل ذالك في صلوة**۔ آپ ماہ رمضان میں بحالت نماز ساٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے۔ (حلیۃ الاولیاء جلد ۹، ص ۱۳۴)

رات کے تین حصے تصنیف، عبادت اور نیند میں صرف کرتے۔ حضرت ابراھیم بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی سے اچھی نماز پڑھتے کسی کو نہ دیکھا۔ ان کی نماز مسلم بن خالد کے مشابہ تھی۔ ان کی مسلم بن جریح کے، ان کی حضرت عطا کے اور ان کی عبداللہ بن زبیر کے اور ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کے مشابہ

تھی (ایضاً)

☆......آپ از حد قناعت پسند انسان تھے۔خود فرماتے ہیں میں نے قناعتوں کو زندہ کیا جب وہ مردہ ہو چکی تھیں۔ان کی زندگی میں ہی عزت ہے۔

☆......آپ امام محمد کے ہاں قیام فرماتھے۔کہ ساری رات نوافل میں بسر کر دی۔جبکہ انہوں نے بستر پہ گزار دی اور بغیر وضو کیے فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔انہوں نے فرمایا میں سویا نہیں۔قرآن پاک سے ایک ہزار مسائل اخذ کیے۔ تمھارے عمل کا فائدہ تمھیں ہو گا جبکہ میرے عمل کا فائدہ ساری امت محمدیہ کو پہنچے گا۔(روح البیان جلد ۵ ص ۱۴۰)اس واقعہ سے جہاں امام محمد کی فقاہت اور قوت استنباط کا علم ہوتا ہے وہاں امام شافعی کی شان زھد وعبادت بھی دکھائی دیتی ہے۔آپ اپنے اشعار میں اپنی شان عبادت کا ذکر کرتے ہیں کہ اے اللہ خفیہ علانیہ صبح وشام میرا دل تیری رحمت سے انس والا ہے۔میں خواب و بیداری میں ہر سانس پہ تیرا ذکر کرتا ہوں۔

آپ نہایت منکسر المزاج تھے۔ایک دفعہ ایک رئیس نے کچھ رقم مکہ مکرمہ کے اہل تقویٰ درویشوں کے لیے ارسال کی،آپ نے فرمایا میں تو اہل تقویٰ درویش نہیں۔لہذا مجھ پر حرام ہے۔(تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۸)

امام بخاری قدس کے شیخ حسن بن عبدالعزیز الجروی نے امام شافعی سے سنا ماناظرت احداً فاجبت ان یخطی وما فی قلبی من علم الاوددت انه عند کل احد و لاینسب الی ۔میں نے کسی سے مناظرہ نہیں کیا اگر غلطی پر تھا تو اسے تسلیم کیا میرے دل میں کوئی علم نہیں۔مگر وہ چاہتا ہوں کہ سب حاصل کریں ۔اسے میرے ساتھ منسوب نہ کریں۔

فرمایا! الو ددت ان الخلق تعلمه و لم ینسب الی منه شی ء ابدا

میری آرزو تھی کہ کاش مخلوق اسے جانتی اور میری طرف کوئی چیز نہ منسوب کرتی۔

فرمایا! کل ماقلت لکم فلم تشهد علیه عقو لکم و تقبله و تره حقا فلا تقبلوه فان العقل مضطر الی قبول لحق ماناظرت احداً الاعلیٰ النصیحة وما ناظرت احدا فاجبت ان یخطی۔

جو میں نے تم سے کہا ہے۔ اس پر تمہاری عقلوں نے گواہی نہ دی اور اسے قبول نہ کیا۔ نہ اسے حق جانا کہ عقل قبول حق کے لیے مضطر ہوتی ہے۔ میں نے نصیحت کے لیے مناظرہ کیا اور اگر خطا پر تھا تو اسے تسلیم کیا۔

فرمایا! ''ودت ان کل علم اعلمه تعلمه الناس اوجر علیه ولا یحمد ونی (دیوان الشافعی ص ۱۱)

میری خواہش تھی کہ جو میں جانتا ہوں اسے لوگ بھی جانتے اور میری تعریف نہ کرتے۔

☆......آپ رقیق القلب تھے۔ ایام حج میں ایک دن آپ بحث ونظر کے لیے بیٹھے تھے کہ ایک عورت نے دو شعر لکھ کر پیش کیئے آپ نے رونا شروع کر دیا اور فرمایا یہ دن اس لیے نہیں، یہ یوم دعا ہے۔ پھر اللّٰھم اللّٰھم کہتے رہے، کہ تمام اصحاب چلے گئے۔ (معجم الادبا جلد ۱۷ ص ۳۰۶)

☆......آپ خشیت الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں وترساں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں۔ میرے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی جانب نظر کرتا ہوں تو کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ (مرقاہ جلد ا ص ۲۱) ایک مرتبہ کسی قاری قرآن سے آیت مبارکہ هذا یوم لا ینطقون ولا یوذون لهم فیعتذرون

سنی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، جسم لرزنے لگا، ہوش و حواس گم ہو گئے، سر سجدہ میں رکھ دیا، اور ہوش آنے پر کہنے لگے، اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، جھوٹوں کے مقام سے، جاہلین کے اعراض سے، مجھے اپنی رحمت عطا کر (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد ا، ص ۲۱)

☆......آپ پند و نصائح کو پسند فرماتے تھے، ایک بار صوفیا کی جماعت نے کہا "گیا وقت ہاتھ نہیں آتا، موجودہ وقت کو غنیمت جانو، آپ نے فرمایا مجھے مراد مل گئی، کہ تمام دنیا کا علم مجھے حاصل نہیں ہوا، میرا علم صوفیا کے علم تک نہیں پہنچا، اور صوفیا کا علم ان کے ایک مرشد کے قول تک نہیں کہ موجودہ وقت شمشیر قاطع ہے۔ (تذکرۃ الاولیا، ص ۱۲۹)

الغرض آپ بیش بہا خوبیوں اور دلربا صفتوں سے آراستہ تھے، آخر میں ہم ابن خلکان کا قول نقل کرتے ہیں۔

" حدیث، فقہ، اصول، لغت، نحو وغیرہ کے علماء قاطبہ کا ان کی ثقاہت و امانت، عدل و زہد، ورع و حسن سیرت اور بلندی قدر و سخاوت پر اجماع ہے۔ جب وہ وفات پا گئے تو خلقِ کثیر ان کی شان میں مدحت سرا تھی، ہم صرف فرد واحد پر اکتفا کرتے ہیں۔

الم تر آثار ابن ادریس بعده   دلائلها في المشكلات لوامع
مناهج للهداى متصرف   موارد فيها للر شاد شرائع
ظو اهرها حكم و مستنبطناتها   لما حكم التفريق فيه جوامع
و لاذ بآثار الرسول فحلمه   لحكم رسول الله في الناس تابع
و عول في احكامه و قضائه   على ماقضا في الوحي والحق ناصع

سلام علی قبر تضمن جسمه وجادت علیه المدجنات الهوامع

فحکامه فینا بدور زواهر و آثاره فینا نجوم طوالع

(وفیات الاعیان، جلد ۳، ص ۳۰۹)

سانحہ ارتحال:

حضرت مزنی فرماتے ہیں:

دخلت الشافعی فی مرضه الذی مات فیه

فقلت کیف اصبحت قال اصبحت عن الدنیا راحلاً و

للاخوان مفارقاً و لکاس المنیة شارباً و علی الله جل

ذکره وارداً ولا والله مااادری روحی تصیر الی

الجنة والی النارا فاعز یحائم بکی وانشد .

فلما قسا قلبی و ضاقت مذاهی

جعلت رجائی نحو عفوک سلما .

میں امام شافعی کے پاس حاضر ہوا۔ وہ مرض الموت میں مبتلا تھے میں نے پوچھا کیا حال ہے، فرمایا دنیا سے رحلت اور احباب سے مفارقت کا وقت ہے۔ موت کا پیالہ سامنے ہے۔ اللہ کے حضور حاضری کا وقت ہے، خدا کی قسم کیا معلوم میری روح جنت کی طرف جائے یا جہنم کی طرف جس پر افسوس کروں، پھر آپ رونے لگے اور یہ شعر پڑھا۔ (دیوان الشافعی، مرقاۃ جلد ا ص ۲۱، معجم الادبا جلد ۱۷ ص ۳۰۲)

حضرت الربیع فرماتے ہیں حضرت امام شافعی جمعہ کی رات، نماز عشاء کے بعد رجب المرجب کے آخری دن ۲۰۴ھ کو فوت ہوئے۔ ہم نے انہیں جمعہ کے دن دفن کیا۔ جب انہیں سپرد خاک کر کے واپس آئے تو ہم نے شعبان المعظم کا چاند دیکھا

آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے فلاں شخص غسل دے۔ وہ آیا اور وصیت نامہ پڑھا تو لکھا تھا کہ میرے ذمہ ستر ہزار قرض ہے۔ اس شخص نے آپ کا قرض ادا کیا اور لوگوں سے کہا غسل سے مراد یہی ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۹) حضرت الربیع کا بیان ہے۔ کہ ہم امام شافعی کے وصال کے بعد ان کے حلقہ میں بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر سلام کہی اور کہا این قمر هذه الحلقه و شمسها، اس حلقہ کا آفتاب و ماہتاب کدھر چلا گیا۔ ہم نے کہا وصال فرما گیا۔ فبکی بکا ئشدیدا، وہ بہت زیادہ رویا۔ اس نے کہا بے شک اس کے بیان سے "مغلق حجت" کھل گئی۔ مخالف کے چہرے پر دلیل واضح ہوگئی۔ سیاہ رخ عار سے دھل گئے۔ اور اس کے زور استدلال سے بند دروازے وسیع ہو گئے، پھر وہ چلا گیا۔ (دیوان الشافعی ص ۹)

آپ کا مزار اقدس فسطاط مصر میں مرجع خاص و عام ہے۔ ربیع بن سلیمان نے حضرت امام کے انتقال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ آپ نے فرمایا سونے کی کرسی پر بٹھا کر موتی نچھاور کیے اور اپنی رحمت بیکراں سے مجھے نوازا (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۹)

ملفوظات مبارکہ

☆☆☆

حضرت امام فکر و عمل کا مینار نور تھے۔ جن کی بدولت ہزاروں لاکھوں افراد امت نے اپنے فکر و عمل کا قبلہ درست کیا۔ آپ کی مقدس زبان سے نکلنے والے مقدس جملے آج بھی لوگوں کی راہنمائی فرما رہے ہیں۔ چند جواہر پارے پیش خدمت ہیں۔

☆ فرمایا: دوسروں کے برابر دولت جمع نہ کرو بلکہ عبادت میں برابری کی کوشش کرو۔

کہ دولت تو دنیا میں رہ جائے گی۔ جبکہ عبادت قبر میں ساتھ جائے گی۔

☆...... فرمایا: کسی مردے سے حسد نہ کرو کہ دنیا میں سب مرنے کے لیے آئے ہیں ۔سب مردے ہیں (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۹)

☆...... فرمایا: جب کوئی عالم دین میں آسان طلبی کا شائق ہو تو سمجھ لو اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں۔

☆ فرمایا: علماء خلق کے پیشرو ہوتے ہیں ان سے آگے نہیں چلنا چاہیے۔

☆...... فرمایا: رخص و تاویل حقیقت سے روگردانی کرنے والوں کا کام ہے۔ وہ اختصار و سہولت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ رخص ایک عامیانہ روش ہے۔ اور صرف دائرہ شریعت کے اندر رہنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ مجاہدہ خواص میں شامل ہے۔ اور اس کے ثمر کی لذت اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں ۔علماء خواص میں شامل ہیں۔ اور خواص عامیانہ روش اختیار کر لیں تو ان سے کسی چیز کی توقع بیکار ہے۔ علاوہ ازیں رخص احکام خدا سے متعلق سبک سری کے برابر ہے۔ اور دوست حکم دوست کی طرف سبک سر نہیں ہوتا۔ (کشف المحجوب ص ۱۹۳)

☆...... فرمایا: علماء کے لیے اس سے بڑا کوئی عیب نہیں کہ وہ دنیا کی رغبت رکھیں اور آخرت کا زھد اختیار کریں۔

☆...... فرمایا: تواضع اچھے کردار والوں کی صفت اور تکبر برے کردار والوں کا طریقہ ہے۔

☆...... فرمایا: اگر علماء اللہ کے ولی نہیں تو کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں کیونکہ وہ جاہلوں کو اپنا ولی نہیں بناتا۔

☆......فرمایا: جو دنیا و آخرت کی سعادت چاہتا ہے وہ علم پر عمل کرے۔

☆......فرمایا: طلب علم نماز نفل سے بہتر ہے۔

☆......فرمایا: علماء کا فقر اختیاری اور جہلا کا فقر اضطراری ہے۔

☆......فرمایا: انانیت کے ساتھ علم حاصل کرنے والا فلاح یاب نہیں، عجز کے ساتھ علم حاصل کرنے والا کامیاب ہے۔

☆......فرمایا: تنہائی میں دوست کو نصیحت کرنے والا اس سے بہتری کرتا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ا ص ۲۱)

☆......فرمایا: اپنے نفس کو حکم قضا پر راضی رکھ اور مصائب زمانہ پر صبر سے کام لے کہ ان کو بھی بقا نہیں۔

☆......فرمایا: شدید مصائب پر آدمی کو چاہیئے کہ سماحت و وفا کا مظاہرہ کرے۔ (جواہر الادب جلد ۲ ص ۴۲۶)

☆......فرمایا: کرم و سخاوت انسان کے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء جلد ۹ ص ۱۳۴)

☆......فرمایا: تم پر حزن و سرور، تنگی و آسانی، کسی کو دوام نہیں۔

☆......فرمایا: حصول علم میں جفا پر صبر کر کہ علم کی سختیوں میں ''رسوب علم'' ہے جو ایک لمحہ علم کی سختی برداشت نہیں کرتا وہ طویل عمر تک جہل کی ذلت اٹھاتا ہے۔ اللہ کی قسم جس نوجوان کے پاس علم و تقویٰ نہیں اسکی ذات پر کوئی اعتبار نہیں۔ (دیوان الشافعی ص ۲۹)

☆......فرمایا: جاہل و احمق سے خاموش رہنا ہی شرف ہے۔

☆......فرمایا: انہوں نے کہا کہ تو رفض سے کام لیتا ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں، رفض

میرا دین واعتقاد نہیں۔لیکن بیشک میں بہترین امام اور بہترین ہادی حضرت علی المرتضیٰ کا محب ہوں اور اگر ان کی محبت رفض ہے۔تو میں تمام بندوں کی طرف رافضی ہوں۔(دیوان الشافعی ص ۳۵)

☆......فرمایا: قیاس کرنے والے کے دل میں تقویٰ نہیں اور جاہل ہے۔اور اس کی اصلاح کیسے ہوگی۔(ایضاً)

☆......فرمایا: اگر تو اپنے گناہوں کی وجہ سے پریشان اور یوم محشر کی وعید سے خوفزدہ ہے۔امید رکھ کہ اللہ تعالیٰ اپنے عفوودرگزر سے نوازے گا، اپنا فضل مزید فرمائے گا۔گناہوں کی وجہ سے اس کے لطف سے مایوس تو نہیں ہونا چاہئے۔

☆......فرمایا: وطنوں سے اعلیٰ طلب کے لیے نکلنے سے پانچ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔غم دور ہوتا ہے۔اکتساب معیشت ہوتا ہے۔علم، آداب اور بزرگوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔(مرأۃ الجنان جلد۲ص ۲۶)

☆......فرمایا: خوف خدا میرے مفاد و مال اور جو میں نے استفادہ کیا اس سے افضل ہے۔(حلیۃ الاولیاء جلد۹ص ۱۵۱)

☆......فرمایا: جب کوئی آدمی نے اپنا راز اپنی زبان سے فاش کردیا اور اسے دوسرے پر ڈال دیا تو احمق ہے۔

☆......فرمایا: میں توکل کرتا ہوں کہ رزق کا ذمہ دار میرا خالق ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ بے شک اللہ میرا رازق ہے۔

☆......فرمایا: میں گھر میں رہوں یا بازار میں میرا علم میرے ساتھ ہوتا ہے۔

☆......فرمایا: میرے نزدیک قناعت رأس الغنا ہے۔

☆......فرمایا: شقاوت یہ ہے کہ جس سے تو محبت کرتا ہے وہ تیرے دشمن سے محبت کرتا

ہو۔ جس کی تو بہتری چاہتا ہے۔ وہ تیری برائی چاہے۔

☆...... فرمایا: فقیہ اپنے عمل کے ساتھ ہے نہ کہ اپنے نطق و مقال کے ساتھ فقیہ ہے۔

☆...... سردار اپنے خلق کیساتھ ہے نہ کہ اپنے قوم و رجال کیساتھ سردار ہے۔

☆...... غنی اپنے حال کے ساتھ غنی ہے نہ کہ اپنے ملک و مال کے ساتھ غنی ہے۔

☆...... فرمایا: علم حاصل کرو کہ کوئی عالم پیدا نہیں ہوا، جو علم دوست نہیں وہ جاہل ہے۔

☆...... فرمایا: قوم کا جو بڑا صاحب علم نہیں۔ چھوٹا ہے اگر چہ سب اسکی طرف التفات کریں۔ اور قوم کا جو چھوٹا صاحب علم ہے۔ بڑا ہے۔ اگر چہ اسے محافل میں پزیرائی نہ ملے۔

☆...... فرمایا: جو علم کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ وہ حلال و حرام سے واقف نہیں۔

☆...... فرمایا: تین اشیاء لوگوں کے لیے مہلک ہیں صحیح کا داعیہ غلط کی طرف، دوام مدامت۔ طعام پر طعام کھانا۔

☆...... فرمایا: اے برادر! چھ شرطوں کے بغیر تو علم حاصل نہیں کر سکتا۔ ذکا، حرص، کوشش، بلغت، صحبت استاد، طولِ زمان۔

☆...... اکرام نفس کے ضمن میں فرمایا: لوگوں سے اس کا خوف ہے کہ وہ کہیں فلاں سے فلاں افضل ہے۔ جس کے مال سے میں غنی ہوا اگر کوئی تکلیف دے تو مجھے اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے مجھے غلط آنکھ سے دیکھا۔ میں نے بھی اسے اسی آنکھ سے دیکھا، جس نے مجھے اچھی آنکھ سے دیکھا، میں نے بھی اسے کامل خوبیوں والا دیکھا۔

☆...... قرآن غیر مخلوق کلام ہے، جو اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ جیسا کہ طریقہ سلف

کے مطابق اس کے غیر تکییف وتشبیہ اور بے تعطیل وتحریف ہونے پر آیات صفات اور احادیث وارد ہوئیں (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۴)

☆..... فرمایا: اے انسان اپنی زبان کی حفاظت کر یہ سانپ تجھے ڈس نہ لے۔ زبان کے کتنے ہی مقتول قبروں میں چلے گئے۔ زمانے ان کی ملاقات کو ترستے ہیں۔

☆..... فرمایا: ہم اپنے زمانے میں عیب نکالتے ہیں۔ جبکہ عیب ہمارے اندر ہوتے ہیں۔ زمانے کا عیب ہمارے سوا کیا ہوگا ہم نے زمانے کی بغیر گناہ برائی بیان کی اور اگر زمانہ ہماری برائی بیان کرتا تو کیا ہوتا۔ اور گناہ، گناہ کا گوشت نہیں کھاتا، ہمارے بعض، بعض کو ہڑپ کر رہے ہیں۔

☆..... اللہ تعالیٰ کے فطین و ذہین بندے دنیا کو ترک کرتے ہیں، اور فتنوں سے خائف رہتے ہیں۔

☆..... دنیا پر سلام ہے۔ جب کوئی اس کے ساتھ صدیق، صدوق، صادق الوعد اور منصف ہو کر نہیں رہتا۔

☆..... اس دوستی میں کوئی خیر نہیں کہ کوئی مودت کے بعد دوست کے ساتھ جفا سے پیش آئے۔

☆..... جب ہم مجلس میں علی المرتضٰے، ان کے سبطوں اور فاطمہ زکیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ تو کہا جاتا ہے۔ اے قوم یہ رافضیوں کی بات ہے۔ میں اللہ المہیمن کے لیے ان لوگوں سے بیزار ہوں جو آل فاطمہ کی محبت کو رفض کی صورت دیکھتے ہیں۔

☆..... جاہل بیوقوف سے اعراض کرو۔

☆..... قرآن حدیث اور دین کا علم فقہ کے سوا سب علوم مشغلہ ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے

کہ ان کے علاوہ علم میں شیطان کے وسوسے ہیں۔(حلیۃ الاولیا جلد ۹ ص ۱۴۷)

☆......غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرو، ان کے ساتھ دل لگاؤ (آداب الشافعی للرازی ص ۱۲۷)

☆......تو نہیں اٹھا سکے گا اس کا احسان جس کا تجھ پر احسان ہے۔ اپنے نفس کے لیے اس کا حصہ اختیار کر اور صبر کر کہ صبر ڈھال ہے۔(جواہر الادب جلد ۲ ص ۴۶۱)

☆......جب تو اس کے سرچشموں کی پہچان کرے تو فضول گوئی میں کوئی خیر نہیں، جواں مرد کے لیے بے موقع گفتگو سے خاموشی خوبصورت ہے۔

☆......اپنے رب العباد کی طرف رجوع کر کہ جو تجھے پہچانتا ہے اسی کی طرف سے ہے۔

☆......جب مشکلات نے مجھ سے تعرض کیا تو میں نے نظر سے ان کے حقائق دیکھے۔(معجم الادبا جلد ۱۷ ص ۳۰۹)

☆......زمانہ اور اہل زمانہ سے اپنے ہاتھ دھو لے اور ان کی محبت سے باز آ اور تو خیر حاصل کر، دنیا و مافیہا میں میں نے کوئی صاحب نہیں پایا میں نے ان کے اسفل کثرت شر کی وجہ اور اعلیٰ قلت خیر کے سبب چھوڑ دیئے۔

☆......میں ہر حال میں حضور علیہ السلام کی ذات پاک پر درود پڑھنے کو پسند کرتا ہوں (القول البدیع ص ۱۹۳)

اثرات و فیوضات

☆☆☆

حضرت امام الشافعی قدس سرۃ القوی کی تابناک حیات قدسیہ نے زمانوں کو

اثرات و فیوضات سے نوازا۔ آپ جہاں جہاں بھی گئے حسن ادا کی داستان چھوڑ آئے۔ مصر کے ساتھ آپ کی کافی امیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ اس کی طرف آخری سفر فرمایا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ خود فرماتے ہیں۔

لقدا صحبت نفسی تتوق الی مصر

من دونھا ارض المھا مۃ و القضر

میں سرزمین مصر کی جانب محو سفر ہوں کہ جس کے علاوہ زمین بے آب و گیاہ صحرا کی صورت ہے۔ نیز فرمایا اللہ کی قسم کیا معلوم فوز وغنا کے لیے میں اس سرزمین کی طرف قدم اٹھا رہا ہوں یا قبر کی طرف، (معجم الادبا جلد ۱۷ ص ۳۲۰) پھر واقعی آپ کی مرادیں بھر آئیں اور سرزمین مصر کی زرخیزیوں میں آپ کے علم و تفقہ کے بیج خوب پروان چڑھے۔ علاوہ ازیں انڈونیشیا، ملائیشیا اور دیار عرب کے متعدد علاقوں میں آپ کے مقلدین و متوسلین کی کثیر تعداد آباد ہے۔ آپ نے جس خلوص و للّٰہیت سے تابعین کرام سے کسب فیض کیا اس سے بڑے بڑے محدثین، مفکرین، مفسرین پیدا ہوئے جو اپنے دور میں جان روزگار ثابت ہوئے۔ کون نہیں جانتا کہ امام احمد بن حنبل، ابو یعقوب مزنی خال طحاوی، سلیمان بن داود ہاشمی، ابراہیم بن خالد، ابراہیم بن منذر جزامی، عبداللہ بن زبیر حمیدی، ربیع بن سلیمان مرادی، ربیع بن سلیمان جنیدی، عمرو بن سواد عامری، حسن بن محمد، زعفرانی، موسیٰ بن جارود مکی، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن سعید بن غالب عطار نے آپ کے حضور زانوئے تلمذ طے کیا۔ (تہذیب التھذیب جلد ۹ ص ۲۵) اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام کے ان سرچشموں سے آج امت مسلمہ شاداب و سیراب ہو رہی ہے۔ اور قیام قیامت تک ہوتی رہے گی۔ آپ کے تجدیدی فیوضات و اثرات کی یہ بھی کرامت ہے کہ جملہ اصحاب ستہ نے آپ کا فقہی مذہب

اختیار کیا، اور آپ کے فقہی بصیرت کی تائید میں احادیث و آثار کا ایک گرانمایہ ذخیرہ جمع کر دیا۔ ان کے علاوہ صاحب مشکوٰۃ بھی آپ کے نقش قدم پر چلے۔ پھر امام غزالی اور امام سیوطی جیسے شہسواران علم و دانش نے آپ کا دامن کرم پکڑا اور لاکھوں کی راہنمائی کا سامان بنے۔

امام احمد بن حنبلؒ

☆☆☆

حضرت امام کے قائم کردہ سلسلۃ الذہب میں ایک گوہر یکتا حضرت امام احمد بن حنبل کی صورت میں چمکتا ہے۔ جس نے حضرت امام کے تجدیدی کارناموں کو تسلسل میں رکھا، آپ فقہ میں دبستان حنابلہ کے بانی مبانی ہوئے، آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول شریف ۱۶۴ کو بغداد میں ہوئی آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسداللہ الذہلی الشیبانی ،المروزی البغدادی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۴۳۱) ابتدائی طور پر قرآن حفظ کیا اور پھر ۱۷۹ھ کو پندرہ سال کی عمر مبارک میں شیخ ہشیم بن ابی حازم متوفی ۱۸۳ھ سے سماع حدیث کی دولت حاصل کی، ان کے علاوہ امام ابویوسف، ابی عینیہ، امام عبدالرزاق، سے بھی علم حدیث اخذ کیا۔ آپ نے حصول علم کے لیے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن، جزیرہ کے جید مشائخ حدیث و فقہ سے فیض اٹھایا۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۲) حضرت امام الشافعیؒ آپ کے نہایت مشہور استاد ہیں۔ آپ نے درس و تدریس کی باقاعدہ مجلس قائم فرمائی لیکن عباسی خلیفہ مامون الرشید کی مذہبی انتہا پسندی، ہم چوں ما دیگرے نیست کی خوفناک پالیسی نے آپ کو قدم قدم پر پریشان کیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود آپ نے تعلیم و تعلم کو فروغ دیا اور امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، اسود بن

عامر جیسے شہکار تیار کیئے۔ جوامام شافعی کے مجددانہ کردار کا ارتقاء ثابت ہوئے۔آپ علم حدیث کے بلند پایہ امام تھے۔اس فن میں آپ کی شہرہ آفاق کتاب المسند ہے۔جس میں چالیس ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔جو ۲۱ سال میں جمع ہوئیں۔بعد میں آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے ترتیب وتہذیب کا فریضہ سرانجام دیا۔آپ راویوں کے بارے میں بہت محتاط تھے۔مشہور حدیث کے خلاف حدیث کو بھی قلم زد کردیتے۔ابن تیمیہ کے نزدیک مسند میں ضعیف روایات تو ہیں۔موضوع نہیں۔اور فقہ میں صاحب مذہب تھے۔آپ کے فقہی اصول یہ ہیں۔

(۱) قرآن و حدیث (۲) صحابہ کرام کے وہ فتاویٰ جن پر اتفاق تھا (۳) قرآن و حدیث کے مطابق اقوال صحابہ (۴) حدیث مرسل وضعیف قابل اعتبار ہے۔(۵) قیاس بوقت ضرورت (اعلام المواقعین ص ۲۳ الا بن القیم الجوزی)

آپ کا فقہی مذہب عراق اور ماوراالنہر کے شہروں میں پروان چڑھا۔چھٹی ساتویں ہجری میں مصر میں بھی پھیل گیا۔آپ کی جلالت شان اس سے بھی نمایاں ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظمؒ جیسے لوگ آپ کے مقلد ہوئے۔حضرت امام احمد گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف فقہ و تصوف میں مختلف اہل الرائے کے اقوال درج کیے ہیں۔

☆......امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: کہ امام احمد زمین پر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں۔(فقہ وتصوف ص ۲۹۰)

☆......امام شافعی نے فرمایا: بغداد میں امام احمد سے زیادہ کوئی متقی ،فقیہ اور اہل علم نہیں۔(ایضاً)

☆......امام احمد بن سعید نے فرمایا: امام احمد سے زیادہ کوئی حدیث کا حافظ اور فقہ کا

عالم نہیں۔ (ایضاً)

☆......امام وکیع نے فرمایا: کہ امام احمد جیسا کوئی شخص کوفہ نہیں آیا (ایضاً)

☆......امام یحییٰ بن آدم نے فرمایا: امام احمد ہمارے امام ہیں۔ (ایضاً)

☆......امام ابو عاصم نے فرمایا: بغداد میں وہی تو شخص ہیں۔ (ایضاً)

☆......نصیر بن علی حمصی نے فرمایا: اپنے زمانے میں وہی افضل ہیں۔ (ایضاً)

☆......ابن قتیبہ نے فرمایا: وہ نہ ہوتے تو لوگ دین کے بارے میں گفتگو نہ کرتے۔ (ایضاً)

☆......ہلال بن العلا نے فرمایا: کہ اللہ نے ان کے ذریعے لوگوں پر احسان فرمایا۔ (ایضاً) نیز وہ نہ ہوتے تو لوگ چوپائے بن جاتے۔

☆......امام ابوداؤد نے فرمایا: میری نظر میں ان جیسا کوئی نہیں گزرا (ایضاً)

☆......اسماعیل بن خلیل نے فرمایا: کہ وہ بنی اسرائیل میں ہوتے۔ تو آیہ من آیات اللہ ہوتے۔

☆......ابراھیم بن حربی نے فرمایا: کہ اللہ نے ان میں اولین و آخرین کے علوم جمع فرمادیئے۔

☆......صوفی بشر حافی نے فرمایا: وہ دنیا سے خالص سونے کی طرح گئے۔ (ایضا)

☆......آپ علم و عمل، زہد و تقویٰ، عشق خدا و مصطفیٰ ﷺ، تواضع وانکسار جیسے اوصاف کی بدولت اس دور میں مثالی تھے استقامت وعزیمت تو ضرب المثل ہے۔ ۲۱۲ھ تمام اہل اسلام کے لیے آزمائشوں کا سال تھا جب خلیفہ مامون الرشید نے اپنے معتزلی عقیدہ باطلہ خلق قرآن کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ سب پر ٹھونسا۔ اس کے جاہ وجلال کے سامنے حضرت امام احمد، امام محمد بن نوح اور

امام قواریری کے سوا سب علماء و متکلمین سرنگوں ہو گئے۔اس نے ان کو پابند سلاسل کر دیا۔لیکن ان کے قتل سے پہلے تلوار قضا سے فنا ہوا۔(تاریخ الخلفاص ۲۴۰) مامون کی وفات ۲۱۸ھ کے بعد معتصم باللہ تخت حکومت پر بیٹھا تو اعتزال کا بدترین دور شروع ہو گیا۔اس نے آپ کو دربار میں بلایا اور خلق قرآن کے موضوع پر مناظرہ کیا،آپ نے اس کو حواریوں سمیت شکست فاش دی۔آپ کی دلیل تھی کہ قرآن کلام اللہ ہے۔اسکی صفت ہے۔اگر حادث ہو تو اللہ کی ذات محل حادث ہو گی جو کہ محال ہے۔آپ کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا،ہاں جواب دیا تو شدید کوڑوں کی صورت میں جو ایک جلاد مارتا،تھک جاتا اور دوسرا آجاتا۔مگر استقامت وعزیمت کے اس مینارنور میں کوئی لغزش نہ آئی۔آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۲۴۱ھ کو واثق باللہ کے عہد میں وفات پائی۔(مرقات جلد ۱ص ۲۲)اس کا انعام بارگاہ رسالت پناہ سے ملا کہ ان کو درجہ صدیقیت پہ فائز کر دیا گیا۔(حلیۃ الاولیاء جلد ۹ ص ۱۸۹)اور حضرت مروزی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں اللہ تعالٰی نے مجھے بخش لیا اور جنت میں داخل فرما کر اپنا دیدار عطا کیا اور فرمایا یہ ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' کے نعرہ مستانہ کا ثواب ہے۔(ایضا)

دوسری تیسری صدی ہجری کی مجددانہ مساعی جمیلہ میں امام احمد بن حنبل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔جابر بادشاہوں کے سامنے اگر وہ مصلحت کوشی کا شکار ہو جاتے تو نجانے ملت اسلامیہ کے عقائد ونظریات کا رخ کس طرف ہو جاتا۔ان جیسے کوہسار عزم و وقار نے اعتزال کی آندھیوں کے روبرو ٹھہر کر اربوں مسلمانوں کو منزل ہدایت کی راہ دکھا دی۔مولا کریم ان کو تمام عالم اسلام کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔

امام حسن بن زیادؒ

☆☆☆

ان کے ساتھ حضرت امام حسن بن زیادؒ بھی شریک تجدید ہیں۔ طبقات القاری میں ہے۔ قد عدالحسن بن زیاد ممن جددلهذه الامة دینها علی راس ماتین ، امام بخاری کے استاد حضرت یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں۔ مارایت افقه من الحسن بن زیاد و کان محبا للسنة و اتبا عها ، میں نے حسن سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا وہ سنت کے محب ومتبع تھے۔ اور اپنے غلاموں کو وہی پہناتے جو خود پہنتے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی اتباع میں البسوهم مما تلبسون ، (الجواہر المضیئہ جلد ۱ ص ۱۹۳) حضرت مسلمہ بن قاسم کا قول ہے۔ کان ثقة وہ ثقہ تھے (مستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۰۹) حافظ الحدیث احمد بن عبدالحمید فرماتے ہیں مارایت احسن خلقا من الحسن بن زیاد ولا اقرب ما خذا ، میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ با اخلاق اور ان سے زیادہ ماخذ کے قریب نہیں دیکھا۔ (الانساب للسمعانی ص ۴۹۷) آپ امام ابو حنیفہ کے مصاحب تھے۔ ۲۰۴ھ کو وصال فرمایا۔

☆☆☆

قرن سوم

حضرت امام ابو جعفر احمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام **ابو جعفر طحاوی** قدس سرہ الحاوی

☆☆☆

خلافت عباسیہ اپنے عروج و وقار کی آخری حدوں کو چھو کر زوال و انحطاط کی طرف گامزن ہونے والی تھی۔ یہ مامون الرشید متوفی ۲۱۸ھ/۸۳۳ء کے برادر زادہ جعفر المتوکل باللہ ۲۳۲ھ تا ۲۴۶ھ کا دور تھا جو اپنے برادرِ اکبر واثق باللہ المتوفی ۲۳۲ھ کے تخت حکومت پر براجمان ہوا۔ اس کا دور امن و امان اور خوشحالی اور فارغ البالی سے عبارت تھا مگر اسمیں کوئی کمال نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے دور خلافتِ عباسیہ کے شاندار نمونے تھے اور ان دوروں کے اثرات و عواقب ہنوز اسلامی معاشرے پر قائم تھے۔ اس کے پیشروؤں کی سیاسی و معاشی جدوجہد کی وجہ سے جو عظیم سلطنتِ اسلامی میں استحکام پیدا ہوا تھا وہ ابھی تک موجود تھا، بذات خود وہ نہایت جابر ظالم، عیاش و جاہ پسند انسان تھا۔ اس کے شراب و شباب کے شوق نے اس کے عہد کو ''عہد سرور'' بنا دیا۔ اس کے دربار میں مسخرے اور گویے بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے۔ اس نے اپنے مخالفوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے بالخصوص علویوں فاطمیوں کو تو خصوصی قہر و غضب کا نشانہ بنایا۔

اہل بیتِ اطہار کے دسویں امام، امت محمدیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت

امام علی نقی رضی اللہ عنہ، کو سامرا میں نظر بند کیا اور جسٹس امیر علی کی تحقیق کے مطابق حضرت علی المرتضٰی اور امام حسین سید الشہدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات بھی برباد کر دیئے۔ اس نے مذہبی اور سیاسی آزادی جو ہر قوم کا بنیادی حق ہوتی ہے اس پر پہرے بٹھائے۔ البتہ ایک بات ہے کہ اس نے فرقہ معتزلہ کا زور توڑ دیا اور اس کی وجہ سے جتنے علما کرام قید و بند کی مصیبتوں میں گرفتار تھے، رہا کر دیئے۔ اس کی سیاسی پالیسیوں کی وجہ سے مملکت اسلامی میں اور ریاستوں نے جنم لینا شروع کر دیا۔ مثلاً سجستان کی دولتِ صفاریہ اس کے عہد میں منظر عام پر آئی۔ اس کے انداز حکومت نے ریاست کے استحکام اور دیرینہ اثرات کو روبہ زوال کر دیا۔ بغاوتیں شروع ہوئیں۔ ۲۳۸ھ میں اہل روم نے مصر پر حملہ کیا اور دمیاط پر قبضہ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ مگر وہاں کے امیر بسر بن اکثف نے انہیں شکست دی۔ متوکل کی خلافت ایک ترک جرنیل واصف کی ممنون احسان تھی، لہذا اس کے عہد میں ترکوں نے خوب ترقی کی جس سے متوکل خائف رہنے لگا۔ اس کے اس خوف نے اسے ترکوں کے خلاف اہم اقدام اٹھانے پر مجبور کیا تو اس نے ترک سرداروں کی جاگیریں ضبط کر لیں، طاقتور جرنیل ایتاخ اور اس کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا، اس نے ترکوں سے بچنے کیلئے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا، اس سے ترکوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ خلیفہ شامیوں کی مدد سے ان کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ چند ترکوں نے مل کر خلیفہ کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ستائیس حکمران آئے۔ مگر عباسی خلافت کی گرتی ہوئی عمارت کو کوئی نہ سنبھال سکا۔

عباسیوں کا زوال ۲۴۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ۶۵۶ھ تک چار سو سال پر محیط ہے، جسے چنگیز خان کے خونخوار پوتے ہلاکو خان نے خوفناک حملے سے ختم کر دیا۔ ان کی کوکھ کا بانجھ پن دیکھیئے کہ ایک بھی مرد کامل پیدا نہ ہوا جو سلامیان عالم کو ایک مقام پر

جمع کر سکتا۔ ہاں ان چار صدیوں میں سامانیہ، صفاریہ، غزنویہ، سلاجقہ کی ریاستیں سینہ گیتی پر نمایاں ہوئی اور اسلام کی بقاد دوام کا سبب ٹھہریں۔

حالات ومقامات:

تیسری صدی ہجری کے جلیل القدر مجدد حضرت امام ابوجعفر طحاوی قدس سرہ الحاوی بنوعباس کے دور زوال کے آغاز میں پیدا ہوئے جس میں المتوکل زمام اقتدار کا وارث تھا۔ امام الحافظ شمس الدین الذھبی علیہ الرحمہ کے نزدیک آپکا ایک سال ولادت ۲۳۷ھ ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۰۹) جبکہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے امام طحاوی کی بیان کردہ روایت سے ۲۳۹ھ اخذ کیا ہے (بستان المحدثین ص ۲۸۸) آپ کا پورا نام وکنیت الامام ابوجعفر احمد بن محمد ہے اور نسب اسطرح ہے۔ احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک بن سلمۃ بن سلیم بن جنات الازدی المصری الطحاوی الحنفی، صحرائے مصر کی ایک بستی (طحا) کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر طحاوی کے نام سے مشہور ہوئے (الجامع الفرید ص ۱۰۴) آپ کا تعلق قبیلہ ازد کے ساتھ تھا لہذا آپ کو الازدی بھی کہا جاتا ہے۔

اس دور میں تمام اسلامی مملکت میں علوم وفنون کی دنیا آباد تھی۔ ہارون و مامون جیسے عباسی فرمانرواؤں نے جس انداز سے علماء وحکما کی سرپرستی کی وہ ایک تاریخ ہے۔ حضرت امام کا اپنا خاندان علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ آپ کے خال محترم حضرت امام ابوابراہیم اسماعیل بن یحیی المزنی علیہ الرحمہ، امام شافعی کے بلند پایہ شاگرد تھے اور فقہ شافعیہ کے زبردست موید تھے۔ آپ نے ابتدا ان سے تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت ذہین وفطین اور استدلالی قوتوں کے مالک تھے، جن کی وجہ سے آپکا میلان طبع حنفیت کی طرف ہوگیا۔ آپ کے حنفی مسلک اختیار کرنے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ وہ یوں کہ

فقہ شافعیہ میں حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کو بچے سمیت دفن کر دیا جائے جبکہ فقہ حنفیہ میں ہے کہ عورت کا شکم چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے ہو سکتا ہے اس میں پروان چڑھنے کی مکمل صلاحیت ہو، آپ کی ولادت بھی اس طرح ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ دوران حمل انتقال فرما گئیں تو آپ کو ان کا شکم چاک کر کے نکالا گیا۔

دوران تعلیم جب آپ نے یہ فقہی مسئلہ پڑھا تو فقہ شافعیہ سے یہ کہہ کر رخ موڑ لیا ''لا ارضی بمذھب رجل یرضی بھلا کی ''میں اس شخص کے مذہب فقہی پر راضی نہیں جو میری ہلاکت میں راضی ہے۔ (نبراس ص 110، الارشاد فی ترجمۃ المزنی)

شافعی علماء نے آپ کی تبدیلی کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ آپ کے خال محترم امام مزنی آپ سے دوران تدریس ناراض ہو گئے تو آپ نے بھی سب کچھ چھوڑ کر حنفیت اختیار کر لی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۰۹) لیکن یہ بات محلِ نظر ہے۔ اصل بات وہی ہے جو صاحب نبراس علامہ عبد العزیز پر ہاروی علیہ الرحمہ نے رقم فرمائی ہے، کیونکہ نظریات کی تبدیلی کسی بہت بڑے انقلاب کی بدولت پیدا ہوتی ہے، استاد کی ناراضگی سے کوئی اتنی جلدی نظریہ تبدیل نہیں کرتا کہ یہ دوران تدریس معمولات میں شامل ہے۔ آپ چونکہ از حد وسیع النظر اور عمیق الفہم تھے، مسئلہ پڑھتے ہوئے فوراً فقہ شافعیہ کے اس غیر فطری امر پر غور کیا جسکے غیر فطری ہونے پر آپ کی اپنی ذات گواہ تھی۔

جب آپ نے امام مزنی کا حلقہ درس چھوڑا تو انہوں نے ناراض ہو کر فرمایا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہ نہیں بن سکے گا۔ پس آپ خدا کے فضل سے فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا

کرتے"(حدائق حنفیہ ص ۱۶۵)

پھر آپ نے امام ابو عمران حنفی علیہ الرحمہ سے پڑھنا شروع کیا(تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۰۹) آپ کے یہ استاد محترم ابو جعفر احمد بن ابو عمران اپنے زمانے میں فقہ حنفی کے ستون تھے اور محمد بن سماعۃ کے شاگرد اور وہ امام ابو یوسف کے شاگرد تھے جبکہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، کے عظیم اصحاب میں شامل تھے۔اس طرح ان کا سلسلہ تلمذ صرف دو واسطوں سے امام اعظم تک پہنچتا ہے۔مصر سے فارغ التحصیل ہو کر آپ نے شام کے قاضی القضاۃ ابو حازم سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔اور دیگر مشائخ شام سے حدیث کا علم سیکھا۔حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک آپ نے یونس بن عبد الاعلیٰ ، ہارون بن سعید، محمد بن عبد اللہ، بحر بن نصر، عیسیٰ بن مثرود، ابراہیم بن ابو داؤد، ابو بکر، بکار بن قتیبہ سے علم حدیث حاصل کیا۔(لسان المیزان جلد ا ص ۲۷۴) امام شمس الدین ذہبی کے مطابق عبد الغنی بن رفاعہ بھی آپ کے شیخ تھے۔آپ نے تین صد شیوخ سے فیض حاصل کیا (الجامع الفرید ص ۱۰۴)

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ گلشن اجتہاد کی رونق بنے اور تمام عمر مبارک امام اعظم رضی اللہ عنہ، کی تحقیقات کی تائید وتاکید میں گزار دی۔آپ کو بجا طور پر فقہ حنفی کا کامیاب وکیل کہا جا سکتا ہے۔ذیل میں ہم ان کے اوصاف و کمالات اور محاسن ومقامات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

کمال علم وفکر:

حضرت طحاوی قدس سرہ بیک وقت عدیم النظیر محدث اور عالی مرتبت فقیہ تھے۔آپکا فقہاء اور محدثین کرام کے اعلیٰ طبقات میں شمار ہوتا ہے۔آپ کثیر التصانیف تھے،جن میں حدیث،تفسیر،فقہ،اصول فقہ،کلام،تاریخ واسماء الرجال

پر بہترین تحقیقات شامل ہیں، آپ نے احکام القرآن، شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، اختلاف العلما، کتاب الشروط، الشروط الصغیر، الشروط الاوسط، مختصر الطحاوی، النوادر الفقہیہ، کتاب النوادر والحکایات، حکم ارض مکہ، حکم الفی و الغنائم، نقض کتاب المدلسین، کتاب الاشربہ، الرد علی عیسیٰ بن ابان، الرد علی ابی عبید، اختلاف الروایات، الرزیہ، شرح الجامع الکبیر، شرح الجامع الصغیر، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوصایا و الفرائض، کتاب التاریخ الکبیر، اخبار ابی حنیفہ، عقیدۃ الطحاوی، تسویہ بین اخبرنا و حدثنا، سنن الشافعی، صحیح الآثار جیسی مبسوط کتب و رسائل تصنیف کیئے۔ (الجواہر المضیہ جلد ا ص ۱۰۵) آپ کی یہ باقیات صالحات آپ کے علمی و فکری و فقہی تجربہ پر دلالت کرتی ہیں۔

علم الحدیث کو لیجئے، ۲۷۰ھ کو مصر کے قاضی ابوعبداللہ محمد بن عبدہ کے نائب بنے، آپ نے ابوعبیدہ کی روایت جو انہوں نے والدہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے اخذ کی تھی۔ ایک شخص کے کہنے پر مختلف اسناد سے بیان کی تو اس شخص نے یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

رایتک العیشۃ مع الفقھا فی میدانھم ورایتک الآن فی میدان اھل الحدیث وقل من یجمع ذالک فقال ھذا من فضل اللہ و انعامہ، میں نے شام کو فقہا کے میدان میں دیکھا اور اب آپ کو میدان حدیث میں دیکھا، ایسی جامعیت والا کون ہے، آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل وانعام ہے، (لسان المیزان جلد ا ص ۲۷۷)

علم حدیث میں آپ نے مختصر الطحاوی رقم فرمائی۔ اس کتاب کی خصوصیات

پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کے حفظ حدیث اور اخذ معانی کا ادراک ہوتا ہے۔ علامہ حاجی خلیفہ فرماتے ہیں کہ مختصر الطحاوی فروع الحنفیہ میں امام طحاوی کی کتاب ہے۔ جسے انہوں نے کبیراً صغیراً تالیف کیا ہے، اور مختصر المزنی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

خود فرماتے ہیں **جمعت فی کتابی ھذا قول ابی حنیفة وابی یوسف و محمد** (کشف الظنون) اس کی شرح امام ابو بکر الجصاص الرازی نے چار مجلدات کبار میں فرمائی اور کتاب کے مباحث کے آخر میں الاتقانی شارح الھدایہ کا بیان نقل ہوا ہے۔ **و لم یصنف مثل ھذا قط الیٰ یومنا فلیس الخبر کالمعانیة ولن نصنف مثله الی یوم القیامة** یعنی اس کی مثال پہلے بھی نہیں اور یوم قیامت تک نہ ملے گے۔

علامہ ابوالوفا افغانی لکھتے ہیں:

"**وھو اول من جمع مختصراً فی الفقه من اصحابنا بذکر امھات المسائل و عیو نھا وروایاتھا المعتبرہ و مختاراته الظاھرہ المعول علیھا عند الفقھا**" (مقدمہ المختصر ص ۱) یعنی وہ ہمارے اصحاب حنفیہ میں پہلے ہیں جنہوں نے المختصر جمع فرمائی جس میں بنیادی مسائل اور انکے چشمے اور ان کی معتبر روایات اور ظاہر مختارات جو فقہا کے نزدیک معمول علیھا ہیں بیان کئے۔ نیز لکھتے ہیں، **کبیر الشان، معتبر و مقبول عند الفقھا، معول علیه الیٰ یومنا ھذا** (ایضا! ص ۵)

ان کے بعد امام ابوالحسن الکرخی متوفی ۳۴۰ھ، امام الجصاص الرازی متوفی ۳۷۰ھ، امام احمد القدوری متوفی ۴۲۸ھ، امام علاؤالدین سمرقندی متوفی ۵۹۳ھ، نجم الدین الترکی متوفی ۶۵۲ھ، جیسے لوگوں نے اس حوالے سے محکم و مبرہن کام

فرمایا ہے (حاشیہ ص ا)

مختصر الطحاوی کی خصوصیات نقل فرماتے ہیں۔ اول المختصرات فی مذھبنا و ابدعھا و احسنھا تھذیباً فیہ علی و جھھا معروفة معزوة الی من رواھا عن الائمة، ائمة المذھب کابی یوسف و محمد و زفر و الحسن بن زیاد فان کانت المسالة فیھا اقوال تراہ یرجع بعضھا علیٰ بعض و یختارہ بقولہٖ و بہٖ ناخذ کما ھو داب اصحاب الامام فی کتبھم (ایضاً ص۲)

حضرت امام طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار حدیث وفقہ کا وہ سرمایہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔اور بقول علامہ الاتقانی فان شلکت فی امرہٖ فانظر شرح معانی الآثار ھل تری لہ نظیراً فی سائر المذاھب فضلاً عن مذھبنا "اگر حضرت امام کی مہارتِ علمی میں شک ہو وہ آپ کی شرح معانی الآثار پڑھ کر دیکھے، حنفی مسلک تو کجا کسی مسلک میں بھی اس کی مثال موجود نہیں (کشف الظنون جلد۲) اس کے لکھنے کی غرض وغایت کیا تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"بعض اہل علم حضرات نے مجھ سے کہا کہ ایسی کتاب لکھوں جس میں احکام کے بارے میں حضور ﷺ کی وہ احادیث مبارکہ جمع ہوں جو بظاہر متعارض ہیں کہ دشمنان اسلام ان کے متعارض ہونے کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ اوران روایات کی تطبیق کیلئے علماء کرام کی تاویلات کا بھی ذکر کروں جو کتاب و

دیگر روایات کے قرائن و شواہد بیان کئے۔

☆...... حدیث منسوخ کی تصریح فرما دیتے ہیں۔ مثلاً حدیث ہے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کے نسخ کو ثابت کیا ہے اور حدیث ناسخ بیان کی ہے۔

☆...... حدیث کی ثقاہت و صحت کیلئے رجال الحدیث پر جرح کرتے ہیں، رجال کی تاریخ بتاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک ایک راوی کی خصوصیت کا علم رکھتے ہیں کہ فلاں اکیلا روایت کرے تو روایت کی کیا حالت ہوگی۔ کسی کے خلاف روایت کرے تو اس کا کیا مقام ہوگا۔

بہر حال یہ کتاب علم و فکر کا وہ ذخیرہ ہے جس پر قیامت تک احناف فخر کرتے رہیں گے۔

حضرت امام کے علم و فکر کا لوہا ائمہ عظام اور محدثین کرام نے مانا۔

☆...... امام ابن عبد البر نے کہا کہ وہ تمام مذاہبِ فقہا کے عالم تھے۔ (لسان المیزان جلد ۱، ص ۱۱)

☆...... امام اتقانی نے کہا کہ امام طحاوی کی مثال کسی مذہب میں نہیں (مقدمہ الاحوذی ص ۹۲)

☆...... الحافظ ابو شیرازی نے کہا کہ وہ اصحاف ابو حنیفہ کی علمی ریاست کی انتہا ہیں (ترجمہ طحاوی علی شرح المعانی، جلد ۱، ص ۱۱)

☆...... امام السیوطی نے کہا کہ وہ حدیث و فقہ میں علوم کے ماویٰ اور احادیث مبارکہ کے ملجا تھے (ایضاً)

☆...... شیخ عبد القادر نے کہا کہ وہ حدیث کا مسکن تھے (ایضاً)

☆ ...... علامہ ابو سعید ابن یوسف نے کہا کہ کان الطحاوی ثقة ثبتاً، فقیھا لم یخلف مثله، یعنی امام طحاوی ثقہ، جید عالم، فقیہ اور ایسے دانشمند انسان تھے کہ ان کی مثال نہیں ملتی (تاریخ العلما المصریین)

☆ ...... امام ذہبی نے کہا کہ بہت بڑے فقیہ، محدث، حافظ، معروف شخصیت، ثقہ روای، جید عالم اور زیرک انسان تھے (تاریخ کبیر)

☆ ...... علامہ ابن کثیر نے کہا کہ وہ جید عالم اور بلند پایہ محدث تھے، حافظ اور جہابذہ میں سے تھے (البدایہ والنھایہ)

☆ ...... امام بدرالدین عینی نے کہا لا یشک عاقل منصف ان الطحاوی اثبت فی استنباط الاحکام من القرآن و من الاحادیث النبویة و اقعد فی الفقه من غیره ممن عاصره او شارکه روایة من اصحاب الصحاح و السنن و هذا انما یظهر بالنظر فی کلامه و کلامهم.

کوئی عقلمند انصاف پسند شک نہیں کرتا کہ امام طحاوی احکام قرآن و حدیث کے استنباط میں اثبت ہیں اور فقہ میں اپنے غیر سے اقعد ہیں اور روایت میں اصحابِ صحاح و سنن کے شریک ہیں، نیز یہ ان کے اور ان کے کلام میں نظر مارنے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے یونس بن عبد الاعلیٰ کی روایت میں شرکت کی جیسا کہ ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور نسائی سعید الاکلی کی روایت میں شریک ہوئے۔ (مقدمہ المختصر ص ۱۱)

☆ ...... امام السمعانی نے کہا کان الطحاوی اماماً ثقة فقیھا عاقلاً، امام طحاوی امام، ثقہ، فقیہ اور دانشور تھے۔ (ایضاً)

☆......مسلمہ بن قاسم اندلسی نے کہا کہ وہ جلیل القدر ثقہ، فقیہ البدن عالم اور بصیرا بالتصنیف تھے (کتاب الصلہ جلد ۱ ص ۲۷۶)

☆......علامہ سبط ابن الجوزی نے کہا اور امام طحاوی ثقاہت، دیانت، فضیلتِ تامہ کا مجموعہ تھے، حدیث اور اسکے علل، ناسخ، منسوخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اس پر کسی نے اختلاف نہیں کیا، **ولقد اثنى عليه السلف و الخلف** اور ان کی سلف وخلف نے تعریف کی ہے۔ (ایضاً)

☆......علامہ ابو الوفا افغانی نے کہا وہ امام، مجتہد، حافظ، مورخ اور ماہرا نساب تھے (ایضاً) ان کی تصانیف حسن وجمع وتحقیق اور کثرتِ فوائد سے لبریز ہیں۔

آپ کے علم وفکر کیلئے یہی کافی ہے کہ آپ مجتہد فی المسائل تھے اور بقول علامہ شاطبی مجتہد پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھنے والا ہوتا ہے اور اس سے مسائل اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے (الموافقات جلد ۱، ص ۲۴)

علامہ ابن تیمیہ کی تنقید:

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ پر علامہ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ ان **الطحاوی لیس ممن له معرفة بالاسناد كمعرفة اهل النقدبه**، امام طحاوی اسناد کی معرفت نہیں رکھتے تھے جیسے دوسرے اہل نقد کی معرفت تھی، ہمارے نزدیک یہ علامہ ابن تیمیہ کا بلا جواز اعتراض ہے اور تعصب کے زمرہ میں آتا ہے جو بعض فقہی اختلاف رکھنے والوں میں موجود تھا، حالانکہ حقیقت یہ کہ آپ کی کتاب شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اسناد کی صحت وضعف اور قوت وحسن کے متعلق حقائق سے کیسے پردے ہٹائے ہیں، اور مناظراتِ اہل حدیث پر مباحثِ ناقدین کی طرح کیسے نظر ڈالی ہے۔ ذہبی نے انہیں ان حفاظ کرام میں شامل

کیا ہے جو روایت کی تصحیح و تضعیف میں اپنے اجتہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور سیوطی نے انہیں حفاظ و ناقدینِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ کتب رجال مثلاً تہذیب التہذیب اور لسان المیز ان میں رواۃ کے بارے میں ان کے اقوالِ توثیق و تضعیف اور جرح و تعدیل کو قبول کیا گیا ہے۔ اور انہیں حدیث و ترجیح میں اہل الاجتھاد میں ثابت کیا ہے۔ حدیثِ ردشمس میں تمام علما کرام نے امام طحاوی پر اعتماد کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کی تحسین فرمائی، جبکہ ابن تیمیہ اور ابن جوزی وغیرہ نے اس کو قبول نہیں کیا (اب تمام عالم اسلام کے مقابلے میں ان دو کی کون سنے گا)۔

امام السخاوی نے المقاصد الحسنہ میں، امام القسطلانی نے المواھب میں، امام السیوطی نے اپنی تصانیف مختصر الموضوعات، مناھل الصفا، والنکت البدیعات وغیرہ میں، امام الخفاجی نے نسیم الریاض شرح شفاء عیاض میں انہیں علماو محدثین میں گنا ہے۔ (یہ بحث غیث الغمام لمولف فوائد البہیہ میں دیکھی جاسکتی ہے)

حضرت امام پر یہ بھی اعتراض ہے کہ انکا یجمع الرطب و الیابس، انہوں نے رطب و یابس کو جمع کر دیا، حالانکہ یہ کام صرف انہوں نے ہی نہیں کیا، امام ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ اور امام نووی نے اپنی تقریب میں اور علامہ عراقی نے الفیۃ میں لکھا ہے ''ان فی السنن الصحیح و الحسن و الضعیف و المنکر، بے شک کتب سنن میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر روایات پائی جاتی ہیں'' علامہ ذہبی نے سنن ابن ماجہ کے بارے میں کہا کہ اس میں مناکیر اور قلیل موضوعات بھی ہیں۔ امام سیوطی نے سنن نسائی کو اقل الکتب بعد الصحیحین ضعیفاً و مجروحاً قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی منہاج السنہ میں تصانیف بیہقی کو ضعیف و موضوع روایات پر مشتمل کہا ہے۔ علامہ عینی کے مطابق دارقطنی نے اپنی سنن میں سقیمہ، معلولۃ، منکرہ، غریبہ اور

موضوعہ روایات کو جمع کر دیا ہے۔ ابن دحیہ اور ابن حجر نے مستدرک الحاکم اور امام حاکم کی دیگر تالیفات کو ضعاف و موضوعات پر مشتملہ کہا۔

امام طحاوی کی کتابیں ان تمام سے زیادہ صحت وثقاہت کی حامل ہیں اور یہ کہ ضعیف روایات تو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کو لوگوں نے اس طرح قبول نہیں کیا جیسے امام طحاوی کو کیا ہے۔ لہذا ان کے ان اعتراضات کی کوئی وقعت نہیں، تمام ائمہ نے امام طحاوی کو ثقات واثبات میں گنا ہے۔ جبکہ ابن تیمیہ کو سعتِ علم، فرطِ شجاعت اور سیلان ذہن کے باوجود قلیل العقل اور متشدد سمجھا ہے۔ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا تبصرہ سنئے، فرماتے ہیں، ابن تیمیہ نے صغیر و کبیر قدیم و حدیث علما کا رد کیا، حتیٰ کہ انتہی الی عمر رضی اللہ عنہ، یہ سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تک چلا گیا کہ انہوں نے بھی خطا کی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا انہوں نے سترہ مسائل میں خطا کی اور نص کتاب کی مخالفت کی، وہ مذہب حنابلہ میں، اشاعرہ کے خلاف متعصب تھے، یہاں تک کہ امام غزالی کو گالیاں دیتے تھے کہ ایک جماعت ان کو قتل کرنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ (غیث الغمام ص ۵۷ ملخصاً) امام ابن حجر کے اس تبصرہ کے بعد مزید کچھ لکھنا فضول دکھائی دیتا، گویا جو شخص صحابہ کرام بالخصوص خلفا راشدین کی ذواتِ قدسیہ پر حملہ آور ہونے سے دریغ نہیں کرتا، امام طحاوی قدس سرہ پر اعتراض کر دے تو کیا عجب۔

امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے بھی حضرت امام پر اعتراض کیا ہے کہ ان علم الحدیث لم یکن من صناعتہ، کہ علم الحدیث ان کا فن نہیں تھا۔ حالانکہ تمام ائمہ فن نے ان کے اس قول کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں دی۔ علامہ ابن یونس المصری جو امام طحاوی کو امام بیہقی سے زیادہ جانتے ہیں نے کہا ہے ان الطحاوی ثقۃ ثبت لم

یخلف مثله، علامہ اتقانی نے کیا خوب فرمایا ھذا العمری تحامل من ھذا الامام فی شان ھذا الاستاذ الذی اعتمده اکابر المشائخ ، میری عمر کی قسم یہ اس امام کی طرف سے اس استاذ کے بارے میں تحامل ہے جس پر اکابر مشائخ نے اعتماد کیا (کشف الظنون) امام ذہبی نے بھی امام بیہقی کا کوئی اثر نہ لیا اور امام طحاوی کا حفاظ الحدیث کے ضمن میں ذکر کیا۔ علامہ القرشی نے بھی اپنی الجامع میں امام بیہقی کے اس قول کی خوب تردید کی ہے، اور ان کی کتاب شرح معانی الآثار (جس کو دیکھ کر امام بیہقی نے اعتراض کیا تھا) کو دوسری کتابوں سے احسن قرار دیا اور کہا ہے و واللہ لم ارفی ھذا الکتاب شیأ مما ذکرہ البھقی عن الطحاوی ، خدا کی قسم اس کتاب میں نہیں دیکھا جو بیہقی نے طحاوی کے بارے میں کہا ہے۔ ان کے شیخ علاؤ الدین ابن الترکمانی نے عظیم و نفیس کتاب الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی رقم فرمائی جس میں انہوں نے امام بیہقی کا تعاقب کیا، یہ کتاب مصنف کے علمِ حدیث میں وسعتِ نظری پر دلالت کرتی ہے۔

حق گوئی و بے باکی:

حضرت امام طحاوی حق گوئی و بے باکی کا شہکار تھے۔ آپ وقت کے بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے بھی اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ مثلاً قاضی القضاۃ سے فرمایا کہ آپ اپنے عمال کا احتساب نہیں کرتے حالانکہ حضور سرور عالم ﷺ اپنے عمال کا احتساب فرماتے تھے جیسا کہ ابن البتیہ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ اس پر قاضی کے کارندے آپ سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے قاضی صاحب کو بھی آپ سے دور کر دیا۔ اسی دوران قاضی صاحب کو معزول کر دیا گیا، لوگ آپ سے کہنے لگے کہ آپ کو مبارک ہو، آپ اس بات پر ناراض ہوئے اور فرمایا قاضی

صاحب علم والے انسان تھے اب میں کس سے علمی گفتگو کروں گا (لسان المیزان جلد اص ۲۸۰)

آپ دیگر بہت سی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ علامہ اتقانی فرماتے ہیں:

فانہ، موتمن الا متھم مع غزارۃ علمہ و اجتھادہٖ و ورعہٖ و تقدمہٖ فی معرفۃ المذاھب و غیرھا، وہ ان کی جماعت میں علم واجتہاد، ورع اور معرفتِ مذاہب میں تقدم میں موتمن تھے (غایۃ البیان، من الفوائد ص ۱۸)

ان اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ سلیمہ کی وجہ سے تمام سیاسی و مذہبی افراد آپ کو عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عبدالرحمان، معمر جوہری عہدہ قضا پر فائز تھے مگر آپ کی از حد تعظیم کرتے تھے۔ وہ سواری پر ان کے بعد سوار ہوتے اور بعد میں اترتے تھے، ان سے پوچھا گیا تو کہنے لگے مجھ پر ان کا احترام لازم ہے۔ عہدہ قضا کوئی ایسی شے نہیں جس کی بدولت میں امام طحاوی پر فخر کروں (لسان المیزان جلد اص ۲۸۱) ابوعبداللہ محمد بن زبر بھی عہدہ قضا پر متمکن ہوئے اور حضرت امام کا احترام کرتے تھے۔

حضرت امام نے ۳۲۱ھ میں بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں وصال پایا، یہ قاہر باللہ ابومنصور محمد بن معتذر کا دور حکومت تھا، اسمیں آپ کے علاوہ ابنِ درید اور ابو ہاشم جبائی معتزلی نے وفات پائی۔ (تاریخ الخلفا ص ۳۶۸) امام ذہبی کے مطابق، محمد بن نوح نیشاپوری، شیخ ابوبکر احمد، ابواحمد بن الباسانی اور حافظ سعید بن محمد جیسے لوگ بھی انتقال کر گیے، (تذکرہ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۱۰)

ملفوظات مبارکہ

☆☆☆

حضرت امام طحاوی قدس سرہ بہت دانا و بینا شخصیت کے مالک تھے، آپ نے اس دورِ زوال کی نزاکتوں کو سمجھا اور امت مسلمہ کے عقائد واعمال کی اصلاح کیلئے عظیم جدوجہد کی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کی کتابوں اور رسالوں میں وہ مواد جمع ہوا ہے جس کو اس وقت امتِ مسلمہ کی ضرورت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ پرفتن دور میں بھی آپ کے چند جواہر پارے پیش کر دیے جائیں تا کہ صراطِ مستقیم پر چلنا آسان ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ہم نے آپ کے رسالہ ''عقیدۃ الطحاوی'' سے انتخاب کیا ہے۔

توحید خدا

☆☆☆

☆......فرمایا بلاشبہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

☆......کائنات کی کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

☆......کوئی چیز اسے عاجز نہیں کرسکتی۔

☆......اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قدیم ہے جسکی کوئی ابتدا نہیں وہ دائم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ ذات نہ فنا ہوگی اور نہ ختم ہوگی۔ اس جہاں میں وہی کچھ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ انسانی خیالات اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل اس کا ادراک کرسکتی ہے۔ مخلوق کے ساتھ اس کی تشبیہ نہیں

دی جا سکتی۔ وہ زندہ ہے، اسے موت نہیں آئے گی۔ وہ محافظ ہے، اسے نیند نہیں آتی۔

☆......اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ اس نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا کیا اور اس کی تقدیریں بنائیں۔ لوگوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا، نافرمانی سے روکا۔ ہر چیز اس کے ارادے سے چلتی ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اپنے فضل سے ہر ایک کی حفاظت کرتا ہے اور عدل کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے گمراہ و رسوا اور آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے، سب اس کے محتاج ہیں، ہر کام اس کیلئے آسان ہے۔ کوئی پلنے والا نہ ہو وہ پھر بھی رب ہے۔ وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کے بغیر بھی خالق ہے۔ وہ مردوں کو زندہ کرنے سے پہلے بھی محی ہے۔ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ بغیر کسی تکلیف کے سب کا رازق ہے۔ وہ ذات ہمسروں سے پاک ہے۔ وہ حدود و قیود اور جسمانی ارکان سے بالاتر ہے۔ اور نہ ہی عام اشیاء کی طرح اس پر جہاتِ ستہ حاوی ہیں۔

شانِ مصطفیٰ

☆☆☆

☆......حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے، منتخب نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔ آپ خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء، سید المرسلین اور محبوب پروردگار ہیں۔ آپ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی و جہالت ہے۔ آپ جن و انس اور پوری کائنات کی طرف حق و صداقت، رشد و ہدایت اور نور وضیا کے ساتھ

مبعوث ہوئے۔ معراج برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی اور بیداری کے عالم میں آپ کے جسدِ اطہر کو معراج کرایا۔ پھر بلندیوں پر جہاں تک چاہا لے گیا اور اپنی منشا کے مطابق آپ کو عزت بخشی۔ فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ ماکذب الفواد مارای ، دنیا و آخرت میں آپ پر درود و سلام ہو۔ امت کیلئے حضور ﷺ کی شفاعت برحق ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ ہے۔ اس انسان کا دین محفوظ رہتا ہے جو خود کو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے سپرد کر دیتا ہے۔ جو کتاب و سنت کے دلائل کو تسلیم نہیں کرتا اس کا اسلام لانا ہی ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن مجید

☆☆☆

☆......قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کتاب سے بغیر کسی کیفیت کے اسکی بات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی کی صورت میں نازل فرمایا اور مومنین نے حق سمجھتے ہوئے اس کی تصدیق کی۔ یہ انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں، یہ انسان کے کلام سے مشابہ نہیں۔ جس نے اوصافِ خدا کو اوصافِ انسان سے تشبیہ دی اس نے کفر کا ارتکاب کیا، ہم اس کو مخلوق نہیں مانتے اور جماعتِ مسلمین کی مخالفت نہیں کرتے۔

آخرت

☆☆☆

☆......اہل جنت کا اپنے رب کو دیکھنا برحق ہے۔ لیکن یہ رویت بغیر کسی احاطہ و کیفیت کے ہوگی۔ حوضِ کوثر برحق ہے۔ اللہ کو ازل سے ان لوگوں کا علم ہے جو جنت

میں جائیں گے اور ان کا بھی علم ہے جو جہنم میں جائیں گے۔ اس میں کسی کا اضافہ ہوگا نہ کمی۔ لوگوں کے وہ اعمال بھی اللہ کے علم میں ہیں جو انہوں نے مستقبل میں سرانجام دینے ہیں۔

تقدیر

☆☆☆

☆......کی حقیقت یہی ہے کہ یہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے اور اس سے کوئی مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ کوئی نبی مرسل (مگر جس کو وہ علم دے) تقدیر میں غور و فکر، محرومی اور سرکشی کا ذریعہ بنتا ہے۔ آدم اور اولادِ آدم سے میثاق برحق ہے، ہم لوح و قلم اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو تقدیر میں لکھ دی گئی ہیں۔ جس کا ہونا مقدر کر دیا وہ ہر حال میں ہوگی۔ اگرچہ تمام مخلوق اسے روکے، قیامت تک ہونے والا ہر کام لکھ دیا گیا ہے۔ علم موجود (شریعت) کو قبول کرنے اور علم مفقود (تقدیر) کے ترک کر دینے سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

اشیائے غیب

☆☆☆

☆......عرش الٰہی اور کرسی برحق ہے۔ کراماً کاتبین برحق ہیں۔ ملک الموت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ عذاب قبر برحق ہے، قبر جنت کا گلستان ہے یا جہنم کا گڑھا۔ موت کے بعد اٹھنے کو درست جانتے ہیں۔ جزا، سزا، حساب و کتاب سب

برحق ہے۔

☆......اللہ تعالیٰ عرش اور اس سے کم تر اشیا سب سے بے نیاز ہے۔ جنت و دوزخ رب کی مخلوق ہے۔

☆......اللہ ہر شے پر غلبہ و فوقیت رکھتا ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنے احاطے سے عاجز کر دیا۔

☆......ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل، موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا (علیہم السلام)

☆......ہم ملائکہ، انبیا اور رسولوں پر نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام برحق تھے۔

اہل ملہ

☆☆☆

☆......ہم اہل قبلہ کو اس وقت تک مسلمان سمجھتے ہیں جب تک وہ اس شریعت کے معترف رہیں جو رسول علیہ السلام لے کر آئے۔ اور اس کے تمام اقوال و احادیث کو صدق دل سے تسلیم نہ کرلے۔

☆......ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی بناء پر کافر نہیں کہتے تاوقتیکہ وہ اس گناہ کو اعتقادی طور پر جائز نہ سمجھے اور نہ ہی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ مومن کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔

☆......ہم ایمان والوں میں سے کسی کے دخولِ جنت سے ڈرتے ضرور ہیں لیکن مایوس نہیں۔

☆......ہم مومنین کیلئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔

☆......بے خوفی اور ناامیدی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اہل قبلہ کیلئے ان کے مابین حق کا راستہ ہے۔

☆......ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

☆......شریعت میں موجود حضور کے تمام احکام برحق ہیں۔

☆......ایمان وحدت ہے، اہل ایمان اس بنیاد پر برابر ہیں، لیکن تقویٰ کی وجہ سے ایک دوسرے سے افضل ہیں۔

☆......تمام مومن اولیا الرحمٰن ہیں۔ زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ اور رسول کا زیادہ تابع فرمان ہے۔

☆......منزل من اللہ شریعت کو اعتقاداً اور عملاً ان اولیا اللہ نے تسلیم کیا جن کے دل منور تھے۔ یہ مقام راسخین فی العلم کو نصیب ہے۔

☆......ہم اہل قبلہ میں سے ہر نیک و فاجر امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں اور ہر دو کی نمازِ جنازہ پڑھنا شرعاً جائز سمجھتے ہیں۔

☆......ہم کسی فرد کو جنتی و جہنمی قرار نہیں دیتے اور نہ اس پر کفر اور شرک اور نفاق کا فتویٰ لگاتے ہیں تاوقتیکہ اس سے ان چیزوں کا ظہور نہ ہو جائے۔

☆......جس پر تلوار چلانا واجب نہیں ہم اس پر تلوار نہیں چلاتے۔

☆......ہم سنت کی پیروی کرتے ہیں اور جماعت المسلمین کی مخالفت سے اجتناب کرتے ہیں۔

☆......ہم عدل و انصاف کو پسند کرتے ہیں اور ظالموں اور خائنوں سے نفرت۔

☆......زندوں کا دعا کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا مردوں کو نفع بخش ہے۔

اصحاب واهل بیت و اهل ولایت

☆☆☆

☆......ہم اصحابِ رسول سے محبت کرتے ہیں، غلو نہیں کرتے، اس سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتا ہے۔ ان کی محبت دین وایمان کی علامت، انکا بغض کفر ونفاق اور سرکشی ہے۔

☆......حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور حیدر کرار رضی اللہ عنہم کو بالترتیب خلفاراشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام مانتے ہیں۔ ان کے درجات بھی اسی ترتیب کے ساتھ ہیں۔

☆......عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ گواہی حضور ﷺ نے دی ہے۔

☆......جس نے صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور حضور ﷺ کی اولادِ پاک کا اچھا تذکرہ کیا انہیں ہر قسم کی اخلاقی میل سے پاک سمجھا اس نے خود کو نفاق سے بری کرلیا۔

☆......ہم ولی کو نبی پر فضیلت نہیں دیتے۔ ایک نبی تمام ولیوں سے افضل ہے۔

☆......اولیا کرام کی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں۔

☆......قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف کوئی دعویٰ کرنے والے کو سچا نہیں مانتے۔

☆......ہم الجماعۃ کو برحق اور درست مانتے ہیں۔

☆......اللہ کا دین ایک ہی ہے اور وہ ہے الاسلام۔

فیوضات و اثرات

☆☆☆

حضرت امام الطحاوی قدس سرہ، کو اللہ تعالیٰ نے شہرتِ دوام عطا فرمائی۔

آپ کے تلامذہ مختلف دیار و امصار سے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کے فیوضات و اثرات کو دور دور تک پہنچادیا۔ ان میں ابو محمد عبد العزیز الجوہری، حافظ احمد بن القاسم بغدادی، ابوبکر علی الروعی، ابو القاسم مسلمہ، القرطبی، ابو القاسم عبد اللہ داؤدی، حسن بن القاسم مصری، قاضی ابن ابی العوام، ابو الحسن محمد اخمینی، حافظ ابوبکر محمد المقری، ابو الحسن علی بن احمد الطحاوی، ابو القاسم سلیمان الطبرانی، حافظ عبد الرحمان بن یونس المصری، حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بغدادی، میمون بن حمزہ العبیدلی مشہور ہیں (الجواہر المضیہ، جلد ا ص ۱۰۴)

حضرت امام کی نامور کتابوں اور رسالوں کے فیوضات و اثرات سے آج تک امت محمدیہ مستفیض ہورہی ہے۔ قیامت تک ہوتی رہے گی۔

☆☆☆

امام ابو الحسن اشعری علیہ الرحمہ

☆☆☆

اس صدی میں عظیم متکلم حجۃ المتکلمین حضرت امام ابو الحسن اشعری متوفی ۳۳۰ھ کو بھی مجددِ اسلام قرار دیا گیا ہے۔ جنہوں نے اپنی قوت استدلال سے اہل اعتزال کا زور توڑا۔ آپ نے مشہور معتزلی ابو علی جبائی سے علمِ کلام حاصل کیا اور ایک عرصے تک معتزلی رہے، پھر توبہ کی اور اپنے پرانے مسلک کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔

حضرت امام کے اثرات میں امام غزالی اور امام ابو بکر باقلانی، ابو اسحاق جیسے لوگ شامل ہیں۔ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان صدیوں کشمکش رہی۔ اور کئی علاقوں میں قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔ لیکن حضرت امام اور ان کے مقلدین نے معتزلہ کا جادو ختم کر دیا تھا۔ ابو بکر باقلانی اور ابو اسحاق کی گرانقدر تصانیف اسلام کا سرمایہ ہیں جن میں حضرت امام کے علم وفکر کا فیض ہے۔ ان کے بعد ابراہیم بن علی شیرازی، امام الحرمین ابو المعالی نے اس مسلک اشاعرہ کو نقطہ کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اپنے مذہبی عقائد کو فلسفہ اور کلام کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ثابت کیا۔ انہوں نے آیات متشابہات کی تاویل پیش کی مثلاً لفظ ید، ساق، وجہ، عین سے مراد قدرت، مداخلت، ذات اور علم ہے۔ اشاعرہ نے بہت ترقی کی۔ امام غزالی کی احیا العلوم اور الاقتصاد نے معتزلی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا۔ ان کے بعد امام فخر الدین رازی نے مطالب عالیہ مباحثِ مشرقیہ، اربعین فی اصول الدین اور اساس التقدیس میں عقل و فکر کے خزانے لٹائے۔

☆☆☆

امام ابن جریر طبری

☆☆☆

اس صدی میں مورخ الاسلام امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کو بھی مجدد اسلام قرار دیا گیا ہے۔ آپ ۲۲۴ھ کو بمقام آمل طبرستان میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۱۰ھ کو وفات پائی۔ آپ تاریخ وحدیث وتفسیر کے علوم وفنون میں از حد مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے مشہور زمانہ تاریخ الامم والملوک طبری لکھی جس میں آپ کے حفظ روایات و وسعتِ معلومات کا عالم دیدنی ہے۔ فنِ تفسیر میں تفسیر الکبیر رقم فرمائی، جس کے بارے

میں کہا جاتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ" طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر کو احسن التفاسیر خیال کیا جاتا ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا (سیرت النبی، جلد ۱، ص ۳۰) حافظ ذہبی نے ابن جریر طبری کو اسلام کے معتمد اور مستند ائمہ کرام میں شمار کیا ہے (میزان الاعتدال) نواب صدیق حسن بھوپالی نے تفسیر طبری اور تفسیر جلالین کو نافع تر تفسیر لکھا ہے (المقالۃ الفصیحہ، ص ۱۲۷) امام جلال الدین سیوطی نے ان کی کتاب کو اجل و اعظم تفاسیر میں شمار کیا ہے، بلکہ توجیہ اقوال اور ترجیح بعض اقوال بر بعض اور بعض اعراب و استنباط جیسے امور سے تعرض کی وجہ سے دیگر کتابوں پر فائق تصور کیا ہے، اسی طرح امام نووی نے بھی تہذیب میں فرمایا ہے۔ (مقدمہ تفسیر ستاری، ص ۱۷) امام طبری بلند مرتبت فقیہ تھے، ابتداً امام شافعی کے مقلد تھے، بعد میں مقامِ اجتہاد پر فائز ہو کر الگ فقہی راستہ اختیار کیا۔ آپ کے مقلد بغداد میں ہوئے۔ ابو الفرج المعافا نہروانی جیسے لوگوں نے آپ کی تقلید کی۔ آپ نے علمِ فقہ میں کتاب اللطیف، کتاب الخفیف، کتاب البسیط، کتاب الآثار، کتاب اختلاف الفقہا تصنیف کی جسمیں تمام مسالکِ فقہ کو قریب لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کا فقہی مذہب پانچویں صدی ہجری کے وسط تک رہا۔ اب اس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے (تفہیم الفقہ ص ۱۰۵ بحوالہ فلسفہ شریعت اسلام)

آپ عجز و انکسار، سادگی اور خلوص و وفا کا مجسمہ تھے۔ علمائے اسلام نے انہیں خوب خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

☆☆☆

قرن پنجم

حضرت امام محمد بن محمد غزالی رضی اللہ عنہ

حجتہ الاسلام امام الغزالی قدس سرہ العالی

☆☆☆

یہ اتراک قنق کی ایک شاخ غز کے خاندان سلاجقہ کا دور تھا۔ جو ایران و خراسان، ترکستان اور چین کے وسطی علاقوں پر پھیلا ہوا تھا۔ آل سلجوق سنی المسلک تھے اور بنو عباس کا از حد احترام کرتے تھے۔ آل سلجوق کا بادشاہ طغرل بک ۱۰۵۵ء تا ۱۰۶۳ء پورے جاہ و جلال سے حکومت کر رہا تھا۔ اس کی تلوار آبدار سے ایک طرف باز نطینی حکمرانوں کے دل کانپ رہے تھے تو دوسری طرف فاطمی لرزہ براندام تھے۔ اس کے بعد اس کا قابل ترین لخت جگر سلطان الپ ارسلان ۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۳ء تخت حکوت پر فائز ہوا جو بہت بلند کردار، منصف مزاج اور بہادر تھا اس کے وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی نے علم و فکر کی ترویج کے لیے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ اور بہت سے عظیم مدارس کھولے۔ اس نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں مدارس اور دار العلوم قائم کیے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی رقمیں مقرر کیں (ابن ایثر جلد ۱۰ ص ۷۲)

پھر اس کا بیٹا ملک شاہ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۹۲ء حکمران بنا تو آل سلجوق کا ستارہ انتہائی بلندیوں پر تھا، ابن خلکان کے بقول ایسی سلطنت کسی کو نصیب نہ ہوئی جیسی ملک شاہ کو نصیب ہوئی۔ اس کا دور ہر اعتبار سے قابل رشک تصور کیا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء سلجوقی سلاطین کی سرپرستی کرتے تھے۔ اور انہیں بیش بہا القابات سے نوازتے تھے۔

حالات وآثار:

اسلام کے اس تاریخ ساز زمانے میں حضرت امام محمد الغزالی جیسی تاریخ ساز شخصیت ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء کو خراسان کے ضلع طوس کے شہر طاہران میں پیدا ہوئی۔ آپ کے والد ماجد رشتہ فروش تھے یعنی دھاگے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس مناسبت سے آپ کو غزالی کہا جانے لگا۔ اس دور میں تعلیم و تربیت کی سہولت عام تھی لہذا ہر شعبہ حیات سے متعلق افراد اس دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ جیسا کہ شمس الائمہ حلوائی تھے۔ امام ابوجعفر کفن دوز تھے علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے۔ اصل عزت کا باعث آدمی کا علم وفکر اور زہد و تقویٰ خیال کیا جاتا تھا نہ کہ ذات پات اور پیشہ وغیرہ۔

حضرت امام کے والد ماجد نے علم حاصل نہیں کیا تھا لہذا ان کو یہ از حد شوق تھا کہ ان کے نور نظر امام محمد غزالی اور احمد غزالی علم سے آراستہ ہوں، انہوں نے اپنی وفات کے وقت یہ کام اپنے دوست کے سپرد کیا اور اسے کچھ سرمایہ بھی دیا۔ جب وہ سرمایہ ختم ہو گیا تو اس دوست نے دونوں بھائیوں سے کہا کہ تمہارے باپ کی کمائی ختم ہو چکی ہے لہذا کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرو، دونوں بھائیوں نے ان کی بات تسلیم کر لی۔ حضرت امام نے فقہ کی کتابیں علامہ احمد بن محمد رافکانی سے پڑھیں۔ یہ صاحب امام کے ہم شہر تھے ان سے فارغ ہو کر جرجان میں ابونصر اسماعیل کے پاس پہنچے اور ان کی تقریرات کو قلم بند کیا، جب وطن واپس آئے تو راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کا سامان لوٹ لیا جس میں استاذ گرامی کی ان تقریرات کا مجموعہ بھی تھا، حضرت امام کو بہت صدمہ ہوا، اسے واپس لینے کیلئے آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے، اور کہا کہ میں اپنے مال واسباب میں سے صرف وہ مجموعہ طلب کرتا ہوں وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم نے خاک سیکھا، ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے، اس نے کاغذ واپس

کر دیے۔حضرت امام کے دل پر اس ڈاکو کے جملے نے بہت اثر کیا، چنانچہ وطن پہنچ کرانہوں نے سارا مجموعہ حفظ کرلیا۔(الغزالی، ص۱۰)اس سے آپ کی قوت حافظہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

آپ بہت ذہین وفطین تھے، کوئی استاد آپ کی تسلی وتشفی نہیں کرا سکتا تھا۔لہذا آپ نے مزید علم حاصل کرنے کے لیے نیشاپور کا راستہ اختیار کیا، کیونکہ اس زمانے میں یوں تو تمام بلاد اسلامیہ میں علم وفضل کے دریا جاری تھے مگر نیشاپور اور بغداد کا اپنا ہی مقام تھا۔نیشاپور کو یہ شرف حاصل ہے۔کہ وہاں بغداد سے بھی پہلے چوتھی صدی ہجری میں متعدد مدراس قائم ہو چکے تھے۔سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر نے وہاں مدرسہ بہقیہ اور مدرسہ سعیدیہ قائم کیا۔(حسن المحاضرہ جلد۲ص۱۵۱) ایک مدرسہ ابوسعد واعظ استر آبادی نے قائم کیا۔ایک مدرسہ امام اسحاق کے لیے کسی رئیس نے بنوایا اور ایک مدرسہ اہل نیشاپور نے امام ابوبکر ابن فورک کے لیے تعمیر کیا، جس میں علوم متداولہ کی تعلیم دی جاتی تھی (ابن خلکان جلد۳ص۲۸۰) سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی (طبقات الشافعیہ جلد۳ص۱۳۷)

علم ظاہری کا استاد:

حضرت امام نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔آپ نے نظامیہ میں امام الحرمین حضرت شیخ عبدالملک ضیاء الدین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔امام الحرمین اس وقت عالم اسلام کے بہت بڑے عالم تھے اور عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے مقلد تھے۔انہوں نے مدرسہ بہقیہ نیشاپور اور بغداد کے جید ائمہ فن سے علم حاصل کیا، بعدازاں آپ ارسلان کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے حرمین شریفین چلے گئے اور وہاں حلقہ درس قائم کیا۔پھر نظام الملک کی عدل پروری اور بے تعصبی کی

بدولت واپس نیشاپور آئے۔ اور اس نے خاص آپ کے لیے مدرسہ نظامیہ کا آغاز کیا۔ امام الحرمین صرف مدرس نہیں تھے، بلکہ خطیب، امام اور تمام بلاد اسلامیہ کے اوقاف کے افسر اعلیٰ تھے۔ آپ بہت حق گو تھے۔ ایک مرتبہ ملک شاہ کے حکم کی مخالفت کی (الغزالی ص ۱۲) آپ نے بہت سی کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ حضرت امام غزالی نے آپ کی صحبت بابرکت سے علمی خزانے حاصل کیے اور زمانے میں تقسیم کیے۔

دنیا کے عروج کی طرف:

حضرت امام غزالی نے جب امام الحرمین ضیاء الدین سے سند فراغت حاصل کی تو آپ کی علمی وفکری شہرت کا سورج خوب چمک رہا تھا، آپ مدرسہ نظامیہ سے اس شان وشوکت سے نکلے کہ تمام بلاد اسلامیہ میں ان کا ثانی نہیں تھا۔ آپ کی عمر اس وقت ۲۸ سال تھی ابتداً آپ کا مزاج جاہ پسند تھا۔ امام الحرمین کی صحبت میں انہوں نے علماء کرام کی جو قدر ومنزلت مشاہدہ کی تھی اس نے ان کے اس ولولے کو اور بڑھا دیا۔ آپ فارغ ہو کر نظام الملک کے دربار میں پہنچے، نظام الملک نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور اپنے درباری علماء کے ساتھ آپ کے مباحثوں کا انتظام کیا۔ آپ ہر فن میں اس دور کے اہل کمال پر غالب آ گئے۔ جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ نظام الملک نے آپ کو مدرسہ نظامیہ پر فائز کر دیا، ۳۴ سال کی عمر میں یہ شرف صرف آپ کو نصیب ہوا۔ یہ وہ منصب تھا۔ جس کے لیے علما کرام دعائیں مانگا کرتے تھے۔ غرض آپ جمادی الاول ۴۸۴ھ کو بغداد میں داخل ہوئے۔ اور ان کے جاہ وجلال نے امراء و وزراء کو بھی نیچا دکھا دیا۔ اس دور میں آل سلجوق اور آل عباس کا اقتدار تھا، آپ کو دونوں درباروں میں خاص الخاص مقام حاصل تھا۔ آپ نے اس دور میں ترکان خاتون کا فتنہ اپنے حسن تدبیر سے حل کیا جو

ملک شاہ کی وفات کے بعد اپنے چار سالہ بیٹے محمود کو تاج شاہی کا وارث بنا رہی تھی اور سکہ اور خطبہ پر اصرار کر رہی تھی، عباسی خلیفہ مقتدر باللہ اپنی حکومتی کمزوری کے باعث مجبور تھا۔ چنانچہ حضرت امام سفیر بن کر ترکان خاتون کے پاس گئے اور اسے راضی کر لیا کہ سکہ و خطبہ عباسی خلیفہ کے پاس رہے گا۔ (ابن اثیر) خلیفہ مستظہر باللہ کے عہد میں حضرت امام نے فرقہ باطنیہ کا زور توڑا، اس کے رد میں آپ نے کتاب المستظہر رقم فرمائی۔

عرفان کی جانب:

بغداد تمام مکاتب فکر کا مرکز تھا۔ وہاں بھانت بھانت کے لوگ اپنے عقائد و نظریات کے فروغ میں مصروف تھے سنی، شیعہ۔ معتزلہ، زندیق، ملحد، فلسفی، مجوسی عیسائی سب پوری آزادی کے ساتھ دست و گریبان تھے۔ مناظروں اور مباحثوں کی فضا نے پورے بغداد کو قیامت آثار بنا دیا تھا۔ حضرت امام نے تمام مکاتب فکر کے سرکردہ لوگوں سے ملاقات کی۔ پھر کیا ہوا، حضرت امام کی زبانی سماعت فرمائیے۔

”بیس برس سے لے کر اس سن پچاس تک میں اس بحر عمیق میں دلیر آدمی کی طرح غوطہ زن رہا۔ میں نے ہر اندھیری جگہ میں گھس کر دیکھا۔ ہر مشکل مسئلہ میں غور کیا، ہر بھنور میں داخل ہوا، ہر فرقہ کے عقیدے کی چھان بین کی۔ ہر گروہ کے مذہبی اسرار و رموز کو واشگاف انداز میں دیکھا۔ تا کہ اہل حق اور اہل باطل میں فرق کر سکوں، اور اہل سنت اور اہل بدعت کو پہچان سکوں، میں نے کسی باطنی، ظاہری، فلسفی اور متکلم کو نہیں چھوڑا جس کے ساتھ مباحثے کی آخری حد تک نہ پہنچا اور نہ کوئی صوفی زاہد و عابد مجھ سے بچا جس کی عبادت کا مرجع وانجام میں نے معلوم نہ کیا، اور نہ کسی زندیق و معطل

کی بناو اصلیت کو جانے بغیر چھوڑا۔ حقائق اشیاء کی دریافت کا ذوق مجھے ابتدائے عمر سے تھا، (المنقذ من الضلال ملخصاً)

پھر میں نے اپنے تمام علوم کی تفتیش شروع کی تو خود کو ایسے علم سے خالی پایا جو علم یقینی کی صفات سے متصف ہو، حسیات و عقلیات سب غلط ثابت ہوئے۔ جب یہ اندیشے میرے دل میں گذرے تو میں اپنے دل میں بہت کڑھا، اس مرض کے علاج کی بہت کوشش کی لیکن اس مرض کا دفیعہ بغیر ثبوت کے ممکن نہیں تھا۔ یہ مرض دو ماہ تک رہا۔ اور میں اس عرصہ میں سوفسطائیوں کے طریق پر رہا۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھے شفاء عطا فرمائی۔ میں ضروریات عقلیہ کو یقین کے ساتھ تسلیم کرنے لگا اور یہ سب اس نور کی بدولت تھا جو اللہ نے میرے دل میں ڈال دیا تھا، میں نے طالبان حق کو چار گروہوں میں پایا۔

☆ ...... متکلمین جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل رائے اور اہل نظر ہیں۔

☆ ...... باطنیہ جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اصحاب تسلیم ہیں اور امام معصوم سے اقتباس میں مخصوص ہیں۔

☆ ...... فلاسفہ جن کو زعم ہے کہ وہ اہل منطق و برہان ہیں۔

☆ ...... صوفیہ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ خاصان بارگاہ الٰہی اور صاحبان مکاشفہ و مشاہدہ ہیں۔

تب میں نے دل میں کہا کہ حق ان چاروں گروہوں سے باہر نہیں۔ اگر ان سے بھی باہر ہو تو اس کے ملنے کی کوئی امید نہیں۔ میں نے چاروں گروہوں کے طریقے پر چلنے کا ارادہ کرلیا کہ دیکھوں تو ان کے پاس کیا کچھ ہے۔

میں نے جانا کہ صوفیہ کرام کا طریق علم و عمل سے پورا ہے۔ پھر میں نے

اپنے احوال پر غور کیا تو دیکھا کہ میں علائق دنیوی میں گرفتار ہوں، میرے اعمال میں اچھا کام تعلیم و تدریس ہے۔لیکن اس میں بھی بہت سے غیر ضروری علوم داخل ہیں ۔اوراس میں میری نیت بھی خالصتاً بوجہ اللہ نہیں، اسکا محرک جاہ کی طلب اور شہرت کی آرزو ہے۔اور مجھے یقین ہوگیا کہ میں بہہ جانے والے ریتلے ساحل پر کھڑا ہوں اور اگر اپنے حال کی تلافی نہ کی تو دوزخ میں گر جاؤں گا۔شہوات دنیوی اپنی زنجیروں میں جکڑ کر مجھے اس مقام پر رہنے کے لیے مجبور کرتی تھیں ۔اور دوسری طرف ایمان کا منادی کرنے والا آواز دیتا تھا کہ کوچ کوچ عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔اور سفر طویل ہے۔تیرے اردگرد جو علم ہے وہ سوائے ریا اور تو ہم کے کچھ نہیں ۔اگر اب آخرت کے لیے تیار نہ ہوئے تو کب ہوگے۔میں چھ ماہ تک کشمکش میں رہا۔بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی ۔جس نے میری دعا کو قبول فرمایا اور جاہ و مال اور اولاد و اصحاب سے روگردانی آسان کردی۔

میں نے ظاہر کیا کہ مکہ مکرمہ کو جانا چاہتا ہوں لیکن میں نے اپنے آپ کو شام کے سفر کے لیے تیار کیا۔یہ احتیاط اس لیے تھی کہ خلیفہ اور دیگر اصحاب میرے قیام شام سے باخبر نہ ہو جائیں پھر بغداد کبھی نہ آنے کا ارادہ کر کے نکلا ،علمائے عراق نے ملامت کی ۔عوام الناس نے قیاس آرائیاں کیں ،لوگ یہی کہتے کہ یہ امر آسمانی ہے۔اہل اسلام اور علمائے اسلام کو نظر بد لگ گئی ہے۔ضرورت کے مطابق مال اہل و عیال کے لیے چھوڑا۔باقی دے ڈالا اور بغداد کو چھوڑ کر ملک شام چلا گیا، وہاں دو سال گوشہ نشینی ،خلوت گزینی ، ریاضت و مجاہدہ ، ذکر الٰہی ،تزکیہ نفس ،تہذیب اخلاق میں گزارے۔جیسا میں نے علم تصوف سے سیکھا تھا میں جامع مسجد دمشق کے مینارے پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتا۔اس کے بعد بیت المقدس گیا۔پھر حج کی تحریک ہوئی کہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے بعد حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں۔ میں نے حجاز کا سفر کیا، پھر بعض امور اور بال بچوں کے اصرار نے وطن واپس بلا لیا۔ لیکن میں خلقت کے لائق نہیں رہا تھا۔ علائق دنیا مجھے اپنی طرف کھینچتے رہے۔ لیکن میں صفائی قلب اور جمعیت خاطر سے مایوس نہ ہوا۔ اسی حالت میں دس برس گزر گئے ان خلوتوں سے مجھے بے شمار اسرار ملے۔ اور یقین بھی ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے صوفیہ کرام ہی ہیں۔ انہی کی سیرت سب سے اعلیٰ اور انہی کا طریقہ سب سے درست ہے۔ ان کی ظاہری باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں (المنقذ من الضلال)

دس سال کی عزلت نشینی کے بعد آپ نے علم و فکر کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ دی۔ اور ملت اسلامیہ کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا ایسا بیڑہ اٹھایا جو قسام ازل نے ان کے مقدر میں لکھا تھا۔ اس وقت آپ معرفت خدا کی تجلیوں سے منور ہو چکے تھے۔ اور پورے زمانے کو ان سے منور کرنا چاہتے تھے۔ آپ علم ظاہری اور عقل نارسا کی گتھیاں سلجھا کر عشق و جنون کی وادیوں میں اتر چکے تھے۔ اور اب پوری دنیا کی راہنمائی فرمانے کے قابل ہو چکے تھے۔

حصول عرفان کا سبب:

حضرت امام یوں تو فطری طور پر حصول عرفان کی تڑپ سے بے قرار رہتے تھے۔ اور اپنی منزل حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہونا چاہتے تھے۔ البتہ اس کا سبب آپ کے برادر اصغر حضرت احمد غزالی کو بھی قرار دیا جاتا ہے۔ آپ ایک مرتبہ وعظ کر رہے تھے تو احمد غزالی نے عربی اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ آپ کب تک اوروں کو وعظ کہیں گے، کبھی اپنے آپ کو بھی وعظ کر لیا کریں۔ ان

اشعار نے مہمیز کا کام دیا اور آپ تمام دنیوی رکاوٹوں کو عبور کر گئے۔ احمد غزالی صوفی صافی انسان تھے۔ وہ آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک دن آپ نے ماں سے شکایت کی تو انہوں نے نماز پڑھی۔ لیکن آدھی نماز توڑ کر نکل آئے۔ حضرت امام نے شکایت کی کہ پہلے پڑھتا نہیں تھا۔ اب پڑھی تو کیا پڑھی اس سے زیادہ سبکی ہوئی ہے ماں نے احمد غزالی سے پوچھا کہ تم نے نماز کیوں توڑی انہوں نے کہا کہ حضرت امام فقہی مسائل میں غرق تھے۔ نماز کی طرف ان کا خیال ہی کب تھا۔ ماں نے فرمایا میرے دو بیٹے ہیں دونوں ایسے ہی رہے۔ ایک کا خیال فقہی مسائل کی طرف تھا اور دوسرے کا اس کی طرف۔ خدا کی طرف تو کسی کا خیال نہیں تھا۔ اللہ اللہ جن کی مائیں ایسی عظیم ہوتی ہیں۔ وہ ان کے حسن تربیت سے منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔

علم باطنی کا استاد:

اس پر آپ کے تمام سوانح نگار متفق ہیں کہ آپ نے علم باطنی کے لیے شیخ الاسلام ابو علی فضل بن محمد زاہد الفارمدی کی طرف رجوع کیا، حضرت ابو علی فارمدی سلسلہ عالیہ طیفوریہ کے بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں جو سلسلہ عالیہ آگے چل کر سلسلہ نقشبندیہ کہلاتا ہے۔ آپ علاقہ طوس کے قصبہ فارمد میں ۴۰۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ شافعی المسلک تھے۔ اور تصوف کے اسرار و رموز سے آشنا تھے آپ نے شیخ ابوالخیر۔ شیخ ابوالقاسم القشیریؒ، شیخ ابوالقاسم علی گرگانی اور شیخ ابوالحسن علی خرقانی سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا سلسلہ طریقت حضرت ابوالحسن خرقانی کی نسبت سے مشہور ہوا، جن کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ نے شرف اہل زمانہ، واندر وقت خود ممدوح ہمہ اولیاء بود" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن کے متعلق شیخ قشیری کا ارشاد ہے۔ جب میں خرقان کی طرف گیا۔ ان کی ہیبت سے میری فصاحت

کافور۔قوت گویائی مسلوب اور ولایت معزول ہوگئی (کشف المحجوب ص ۲۰۵) وزیر نظام الملک ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ جب حضرت شیخ ابو علی فارمدی کے آشیانہ اقدس میں غزالی جیسا نابغہ روزگار آیا تو انہوں نے اس کو تصوف وسلوک کا بھی شہباز بنا دیا۔ واقعی سچ کہا ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یہ شیخ کامل کی نگاہ کیمیا اثر ہوتی ہے۔ جو "العلم حجاب الاکبر" کے پردے چاک کر کے عالم لاہوت کا رازداں بنا دیتی ہے۔

سفر وصال:

حضرت امام نے ۴۹۹ھ کو نظام الملک کے بیٹے فخر الملک سلطان سنجر کے وزیر اعظم کی منت وسماجت کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں درس وتدریس کا ایک بار پھر آغاز فرمایا۔ لیکن ۵۰۰ھ میں فخر الملک کی شہادت کے بعد آپ نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ طوس تشریف لا کر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ جہاں سفر وصال تک ظاہری و باطنی دونوں علموں کی تلقین کرتے رہے۔ (شرح احیاء العلوم ص ۹، الغزالی ص ۲۴)

آپ آخری ایام میں بالکل عابد مرتاض بن گئے تھے۔ اور شب و روز مجاہدوں اور ریاضتوں میں بسر کرتے تھے۔ تاہم تحقیق وتالیف کا مشغلہ ترک نہ فرمایا۔ آپ نے اصول فقہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب مستصفیٰ ۵۰۴ھ میں تصنیف فرمائی۔ آپ کا انتقال ۵۰۵ھ میں ہوا۔ آپ کے وصال کا واقعہ آپ کے برادر اصغر احمد غزالی کی زبانی سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگایا اور کہا آقا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا (الغزالی ص ۳۰ بحوالہ شرح احیا العلوم ص ۱۹)

آپ کے وصال کا تمام عالم اسلام کو گہرا صدمہ ہوا۔ اکثر شعراء نے مرثیے لکھے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ حجتہ الاسلام پر آنسو بہا کہ تمام اہل حیات میں عظیم القدر اور اشرف تھے۔ آپ کا مزار اقدس طاہران میں ہے۔

اب ذیل میں آپ کے خصائل واوصاف لکھنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

بارگاہ نبوت کا شرف تعلق:

حضرت امام کا شمار ان برگزیدہ افراد میں ہوتا ہے۔ جو بارگاہ نبوت کے گہرے تعلق و نسبت سے شرف یاب ہوئے۔ آپ حضور رحمت عالم ﷺ کی نگاہ رحمت کے کس قدر پروردہ تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔ کہتے ہیں۔ کہ معراج کے دوران حضور ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ آپ کی حدیث العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا کیا مفہوم ہے، حضور ﷺ نے امام غزالی کی روح کو طلب فرمایا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرف گفتگو کا موقع عطا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے۔ امام غزالی نے عرض کیا۔ ابو حامد۔ محمد بن محمد غزالی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے صرف نام پوچھا ہے۔ تم نے کنیت، ولدیت وغیرہ سب کچھ بتا دیا۔ آپ نے عرض کی، حضور جب آپ سے رب نے فرمایا تھا کہ موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔، آپ بتا دیتے ''عصا'' جبکہ آپ نے عصا کے اوصاف و کمالات بھی بیان فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تو اپنے رب کے ساتھ شرف کلام

کوطول دینا چاہتا تھا۔ آپ نے عرض کی حضور میں بھی رب کے کلیم و حبیب علیہما السلام کی بارگاہ میں شرف کلام کو طول دینا چاہتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے توقف فرمایا جبکہ حضور اکرم ﷺ نے عصا مبارک سے امام غزالی کے سینے پر ٹھوکر لگائی اور فرمایا خاموش! یہ بارگاہ نبوت ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ امام غزالی پیدا ہوئے تو ان کے سینے پر اس ٹھوکر کا نشان موجود تھا۔ (ملخصاً)

ایک خدا رسیدہ بزرگ نے عالم خواب میں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضری دی تو ان کے ہاتھ میں امام غزالی کی قواعد العقائد تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس سے پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے توحید باری کے بارے میں چند جملے اور حضور اقدس ﷺ کے فضائل و مناقب سنائے تو چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار ہوئے۔ لب مبارک پر تبسم کی جھلک ظاہر ہوئی ارشاد ہوا غزالی کہاں ہے۔ باب رحمت کے دربان نے فوراً غزالی کو پیش کیا۔ امام غزالی نے مودبانہ سلام عرض کیا، حضور پر نور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آنکھوں پر لگایا اور اپنے چہرے کو حضور پاک ﷺ کے دست انور سے ملا۔ اس کے بعد وہ بزرگ بیدار ہو گئے۔ اور امام غزالی کے مراتب جلیلہ کے گرویدہ ہو گئے۔ (نفحات الانس از مولانا جامی)

اسی طرح کسی بزرگ نے حضور سرورِ عالم ﷺ سے عالم خواب میں پوچھا کہ حضور ﷺ امام غزالی کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا وہ ایسا شخص ہے۔ جس نے اپنی منزل مقصود کو پالیا۔ (ملفوظات اعلحضرت) عارف شاذلی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ وہ موسیٰ و عیسیٰ پر امام غزالی کی وجہ سے فخر فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کیا تمہاری امت میں بھی کوئی ایسا آدمی ہے۔ دونوں حضرات نے عرض کی نہیں۔ (روض الریاحین، ص ۲۱۰)

علم وفلسفہ:

حضرت امام غزالی کو حجۃ الاسلام اسی لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے خداداد علم ودانش اور فکر وفلسفہ کے ذریعے اسلامی افکار وعقائد کا تحفظ فرمایا۔ آپ اپنے زمانے کے اہل علوم وفنون میں ممتاز تھے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سینکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا نظام الملک نے مناظرے کی مجلسیں منعقد کیں۔ متعدد جلسے ہوئے اور مختلف علمی مضامین پر بحثیں ہوئیں۔ ہر معرکے میں امام غزالی صاحب ہی غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو چمکا دیا۔ اور تمام اطراف ودیار میں ان کے چرچے پھیل گئے۔ نظام الملک نے ان کو نظامیہ کی مسند درس کے لیے انتخاب کیا۔'' (الغزالی ص ۱۶، بحوالہ ابن خلکان)

آپ کا علمی پایہ یہ تھا کہ ان کے درس میں تین سو مدرسین اور سو امرا اور روساء حاضر ہوتے تھے۔ (الکامل ابن اثیر) آپ کو ہمیشہ حصول علم کا شوق رہا۔ حضرت امام نے حدیث کا فن اثنائے تحصیل میں نہیں سیکھا تھا۔ اب اس کی تکمیل کا خیال آیا۔ حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی سے صحیح بخاری ومسلم کی سند حاصل کی (شرح احیاء العلوم ص ۱۹)

حضرت امام نے بیش بہا کتب ورسائل قلمبند فرمائے جو ان کے علم وفلسفہ پر گواہی دیتے ہیں اور آپ کی فکری ہمہ گیریت پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

تصانیف کے لحاظ سے امام غزالی کی حالت نہایت حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے کل ۵۴، ۵۵ سال عمر پائی تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں تصنیف کا مشغلہ شروع فرمایا

۔دس گیارہ برس صحرا نوردی اور بادیہ پیائی میں گزارے۔درس وتدریس کا مشغلہ ہمیشہ قائم رہا۔اور کبھی کسی زمانے میں ان کے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔فقر وتصوف کے مشغلے جدا۔دور دور سے جو فتاویٰ آتے تھے۔ان کا جواب لکھنا الگ۔با ایں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔جن میں سے بعض کئی جلدوں میں ہیں ۔اور گوناں گوں مضامین پر ہیں اور جو تصنیف ہے۔اپنے باب میں بے نظیر ہے۔سچ ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست

(الغزالی ص ۳۲)

آپ کی تصانیف ورسائل مندرجہ ذیل موضوعات میں منقسم ہیں۔

☆......فقہ میں وسیط،بسیط،وجیز،بیان القولین الشافعی،تعلیقہ فی فروع المذاہب خلاصۃ الرسائل،اختصار،المختصر،غایۃ الغور،مجموعہ فتاویٰ۔

☆......اصول فقہ میں تحصین الماخذ،شفاء العلیل،منتخل فی علم الجدل،منخول،مفصل الخلاف،فی اصول القیاس،مستصفی،اخذ فی الخلافیات،

☆......منطق میں معیار العلم،محک النظر،میزان العمل،

☆......فلسفہ میں مقاصد الفلاسفہ،

☆......کلام میں تہافتہ الفلاسفہ،المنقذ من الضلال،الجام العوام،اقتصاد مستظہری، فضائح الاباحیہ وحقیقۃ الروح،قسطاس المستقیم،القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل،مواہم الباطنیہ،تفرقہ بین الاسلام والزندقہ،الرسالۃ القدسیہ قواعد العقائد،

☆......تصوف واخلاق میں احیاالعلوم،کیمیائے سعادت،المقصد الاقصیٰ،اخلاق الا برار جواہر القرآن،جواہر القدس،مشکوۃ الانوار۔منہاج العابدین،معراج

السالکین، نصیحۃ الملوک، ایہا الولد، بداۃ الہدایہ، تنبیہ الغافلین،

☆......علاوہ ازیں عقیدۃ المصباح۔ شرح دائرۃ علی ابن ابی طالب، السر المصون، خلاصہ الرسائل الی علم المسائل فی المذاہب، حجۃ الحق، الاسماء الحسنیٰ۔ اسرار معاملات الدین۔ اسرار اتباع السنۃ، اسرار الحروف و الکلمات، القانون الکلی، قانون الرسول، القربۃ الی اللہ، المکنون فی الاصول، مسلم السلاطین، المعارف العقلیہ، یاقوت التاویل وغیرہ بھی ان کے تبحر علم اور تعمق فکر کا ثبوت ہیں۔

آپ کی کتابوں میں معقولات و منقولات کے ذخیرے موجود ہیں۔ ایک کتاب احیا العلوم کے بارے میں علماء کرام نے زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ محدث زین عراقی کا قول ہے۔ کہ احیا العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصانیف میں سے ہے۔ عبدالغافر فارسی نے کہا کہ احیا العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ شیخ ابومحمد کازرونی کا بیان ہے کہ اگر تمام علوم مٹا دیے جائیں تو احیا العلوم سے میں تمام علوم کو زندہ کر دوں گا۔ مشہور صوفی شیخ عبداللہ عیدروس کو یہ کتاب قریب قریب پوری حفظ تھی۔ (الغزالی بحوالہ تعریف الاحیا ص ۳۷)

آپ کے تلامذہ کی تعداد ان کے اپنے قول کے مطابق ایک ہزار ہے۔ جو آپ کے علمی وقار کی گواہ ہے۔ علم سے آپ کو آخری دم تک پیار تھا۔

آپ کو علم الکلام میں خصوصیت کا درجہ حاصل تھا۔

اب حضرت امام نے اپنے خداداد علم کے ذریعے جو اسلامی عقائد کا تحفظ فرمایا اس کا ذکر مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

۱)......وجود باری کے بارے میں آپ استدلال فرماتے ہیں کہ عالم حادث ہے اور

حادث خود بخود نہیں ہو سکتا۔ اس کی علت ہو گی۔ اور وہ وجود باری ہے۔ یعنی حادث کو عالم وجود میں لانے والا وہی خدائے بزرگ و برتر ہے۔

۲)...... خدا تعالیٰ کے بارے میں ''تشبیہ و تنزیہہ'' کی بحث زوروں پر تھی۔ آپ نے اس عقدے کو حل فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کے دل و دماغ میں تنزیہہ باری کا تصور اس قدر پختہ کر دیا ہے کہ قرآن و حدیث کے بعض تشبیہی اشاروں کے باوجود ان کا تصور تشبیہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ مثلاً کعبہ خدا کا گھر ہے۔ مگر تصور تنزیہہ کی پختگی کی بدولت کوئی مسلمان یہ نہیں سوچتا کہ خدا درحقیقت کعبہ میں سکونت پذیر ہے۔

۳)...... نبوت کے اثبات کے لیے آپ نے بڑے عقلی دلائل قائم کیے ہیں۔ اور نبوت کی یہ تعریف فرمائی ہے۔ کہ ثبوت عقل سے وراء درجہ ہے جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے۔ جس سے وہ خاص چیزیں معلوم ہوتی ہیں کہ جن سے عقل بالکل محروم ہے۔ جس طرح قوت سامعہ رنگوں کے ادراک سے معذور ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہیں چکھا وہ نبوت کی حقیقت کچھ نہیں جان سکتا۔ بجز اس کے کہ ثبوت کا نام جان لے۔ نبی کے حالات اس کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔ جالینوس کی تصنیفات دیکھنے سے اس کے طبیب ہونے کا قطعی علم ہوتا ہے۔ امام شافعی کی کتابیں پڑھنے سے ان کی فقہ کا علم ہوتا ہے اس طرح ہم قرآن پاک کو دیکھتے ہیں کہ نبوت کے آثار اس کے ہر لفظ سے ظاہر ہیں۔ تو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا حامل پیغمبر کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۴)...... معجزے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ان واقعات کی تین قسمیں ہیں، حسی

،خیالی اور عقلی۔

i......یعنی جو خدا نطفے سے آدمی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے۔ کہ سنگریزے میں جان ڈال دے۔ اور حیوان کو گویائی عطا کر دے، یہ حسی امر ہے۔

ii......زبان حال تمثیل کے طور پر محسوس اور مشاہدہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ انبیا اور پیغمبروں کا خاصہ ہے عام لوگوں کے لیے خواب میں جس طرح یہ حالی کیفیت محسوس صورت پکڑ لیتی ہے۔ اور آوازیں سنائی دیتی ہیں ۔یا خواب میں آدمی اونٹ سے باتیں کرتا ہے۔ یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے یا اس کی انگلی چاند سورج بن گئی ہے۔ وغیرہ انبیاء کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں ۔ جو امور بتدریج وقوع میں آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ پیغمبر کی تاثیر سے فوراً وقوع میں آجائیں۔

iii......تیسری قسم عقلی ہے۔ جیسا کہ خدا کے اس قول میں ہے۔ کہ تمام اشیاء خدا کی تسبیح پڑھتی ہیں ۔اس کے یہ معنی ہیں ۔ کہ تمام مخلوقات و محدثات اپنے خالق و موجد کی گواہی دیتی ہیں۔ متکلمین اس کو دلالۃ الدلیل علی المدلول کہتے ہیں۔

حضرت امام نے معجزے کے بارے میں جو احتمالات بیان فرمائے ان میں حسی عام متکلمین کا مذہب ہے۔ عقلی ، معتزلہ کی رائے ہے۔ خیالی کی طرف حکما و فلاسفہ گئے ہیں۔

آپ کے نزدیک نبی کے ارشادات و ہدایات سے یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ وہ نبی ہے۔

۵)......عذاب وثواب کے بارے میں آپ نے فرمایا، اوامر ونواہی کی عدم تعمیل پر جو عذاب ہوگا وہ غضب یا انتقام نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ جو شخص بیوی سے صحبت نہ کرے گا خدا اس کو اولاد نہ دے گا۔ جو شخص کھانا پینا چھوڑ دے گا خدا اس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف دے گا۔ اطاعات اور معاصی کو قیامت کی تکلیفات اور لذائذ سے بھی بالکل یہی مناسبت ہے۔ یہ اعتراض کہ معصیت پر عذاب کیوں ہوگا، گویا یہ کہنا ہے کہ جاندار زہر سے کیوں ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور زہر ہلاکت کا کیوں سبب ہے۔

آپ کے نزدیک شریعت کے تمام اوامر ونواہی فی نفسہ انسان کے حق میں مفید یا مضر ہیں۔ شارع نے اسی فائدے اور ضرر کے لحاظ سے انسان کو کسی کام کا حکم دیا ہے۔ یا اس سے روکا ہے۔ جس طرح جسمانی امراض کے لیے طب ہے۔ روح کے لیے بھی ایک طب ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس کے طبیب ہیں۔ محاورے میں کہا جاتا ہے۔ کہ بیمار طبیب کی مخالفت کی وجہ سے اچھا نہیں ہوا۔ یا احکام طب کی پابندی کرنے سے اچھا ہوا۔ حالانکہ مرض کا بڑھنا اس وجہ سے ہوا کہ اس نے تندرستی کے وہ قاعدے استعمال نہیں کیے جو اس کو طبیب نے بتائے تھے۔ (مضمون بہ علی غیر اهلہ)

۶)......معاد کے بارے میں پہلا مرحلہ روح کو ثابت کرنا ہے۔ اور دوسرا مرحلہ جسم کی فنا کے بعد روح کی بقا کو ثابت کرنا ہے۔ حضرت امام نے ان دونوں مرحلوں کو دلائل سے ثابت کر کے فرمایا جسم تمھاری حقیقت و ماہیت میں داخل نہیں۔ اس لیے جسم کا فنا ہونا تمھارا فنا ہونا نہیں۔

۷)......قیامت کے بارے میں عقلاء یہ کہتے تھے کہ قیامت میں مردے زندہ ہوں

گے، اس کی کوئی تصریح نہیں کہ جسم بعینہ ہوگا جو دنیا میں تھا۔ متکلمین نے کہا وہی جسم ہوگا۔ اس پر عقل پرستوں نے کہا ایک تو اعادہ معدوم محال ہے۔ دوسرا ایک آدمی دوسرے کو مار کر کھا گیا۔ ایک کے اجزائے بدن دوسرے کے اجزائے بدن میں شامل ہو کر ایک ہو گئے۔ تو اگر قاتل کا جسم بعینہ وہی ہوگا جو دنیا میں تھا تو مقتول کا جسم بعینہ نہیں ہو سکتا۔ متکلمین نے پہلے وہم کو جائز ثابت کیا اور دوسرے کی تاویلات کیں۔ حضرت امام نے اس ساری بحث کو سعی لا حاصل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ قیامت میں مردے زندہ ہوں گے۔ جسم کا بعینہ دنیاوی جسم ہونا ضروری نہیں۔ اس سے ابحاث و تاویلات کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

ملاحدہ کا اعتراض تھا کہ اشیاء بتدریج پیدا ہوتی ہیں۔ اور انہیں اسباب کی ضرورت ہے۔ قیامت میں ہر چیز دفعتاً پیدا ہو جائے یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا حیوانات کی پیدائش کے دو طریقے ہیں۔

i) تولد: اسباب کے فراہم ہونے سے ابتداً پیدا ہونا۔ جیسے آپ سے آپ برسات میں حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں۔

ii) توالد: تولد کے بعد نسل کا سلسلہ قائم ہو۔ مثلاً حضرت آدم ابتداً خاک سے پیدا ہوئے پھر ان سے انسان کا سلسلہ نسل جاری ہوا۔ گویا اشیاء اگر پہلے دفعتاً پیدا ہو سکتی ہیں۔ تو ایک بار پھر ایسا ہو جائے تو کونسا استحالہ ہے۔ قرآن پاک کا بھی یہی ارشاد ہے وہی دوبارہ تمھیں پیدا کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا۔ (سورۃ یسین)

غزالی کا نظریہ تعلیم:

حضرت امام کے نزدیک علم سیکھنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔لیکن کونسا علم فرض ہے۔فرماتے ہیں ''قرآن میں جس علم کو فقہ، علم، روشنی، نور۔ ہدایت اور راہ یابی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ علم ہے۔جس سے خدا شناسی اور یاد آخرت تازہ ہوتی رہے۔'' (احیاء العلوم، ص ۷)

علم کی تحصیل ضروری ہے مگر اس علم کی جس سے احکام شرع معلوم ہوں۔ مثلاً عبادات ۔معاملات، اخلاقیات وغیرہ۔اس کے سوا تمام علوم مطلوب خدا ورسول نہیں۔

حضرت امام فرماتے ہیں ''علم کہ دنیوی تقاضوں کو پورا کرنے میں بحث و جدل کرنے میں یا عوام کو مقفی و مسجع وعظ کہہ کر پھسلانے میں استعمال ہو حرام حرام اور دام دنیا ہے۔(ایضاً)

فرمایا ''علم حاصل کر کے خوف خدا سے عاری رہنا اور فخر کا ذریعہ بنانا مردود ہے۔یعنی آپ کے نظریہ تعلیم میں ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ عقائد و عبادات اور اعمال و اخلاق کا علم حاصل کریں ۔خوف خدا دل میں جاگزیں کر کے پورا پورا عمل کریں ۔حرام و حلال کی پہچان رکھیں ۔آپ علم کے ساتھ ساتھ طالب علم کی روحانی تربیت کے زبردست قائل ہیں ۔چنانچہ آپ نے سفر سے واپسی پر جو تدریس و تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اس کا امتیازی وصف یہی ہے کہ آپ طلباء کی روحانی تشنگی کو کافور کرنے کے لیے صوفیہ کرام کے مبارک طریقے پر عمل پیرا ہوئے۔

آپ علم میں افادیت کے قائل ہیں ۔وہ عالم جو علم پر عمل نہیں کرتا اس کو مردود تصور کرتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

"علم کا ثمرہ دلوں کا آخرت کی طرف میلان اور روحوں کا تزکیہ و ترقی ہے"۔
آپ دیگر دنیاوی علوم کے حصول کے قطعی انکاری نہیں۔ مگر ترجیح دینی علوم کو دیتے ہیں۔ تاکہ آدمی عالم ناسوت، لاہوت۔ ملکوت کے اسرار و حقائق سے آگاہ ہو جائے۔ ورنہ اس نے بے مقصد زندگی بسر کی۔
آپ کے نزدیک آدمی کو پہلے بہت اہم علوم و فنون سیکھنے چاہیں۔ کہ غیر اہم علوم و فنون میں زندگی ضائع نہ کرے اور اہم معاملات جوں کے توں نہ پڑے رہ جائیں۔

مراقبہ و مجاہدہ:

حضرت امام میں تحقیق و جستجو کا جذبہ شروع سے ہی موجزن تھا۔
اپنے مقصد کے حصول کے لیے آپ نے ہمیشہ جانفشانی سے کام لیا۔ جب راہ تصوف پر گامزن ہوئے۔ تو وہ بھی کمال کر دکھایا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے۔ کہ ذوقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے تو عجب ذوق اور وارفتگی کی حالت تھی۔ پر تکلف اور قیمتی لباس کے بجائے بدن پر کمبل تھا اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گزران تھی۔
ایک روایت کے مطابق امام ترک دنیا کا ارادہ رکھتے تھے مگر تعلقات دنیا سے چھٹکارا مشکل نظر آ رہا تھا۔ ایک دن وعظ فرما رہے تھے کہ آپ کے برادر اصغر حضرت امام احمد نے یہ اشعار پڑھے۔

واصبحت تہدی ولا تہتدی و تسمع و عظا و لا تسمع
فیا حجر الشعر حتی متیٰ تسن الحدید ولا تقطع

یعنی اے انسان تو دوسروں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر خود ہدایت سے دور ہے۔
اے سنگ فسان تو کب تک لوہے کو تیز کرے گا مگر خود نہ کاٹے گا۔

ان اشعار عبرت نے امام کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔اور علم و فلسفہ کا سورج اب عرفان و تصوف کی وادی میں بھی چمکنے لگا۔آپ نے اس راستے پر چل کر مجاہدہ و ریاضت کی انتہا کر دی۔آپ شام میں جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے۔(ابن اثیر)

اگر چہ آپ کا زیادہ وقت جہد و عبادت میں صرف ہوتا مگر تدریس و تعلیم سے قطعی غافل نہ ہوئے۔خوش نصیب لوگ آپ سے ہمیشہ علمی استفادہ کرتے رہے۔

بیت المقدس میں پہنچے تو صخرا کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے تھے۔آپ دس برس تک مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے رہے۔ ویرانوں میں گھومتے رہے۔چلے کھینچتے رہے۔

ایک شخص نے ان کو بیابان میں دیکھا،اس وقت ایک خرقہ بدن پر تھا۔اور ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی۔وہ ان کو چارسو شاگردوں کے حلقہ میں دیکھ چکا تھا۔حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔کیا درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے۔امام صاحب نے حقارت کی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور یہ اشعار پڑھے۔

ترکت هوىٰ و سعدى بمنزل ۔۔۔ وعدت الى مصحوب اول منزل

فنادت بى الا شواق مهلاً فهذه ۔۔۔ منازل من تهوى رويدک فانزل

(الغزالی،ص۲۲)

آپ فرماتے ہیں:

''مجاہدات و ریاضات نے قلب میں ایسی صفائی پیدا کر دی کہ تمام حجاب اٹھ گئے اور جس قدر شک و شبہے تھے آپ سے آپ جاتے رہے'' انسان کے اندر نفس امارہ ہے جس کی مذموم سازشیں ہزاروں شیطانوں کو مات کر دیتی

ہیں۔ حضرت امام نے اس کا گلہ کیسے دبایا۔ ایک مثال دیکھئے۔

علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ دمشق میں جامعہ امینیہ میں تشریف لے گئے۔ نا آشنا مدرس نے سلسلہ تقریر میں طلباء سے کہا ''غزالی نے یہ لکھا ہے۔'' آپ نے اس خیال سے کہ یہ امر عجب اور غرور کا سبب ہوگا۔ اسی وقت دمشق سے نکل کھڑے ہوئے''

آپ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا جو دنیاوی علائق سے بے اعتنائی کا آئینہ دار ہے۔

☆...... کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔

☆...... کسی بادشاہ سے کوئی عطیہ قبول نہ کروں گا۔

☆...... کسی سے مناظرہ اور مباحثہ نہ کروں گا۔ اور ان باتوں پر تادم وصال کاربند رہے۔ ایک مرتبہ دربار خلافت سے بڑے زوروں کا بلاوہ آیا مگر حضرت امام نے شان استغنا کا کمال مظاہرہ فرمایا، جواب دیا:

ایک یہ کہ یہاں طوس میں اس وقت ڈیڑھ سو متعدد طلباء مصروف تحصیل ہیں ۔جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی ۔دوسرے یہ کہ جب میں پہلے بغداد میں تھا۔ تو میرے اہل وعیال نہ تھے۔ اب بال بچوں کا جھگڑا ہے۔ اور یہ لوگ ترک وطن کی زحمت نہیں اٹھا سکتے، تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں عہد کیا تھا۔ کہ مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں ۔اس کے سوا دربار خلافت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہونا ہوگا۔ اور میں اس کو گوارہ نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھ کر میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا۔ اور بغداد میں میری کوئی جائیداد نہیں ۔غرض خلافت وسلطنت کی طرف سے بہت کچھ کد ہوئی ۔امام صاحب نے صاف

انکار کیا اور گوشہ عافیت سے باہر نہ نکلے (الغزالی ص ۲۹)

حق گوئی:

حضرت امام حق گوئی و بے باکی کے اوصاف سے مالا مال تھے۔

ایک مرتبہ حاکم وقت سلطان سنجر کے دربار میں پہنچے تو اس کے جاہ جلال سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ ایک قاری قرآن ساتھ تھے۔ ان سے فرمایا قرآن پاک کی کوئی آیت تلاوت کرو۔ اس نے یہ آیت پڑھی الیس اللہ بکاف عبدہ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔ اس آیت کے اثر سے دل مضبوط ہو گیا پھر سلطان سنجر کو مخاطب فرما کر طویل تقریر کی تقریر کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:

"مجھے دو باتیں کرنی ہیں۔ ایک یہ کہ طوس کے لوگ پہلے ہی بدانتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے۔ اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئے۔ ان پر رحم کر۔ خدا تجھ پر رحم کرے گا۔ افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں۔ اور تیرے گھوڑے کی گردنیں زرین طوقوں کے وزن سے۔

دوسرے یہ کہ میں بارہ برس گوشہ نشین رہا۔ پھر فخر الملک نے یہاں آنے کے لیے اصرار کیا۔ میں نے کہا کہ یہ وقت ہے کہ کوئی شخص ایک بات بھی سچی کہنا چاہے تو زمانہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ لیکن فخر الملک نے نہ مانا اور کہا کہ بادشاہ وقت عادل ہے۔ اگر کوئی خلاف بات ہو گی۔ تو میں سینہ سپر ہوں گا۔ میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ پر طعن کیے۔ محض غلط ہے۔ امام ابو حنیفہ کی نسبت میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیا العلوم میں لکھا ہے۔ میں ان کو فن فقہ میں انتخاب روزگار سمجھتا ہوں"

سلطان سنجر آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا "آج عراق اور

خراسان کے تمام علماء کا مجمع ہوتا۔ تو سب آپ کے کلام سے مستفید ہوتے۔"

حضرت امام نے امر بالمعروف کی بحث میں بہت سی حکایات بیان فرمائی ہیں کہ خلفائے عباسیہ اور دیگر سلاطین زمانہ پر لوگوں نے نہایت آزادی اور دلیری اور بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں۔ اس مطلق العنان حکمرانوں کے دور میں ایسی حکایات کو لکھنا اور لوگوں تک پہنچانا آپ کی شان حق گوئی کی دلیل ہے۔

ترک دنیا میں کمال:

حضرت امام نے دنیا اور اس کی بوقلمونیوں کو بہت قریب سے دیکھا۔ جاہ و منزلت اور شان و شوکت میں ایک عمر بسر کی۔ جب ان عارضی لذتوں سے دل اچاٹ ہوا تو ایسا ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر راہ فقر و تجرید پر چل پڑے۔ پھر سلطان سنجر کی دعوت کی پرواہ نہ کی۔ وہ آپ کو بہت بڑے منصب پر فائز کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ

"میں تمام علماء کو حکم دوں گا کہ وہ سال میں ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اپنی مشکلات حل کریں۔" (الغزالی ص ۲۷)

لیکن وہ دنیا کی ان تمام امنگوں اور حسرتوں سے منہ موڑ کر اپنے پروردگار کی طرف رجوع فرما چکے تھے۔ اب وہ اسی کے لیے زندہ رہنا چاہتے تھے اور اسی کے لیے مرنا پسند کرتے تھے۔

مزید یہ کہ حضرت امام کمال درجہ کے دیانتدار اور بے نفس انسان تھے آپ نے اپنے مضامین میں جن کتب سے مدد حاصل کی ان کی طرف واضح اشارہ فرمایا۔

آپ کی قلم کی تاثیر بہت دیدنی ہے۔ مثلاً احیاء العلوم کا مطالعہ کرنے والا آدمی مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر لفظ میں کیف و محبت کے جہاں آباد ہیں، اس میں

مجادلات ومناظرات کی بجائے روحانیات کا غلبہ ہے۔

حضرت امام کی ان عادات وکمالات اور خدمات اسلام کی بنا پر انہیں اپنی صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے۔

ملفوظات

☆☆☆

☆......صحیح معرفت یہ ہے۔ کہ دنیا وآخرت دونوں کو چھوڑ دے اور صرف مولا کریم کے لیے الگ ہو جائے۔ شراب محبت سے بے ہوش ہو اور رویت باری تعالیٰ تک ہوش میں نہ آئے۔ یہ رب تعالیٰ کی جانب سے نور ہے۔

☆......حضرت آدم علیہ السلام کا فعل گناہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

☆......میرے بھائیو! اگر تم ابلیس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو مولا کریم کے ساتھ لگ جاؤ۔ اور اسی کی ہی پناہ طلب کرو۔

☆......اے بھائی، سوچ! اللہ تعالیٰ کے دربار میں کس بدن کے ساتھ کھڑے ہو گے۔ کس زبان سے بات کرو گے۔ ہر بات کی پرسش ہوگی۔ ہر سوال کے جواب کے لیے تیار رہو۔ اور جواب صحیح تیار کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

☆......غفلت افسوس کا ہاتھ ہے غفلت نعمت کو زائل کرنے والی ہے۔ عبادت میں رکاوٹ ہے۔ غفلت حسد کو بڑھاتی ہے۔ غفلت ملامت اور شرمندگی پیدا کرتی ہے۔

☆......عقلمند آدمی کا کام ہے کہ وہ فاقہ کر کے نفسانی خواہشات کو کاٹ دے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان پر فاقہ ایک قہر ہے۔

☆......شہوات اور خورد نوش شیطان کے ہتھیار ہیں۔

☆......اے انسان یاد رکھ۔ نفس تجھے برائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ ابلیس سے زیادہ برا دشمن ہے۔

☆......جس چیز سے دھوکہ ہوتا ہے۔ گر تو نے اسے پسند کر لیا تو وہ تجھے جہنم میں لے جائے گی۔

☆......طلب آخرت میں بندے کا غور و فکر اس کے دل کو صاف کر دیتا ہے۔

☆......صبر کی چار اقسام ہیں۔ عبادت پر صبر کرنا۔ حرام سے پرہیز پر صبر کرنا۔ آفت پر صبر کرنا۔ پہلے صدمے پر صبر کرنا۔

☆......آدمی اگر فقیر ہے۔ تو اس پر لازم ہے قناعت کرے۔

☆......ساری بھلائی کا مرکز اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

☆......جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد میں مدد مانگنا جائز ہے۔

☆☆☆

قرن ششم

حضرت امام محمد فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ

☆☆☆

چھٹی صدی ہجری کے مجدد، امام المفسرین، شیخ المتکلمین، حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی تیمی بکری طبرستانی المعروف امام فخر الدین رازی ۵۴۴ھ کو "رے" میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ "مقتضی لامر اللہ" کی حکومت تھی۔ جس کے معاصر سلطان مسعود اور سلطان سنجر نام کے حکمران مشہور ہوئے۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"غرضیکہ خلیفہ مقتضی کی خلافت مضبوط ہوئی۔ اس کی عزت میں اضافہ ہوا۔ اس کا نام روشن ہوا اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد ہی سے دولتِ عباسیہ کی اصلاحات اور ترقیوں کی ابتداء ہوئی (تاریخ الخلفاء، ص ۴۱۳)"

جس سال حضرت امام رازی کی ولادت ہوئی اسی سال بغداد میں تقریباً دس مرتبہ سخت زلزلے آئے۔ اور کوہ حلوان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا، اگلے سال بمقام یمن آسمان سے خون کی اتنی بارش ہوئی کہ شہر کی پوری زمین خون سے لبریز ہو گئی اور اس خون کا رنگ لوگوں کے لباس پر باقی رہا۔

یہی وہ دور ہے جسمیں سلطان نور الدین زنگی اور بعد میں سلطان صلاح الدین ایوبی صلیبیوں سے برسرِ پیکار ہوئے۔ مجموعی طور پر مسلمان علمی و فکری میدانوں

میں چھائے ہوئے تھے۔ معاشی خوشحالی عام تھی، ایسے دور میں حضرت امام رازیؒ نے اپنے علم وفضل کا لوہا منوایا اور عالم اسلام پہ معتزلہ کے اثر ورسوخ کو اپنے علم وفکر اور عقل وشعور کی زبردست ضربوں سے پاش پاش کر دیا۔

حضرت امام کے والد گرامی ضیاء الدین شہر ''رے'' کے نامور خطیب تھے۔ اس لئے آپ کو ''ابن خطیب'' بھی کہا جاتا ہے، آپ نے اپنے والد گرامی اور علامہ کمال سمعانی اور شیخ مجد الدین حنبلی تلمیذ غزالی سے تعلیم حاصل کی۔

معاشی طور پر حضرت امام کے حالات نہایت تنگ تھے۔ آپ کے لڑکے کی شادی ایک مالدار سوداگر کی لڑکی سے ہوئی جس کی بدولت گھر میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ آپ کلام میں اشعری اور فقہ میں شافعی تھے۔ حضرت امام غزالی کے بعد حضرت امام رازیؒ نے بدعقیدہ لوگوں کا رد بلیغ فرمایا۔ ذیل میں ہم آپ کے کردار وافکار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ نے ۶۰۶ ہجری کو ''رے'' میں وصال فرمایا۔

علم وفکر کا کوہ گراں:

حضرت امام رازیؒ علم وفکر کا کوہ گراں تھے۔ آپ فقہ وکلام میں یگانہ روزگار تھے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے، **كان رحمه الله فريد عصره و متكلم زمانه جمع كثيرا من العلوم و نبع فيها فكان اماماً في التفسير والكلام والعلوم العقلية وعلوم اللغة**، یعنی آپ اپنے عصر کے فرید، زمانے کے متکلم تھے جنہوں نے بہت سارے علوم جمع فرمائے۔ ان میں رسوخ حاصل کیا، پس وہ تفسیر وکلام، علوم عقلی اور علوم لغت کے امام تھے۔

آپ کی بلند پایہ تصانیف آپ کے علم وفکر پر گواہ ہیں، آپ نے مختلف علوم و فنون پر قابل قدر ذخیرے رقم فرمائے۔ علم تفسیر میں آپ کی شہرہ آفاق تفسیر مفاتیح

الغیب معروف بہ تفسیر کبیر اپنی مثال آپ ہے، یہ تفسیر علمی مباحث کا بحرِ ذخار ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے فلسفیانہ، متکلمانہ بحثوں کے ساتھ ساتھ صوفیانہ جذبوں کو بھی قلمبند کیا ہے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ "اس تفسیر میں سوائے تفسیر کے اور سب کچھ ہے" یہ جملہ اس تفسیر کا مقام نہ سمجھنے کی علامت ہے۔ حالانکہ آپ نے یہ تفسیر اس دور کے تناظر میں لکھی تھی۔ چونکہ معتزلہ اور فلاسفہ کی عقل پرستی نے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے بکھیر دیئے تھے۔ ان کو بڑے تدبر وتفکر کے ساتھ ختم کرنا اس دور کی بنیادی ضرورت تھی۔ آپ نے اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے معقولات و منقولات سے اپنی تفسیر کو مزین فرمایا اور واقعی اسے "کبیر" بنا دیا۔ آپ نے قدم قدم پر معتزلہ کی خبر لی ہے اور اشعریت کو فروغ دیا ہے۔ ہر تفسیر اپنے عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے، تفسیر کبیر میں بھی اس اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے، یہ علمی وفکری سرمایہ حضرت امام کی جودت فکر، تعمق فہم اور تبحر علم کا لازوال فیض ہے۔ تفسیر کبیر آپ نے سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ انبیاء یا دوسری روایت کے مطابق سورۃ فتح تک رقم فرمائی۔ باقی تفسیر شہاب الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین مخزومی نے مکمل فرمائی مگر محسوس ایسے ہوتا ہے کہ ساری تفسیر ایک ہی ذہن کا کمال ہے۔

مولانا عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں:

> " یہ تفسیر علوم عقلیہ اور معارف وحکم کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اور بہترین خزانہ ہے ... ۔ لطائف واسرار کلام اللہ اور اصول دین کی تحقیق میں ایسی تفسیر امت میں شاید کسی نے تصنیف نہ کی ہو۔ فلاسفہ اور ملحدین کا رد دلائل عقلیہ سے اور اصول کلام سے خوب کیا ہے۔ اثبات ربوبیت والوہیت کے وہ نادر

اور گرانقدر مباحث ہیں کہ ان کی برتری اور اظہار عظمت کیلئے
بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام صاحب کا امت مسلمہ پر یہ ایک
ایسا احسان ہے جس کا بدلہ صرف حق تعالیٰ کی رحمتیں ہی ادا کر
سکتی ہیں۔(ریاض التفاسیر ص ۱۶۰)

اس کے علاوہ تفسیر سورہ فاتحہ، مطالب العالیہ، کتاب البیان والبرہان فی الرد علی اہل الزیغ والطغیان، المحصول، الملخص، شرح اشارات ابن سینا، شرح عیون الحکمۃ، السر المکنون، شرح الوجیز فی الفقہ للغزالی، آپ کی تصانیف ہیں جو تفسیر، کلام، اصول فقہ، حکمت اور طلسمات جیسے علوم وفنون سے لبریز ہیں۔ حضرت امام رازی کی بارگاہ علم وفکر میں اہل سنت نے تو خراج عقیدت پیش کیا ہی ہے۔ حضرات اہل حدیث بھی آپ کے علم وفکر کے سامنے سرنگوں ہیں۔ مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے آپ کو امام ہمام لکھا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ امام فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ، عقیدہ اور مذہب کے مسلمان اہل سنت تھے اور ان کی تفسیر کا اصلی نام مفاتیح الغیب ہے۔ جو اسم با مسمّٰی ہے۔ اسلامی کتب خانہ میں اس کی نظیر دوسری تفسیر میں نہیں پائی گئی، نہ متقدمین کی نہ متاخرین کی۔ ہم امام کے وصف میں ورق کے ورق بھر دیتے لیکن خیال آیا کہ کیا یہ بزرگ امام میری توصیف کا محتاج ہے اور اس کی تصانیف اس کی زندہ گواہ موجود نہیں ہیں؟ تفسیر کبیر کی تفسیر میں بھی ہم کئی ورق لکھ ڈالتے لیکن خیال آیا کہ اہل علم کیلئے خود تفسیر کبیر کا مطالعہ کافی ہے۔ ہمارے بیان کی کیا ضرورت ہے، ہاں صرف اتنا کہوں گا کہ میرے استاد مکرم حامل لواء السنن مولانا مولوی غلام حسن صاحب جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں بامذاق عالم ہیں، فرماتے ہیں کہ امام رازی قرآن شریف کے اسرار معلوم ہونے کا ذریعہ ہیں، خالق اکبر نے اس بزرگ کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ اس کی کتاب عزیز

کے اسرار معلوم ہو جائیں۔ (اہلحدیث، امرتسر، ص۵، ۲۲ جولائی ۱۹۱۳ء) مولوی عبد المجید سوہدروی بیان کرتے ہیں کہ مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی تفسیر قرآن کے امام فخری الدین رازی کے بہت مداح تھے، اور آپ کی تفسیر کبیر سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن پاک کو جتنا سمجھا اسی تفسیر سے سمجھا۔ (الاعتصام لاہور، ص۵، ۱۹، اپریل ۱۹۷۳) مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے تفسیر کبیر کو بے مثل تفسیر لکھا ہے (تفسیر واضح البیان، ص۳۰۵) حافظ محمد دہلوی نے امام رازی کو امام زمان لکھا ہے (اخبار محمدی، ص۷ یکم جنوری ۱۹۴۲ء) حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں کہ امام رازی کا پایہ علوم آلیہ اور عالیہ خصوصاً علم تفسیر میں اہل علم پر مخفی نہیں۔ (درایت تفسیری، ص ۹۷) (حاشیہ انوار محمدیہ از علامہ ضیاء اللہ قادری، ص ۳۲۸ جلد اول)

حضرت امام کے بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ آپ کے سامنے شیطان ظاہر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے وجود موجود ہونے پر مناظرہ شروع کر دیا۔ آپ نے وجود باری کے اثبات میں تین سو تریسٹھ دلائل قائم کیے جو آپ کی بے مثال ذہانت و فطانت کی دلیل ہے۔ اس لعین نے سب دلائل رد کر دیئے۔ آپ کے شیخ کامل حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمہ نے عالم تصور سے آپ کی حالت زار کو مشاہدہ فرمایا اور حکم دیا کہ "رازی تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ میں خدا کو ہر دلیل سے بے نیاز ہو کر مانتا ہوں،" شیخ کی دستگیری نے آپ کا ایمان بچالیا۔

شان خطابت:

علم و فضل کے ساتھ ساتھ قدرت نے آپ کو قوت بیان سے بھی نوازا تھا۔ آپ کے والد گرامی بھی بہت مایہ ناز خطیب تھے، گویا شان خطابت آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ آپ نے اپنی اس صلاحیت کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور مخلوق خدا کو راہ

ہدایت پر گامزن کیا۔ آپ عربی و عجمی زبان پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ خطابت کے دوران آپ پر رقت طاری ہو جاتی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں اور آپ وجد کے عالم میں وعظ کہتے چلے جاتے۔ آپ کی بارگاہ علم میں ہمہ وقت تین سو شاگرد حاضر رہتے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین نیشاپوری آپ کے شاگرد ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کی سیرت میں اور بھی بہت سے اوصاف و کمالات موجود تھے مثلاً:

☆......آپ احقاق حق اور ابطال باطل میں ہمیشہ سرگرم رہے۔

☆......آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔

☆......اسلام کا درد آپ کی رگوں میں رواں دواں تھا۔

☆......آپ کو تحقیق کا بہت شوق تھا۔ ایک مسئلہ میں مختلف علماء کرام کے اقوال دیکھتے، تنقید بھی کرتے اور پسندیدہ قول کو قبول کر کے اسے اپنے دلائل سے مزید مستحکم بنا دیتے

☆......معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ سے آپ کو شدید نفرت تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک آپ انکی تردید میں حد سے بڑھ گئے ہیں، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کی غیرت اسلامی کا نمونہ ہے۔ ان باطل پرستوں نے اسلام کے ساتھ کونسا مذاق نہیں کیا۔ حضرت امام جیسے غیور و جسور آدمی دشمنان اسلام کو کیوں کر معاف کر سکتے تھے۔

ملفوظات

......☆......

☆......کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا گمان کرے بلکہ ایسا گمان ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۷۹) سچ بولنا اللہ تعالیٰ کی

صفت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کی ذات پر نقص ہے اور اللہ تعالیٰ میں نقص ہونا محال ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۱۳۸)

☆...... اے اللہ! نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم کو فتح عطا فرما اور ہماری مدد فرما۔ (تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۱۳۸)

☆...... جو جنگل میں پھنس جائے تو کہے، اعینونی عباد اللہ یرحکم اللہ، اللہ کے بندو میری مدد کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ (تفسیر کبیر جلد ۱)

☆...... دفع ضرر اور دفع ظلم کیلئے لوگوں سے استعانت جائز ہے۔ (تفسیر کبیر)

☆...... اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام اور غیب کا علم دیا ہے۔ (تفسیر کبیر پارہ ۵)

☆...... فرشتوں کو حضرت آدم کے سجدہ کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور محمدی جلوہ گر تھا (تفسیر کبیر، جلد ۲، ص ۳۰۲)

☆...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اس قدر نورانی تھا کہ اس کی نورانیت سے دیواریں چمک اٹھتیں۔ (زرقانی، جلد ۶، ص ۲۱۰)

☆...... بے شک نور سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (تفسیر کبیر، جلد ۳، ص ۳۹۵)

☆...... **وما اھل بہ لغیر اللہ** کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو بتوں کیلئے ذبح کیا گیا ہو، یہ قول مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا ہے۔ ربیع بن انس اور ابن زید نے کہا یعنی وہ جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا گیا ہو اور یہ قول اولیٰ ہے کیونکہ اس میں مطابقت لفظی زیادہ ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد ۲، ص ۸۴)

☆...... نصب بتوں کو کہا جاتا ہے۔ (ایضاً، جلد ۳، ص ۳۶۶)

☆...... اللہ تعالیٰ کا نور جلال مرد مومن کی آنکھوں اور کانوں میں آجاتا ہے، تو وہ قریب

وبعید کی چیزوں کو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔ (تفسیر کبیر)

☆...... جو ذاتی غیب ہے اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جو عطائی غیب ہے اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس غیب کا ہمیں علم ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد ۱، ص ۱۶۹)

☆...... اللہ تعالیٰ تم سب لوگوں کو علم غیب نہیں دینا چاہتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا تا کہ تم رسول سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔ (ایضاً، جلد ۳، ص ۱۰۶)

☆...... عام فلاسفہ و متکلمین بھی مسئلہ روح کو جانتے ہیں، پس اگر حضور ﷺ یہ فرمائیں کہ میں روح کو نہیں جانتا تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ اور لوگوں کو آپ سے دور کرنے کا باعث ہے............ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم اور تمام فضلا سے بڑھ کر فاضل ہیں انہیں مسئلہ روح کا علم نہ ہو۔ (ایضاً، جلد ۵، ص ۴۳۴)

☆...... یہ بات مستبعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔ (تفسیر کبیر، جلد ۸، ص ۲۳۴)

☆...... اللہ کے ولی مرتے نہیں ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں (ایضاً)

☆......☆......☆

قرن هفتم

حضرت شیخ عمر شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ

حضرت الشیخ عمر شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ

☆☆☆

احوال وآثار:

ساتویں صدی ہجری کے مجدد شیخ الشیوخ حضرت سیدنا عمر شہاب الدین قدس سرہ ماہ رجب کے اواخر یا ماہ شعبان کے اوائل میں ۵۳۶ھ کو سہرورد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے سلسلہ نسب میں موجود تمام افراد بہت خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور بلند پایہ عالم تھے۔ آپ نے اپنے خاندانی شیوخ سے بہت روایات حاصل کیں۔ آپ نے علمی وروحانی فیض اپنے خاندان سے ہی حاصل کیا۔ آپ کے چچا اور شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوالنجیب سہروردی اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی، عالم اور صاحب اسرار آدمی تھے ان کی کتاب "آداب المریدین" بعد میں آنے والے اکثر اولیا کرام کے نصاب میں شامل رہی۔

حضرت شیخ کا آبائی شہر "سہرورد" ایران کے ایک قدیم گورنر سہراب کے نام سے سہراب گرد یا سہرادگرد تھا۔ جو بعد میں بگڑ کر سہرورد ہو گیا۔ یہ قصبہ عراق وعجم کے پہاڑی علاقہ میں ایک ایسی سڑک پر واقع ہے۔ جو ہمدان سے زنجان کی طرف جاتی ہے" (انسائکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص ۵۰۴)

آپ نے ظاہری و باطنی تعلیم اپنے عم محترم اور شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوالنجیب سہروردی علیہ الرحمہ سے حاصل فرمائی۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ ابوالفتوح الطائی متوفی ۵۵۵ھ حضرت حافظ مظفر بن احمد شبلی محدث عراقی، حضرت ابواحمد معمر بن عبدالواحد قرشی، حضرت ابوالفتح محمد بن عبدالباقی، حضرت ابوزرعہ طاہر بن محمد مقدسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ فقہ کی تعلیم شیخ ابوالقاسم یحیٰی بن علی بغدادی سے وصول کی۔

حضور غوث اعظم کی بارگاہ میں:

آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے عالم شباب میں علم کلام میں مصروف رہتا تھا اور اس فن کی بہت سی کتابیں بھی میں نے ازبر کر لی تھیں۔ میرے عم بزرگوار حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی علیہ الرحمہ علم کلام میں بکثرت مشغول ہونے سے منع فرماتے تھے۔ آخر ایک روز وہ مجھے حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شاہ جیلانی قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ اور حاضر ہو کر عرض کیا۔ بندہ نواز یہ میرا بھتیجا ہے۔ اور ہمیشہ علم کلام میں مشغول رہتا ہے۔ میں نے اس کو اس کے پڑھنے سے کئی بار منع کیا ہے۔ ان کے عرض کرنے پر حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ اس فن کی تم نے کون کون سی کتاب پڑھی ہے۔ میں نے کتابوں کے نام بتائے تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا جس سے مجھے ان کتابوں میں سے کسی کا ایک بھی کوئی لفظ یاد نہ رہا۔ اور میرے دل سے اس علم کے تمام مسائل نسیاً منسیاً ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینے میں علم لدنی بھر دیا۔ اور جب میں آپ کے آستانہ عالیہ سے واپس ہوا تو علم و حکمت اور علم لدنی میری زبان پر تھا۔ نیز آپ نے فرمایا

انت آخر المشھو رین فی العراق تم عراق کے متاخرین میں سے

شہرہ آفاق شخصیت ہو گے (نفحات الانس ص ۴۵۷)

حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ آپ نے حضرت مولانا روم کے والد ماجد حضرت شیخ بہاؤالدین محمد بلخی کے ساتھ ۶۱۰ھ میں ملاقات کی۔ اور اپنی خانقاہ میں ٹھہرنے کی دعوت دی مگر وہ مدرسہ مستنصریہ میں قیام فرما ہوئے۔ (مناقب العافین ص ۱۴)

آپ خلیفہ ابوجعفر منصور بن الظاہر کے دور خلافت میں قونیہ تشریف لائے۔ ان دنوں حضرت مولانا روم کی تعلیم و تربیت کے لیے حضرت خواجہ سید سروران برہان الدین تبریزی وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان کی زیارت بھی کی۔

حضرت شیخ الشیوخ خلیفہ وقت کی طرف سے سفارت کے فرائض بھی سر انجام دیتے رہے۔ خلیفہ الناصر نے آپ کو سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ سلطان خوارزم شاہ تیس لاکھ سواروں کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا، وہ آپ کی تقریر سے متاثر ہوا مگر حملہ سے باز نہ آیا۔ آخر آپ کی کرامت کا ظہور ہوا کہ عقبہ حلوان کے قریب برف باری اور شدید سردی کی وجہ سے اس کا سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا اور وہ ناکام واپس چلا گیا۔ یہ ۶۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ ۶۱۸ھ کو خلیفہ الناصر نے آپ کو حلب میں سفیر بنا کر بھیجا۔ وہاں قاضی ابن شداد کے ساتھ آپ کی محفلیں خوب گرم رہیں۔ وہاں آپ نے مقامی افراد کو اپنی روحانیت اور مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا، (وفیات الاعیان جلد ا ص ۴۱۵)

آپ خلیفہ کی طرف سے حاکم روم سلطان علاؤالدین کیقباد کے دربار میں تین مرتبہ سفیر بن کر گئے۔ سلطان نے آپ کے استقبال کے لیے علماء و مشائخ اور امراء کو قونیہ سے باہر بھیجا اور بعد میں شاہی محل میں آپ کی دعوت خاص کا اہتمام کیا۔

حضرت شیخ نے سلطان کو خلعت خلافت اور عمامہ فضیلت سے سرفراز کیا۔ جب آپ رخصت ہوئے تو سلطان نے آپ کو ایک لاکھ زر نقد پانچ ہزار دینار سلطانی اور پانچ سو پچاس مثقال طلائے مضروب بطور نذرانہ پیش کیئے۔ (سلجوق نامہ ص ۹۴)

حضرت شیخ نے شاندار زندگی بسر کی۔ بے شمار مرید ہوئے۔ نامور خلفاء کرام نے آپ کے فیض کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا۔ ہندوستان میں شیخ الاسلام خواجہ بہاوالدین زکریا ملتانی۔ اور شیخ حمید الدین ناگوری نے ایک عالم کو ہدایت کا راستہ دکھایا پھر ان کے خلفا کرام، ایک سلسلہ ذہب ہے جو آج تک جاری و ساری ہے۔ حضرت خواجہ صدر الدین ملتانی، حضرت خواجہ رکن عالم ملتانی، حضرت خواجہ مخدوم جہاں گشت، حضرت سید جلال الدین بخاری اسی دریائے سہرورد سے سیراب ہوئے اور لاکھوں انسانوں کو سیراب کیا۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہیں۔ اس ''بلبل شیراز'' کے لب ولہجہ میں حضرت شیخ کی مٹھاس اثر پزیر ہے۔ شیخ نجیب الدین شیرازی، شیخ ظہیر الدین محمود، اور حضرت شیخ محمد یمنی بھی آپ سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔

ان خلفاء کرام کے علاوہ تلامذہ حدیث نے بھی آپ کا نام خوب روشن کیا۔ چند حضرات کے اسماء گرامی درجہ ذیل ہیں۔

☆......حضرت ابو عبداللہ محمد بن سعید مورخ عراق ☆......محمد بن یوسف البرزانی محدث شام۔ ☆...... محمد بن محمود بغدادی ☆......قطب الدین محمد بن احمد قسطلانی ☆......ابوبکر محمد بن عبدالغنی محدث عراق۔

حضرت شیخ آخری عمر میں معذور ہو گئے تھے۔ آپ کی بصارت بھی زائل ہو

گئی تھی۔ لیکن سلسلہ فیض میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ آپ نے ۱۲ محرم الحرام ۶۳۲ھ کو وصال فرمایا اور وردیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ یہ قبرستان باب الظفر کے پاس تھا جہاں بزرگ حضرات کو دفن کیا جاتا تھا۔ امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہ قبرستان ختم ہو گیا مگر حضرت الشیخ کا مزار ہنوز باقی ہے۔ آپ کی اولاد میں سے بہت قابل لوگ پیدا ہوئے۔ حیدر آباد دکن کے خاندان آصفیہ کے ننھیال آپ کی نسل سے تھے۔ ذیل میں آپ کی سیرت و کردار کی چند جھلکیاں مشاہدہ فرمائیں۔

علم وحکمت کا مینار:

حضرت شیخ کی ذات علم وحکمت کا مینار تھی۔ آپ کو قرآن وحدیث اور کلام وتصوف پر یکساں عبور حاصل تھا۔ حضرت غوث اعظمؒ کے دست مبارک نے آپ کے سینہ اقدس کو علوم ومعارف سے مالا مال کر دیا۔

آپ کی تصانیف آپ کے علم وحکمت پر گواہ ہیں۔ ان تصانیف میں عوارف المعارف ایک زندہ جاوید کتاب ہے۔ جو اولیاء کرام کی محفلوں کی زینت رہی اور نصاف تصوف کا اہم ستون قرار دی گئی۔ اس کے علاوہ بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن۔ اعلام الھدیٰ وعقیدۃ ارباب التقی۔ جذب القلوب الیٰ مواصلۃ المحبوب۔ کتاب الوصایا۔ الرحیق المختوم لذوی العقول والمفھوم۔ صفوۃ الصوفیہ فی آداب المریدین۔ مقامات العارفین۔ رسالہ فی اعتقاد الحکماء۔ اسرار العارفین وسیر الطالبین۔ کتاب الاوراد۔ رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ۔ جیسی کتابیں آپ کا نتیجہ فکر ہیں۔ یہ کتابیں مختلف مقامات پر مخطوطوں کی صورت میں موجود ہیں۔ اسرار العارفین اور کتاب الاوراد شائع ہو چکی ہیں۔ جذب القلوب بھی شام میں چھپ چکی ہے۔

(تحقیق پروفیسر رشید احمد ارشد مقدمہ عوارف)

مشہور مستشرق بروکمان نے اپنی کتاب تاریخ ادبیات عرب میں حضرت شیخ کی اکیس تصانیف کا پتہ چلایا ہے۔ آپ اپنے علم و حکمت کی بدولت نہ صرف ظاہری علماء کرام اور باطنی مشائخ عظام کے درمیان مقبول تھے بلکہ امراء و خلفاء وقت بھی آپ کا از حد احترام کرتے تھے، آپ شافعی المسلک تھے مگر اپنی وسعت فکر و نظر کی وجہ سے مجتہدانہ شان کے مالک تھے، کلام میں امام ابوالحسن اشعری کے مقلد تھے۔ آپ کو عربی و فارسی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ دونوں میں بڑے خوبصورت اشعار کہتے تھے۔

زہد و ریاضت کا شہسوار:

حضرت شیخ نے خلیج فارس کے جزیرہ عبادان میں گوشہ نشینی اختیار کی، جہاں آپ تنہائی میں عرصہ دراز تک ذکر و فکر و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ اسی مقام پر ابدال کی صحبت بھی میسر ہوئی۔ آپ نے متعدد حج بھی کیے۔ کئی سال تک خانہ کعبہ میں رہے۔ آخر کار روحانی مجاہدات اور سفر سے فارغ ہو کر بغداد واپس آ گئے (مقدمہ عوارف، ص ۱۲)

جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو دور دراز کے علاقوں سے طالبان حق نے آپ کی بارگاہ قدس تک رسائی حاصل کی اور روحوں کی پیاس بجھائی۔ آپ کا انداز وعظ و نصیحت بہت مقبول اور مؤثر تھا، بے شمار لوگوں کو آپ کے دم قدم سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ آپ کے ذریعے منازل سلوک طے کر کے مقام ولایت پر فائز ہوئے۔

سخاوت کا بحر بے کنار:

حضرت شیخ کی سخاوت عام تھی۔ اپنے سفارتی تعلقات کی بنا پر امراء خلفاء کی طرف سے آپ کو بہت سے نذرانے موصول ہوتے

تھے۔مگر تمام آمدنی راہ خدا میں قربان کر دیتے تھے۔راحت القلوب میں حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے یہ اپنے قیام بغداد کے ذکر میں فرمایا ہے کہ شیخ الشیوخ کی خانقاہ میں کم وبیش ایک ہزار دینار آیا کرتے تھے اور یہ ساری رقم اسی روز راہ خدا میں صرف ہو جاتی تھی، رات ہونے تک ان میں سے ایک حبہ باقی نہیں رہتا تھا۔'' وصال کے وقت آپ کے پاس چھ دینار تھے۔وہ کفن پر خرچ ہو گئے۔آپ نے اہل وعیال کیلئے کوئی چیز نہ چھوڑی۔

فراست وجرأت کا شہکار:

حضرت شیخ فراست کا شہکار تھے۔اس کے ثبوت کیلئے مندرجہ ذیل واقعہ دیکھئے:

''دوسری مرتبہ خلیفہ الظاہر ابو نصر محمد بن الناصر کی تخت نشینی کے موقع پر آپ روم تشریف لائے۔اس وقت سلطان مصروف سیر وشکار تھا۔مولانا روم کے والد ماجد مولانا بہاؤالدین بلخی بھی سلطان کے ساتھ تھے۔اس وقت آپ نے خلیفہ کا فرمان سلطان کے سامنے پیش کیا۔اسی رات سلطان نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ اسکا سر سونے کا، منہ چاندی کا، پیٹ پیتل کا ہے۔نیز دونوں رانیں سیسے کی اور دونوں پاؤں رانگ کے ہو گئے۔صبح جب حضرت شیخ الشیوخ، مولانا بہاؤالدین بلخی کے ساتھ شاہی محل میں گئے تو سلطان کی فرمائش پر آپ نے اس خواب کی تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان کی زندگی میں ان کی رعایا سونے کی طرح خوش حالی اور شان وشوکت سے رہے گی۔ان کے فرزند کے عہد حکومت میں ان کا حال چاندی کی طرح ہو جائے گا مگر جب ان کا پوتا حکومت کرے گا تو رعایا کی اخلاقی اور مالی حالت کی قدر وقیمت پیتل کی طرح گھٹ جائے گی۔اور رعایا کمزور اور پست ہمت ہو جائے گی۔تیسری پشت میں

رعایا کے اخلاق بالکل گر جائیں گے۔ اور امن وامان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ چوتھی اور پانچویں پشت میں ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔ سلجوقی خاندان کی حکومت ختم ہو جائے گی اور مفسد لوگ اس ملک پر قابض ہو جائیں گے، بادشاہ آپ کی صحیح تعبیر سن کر آپ کی صداقت اور بے باکی سے بہت متاثر ہوا اور دعائے خیر کا طالب ہوا۔ آخر میں اس نے عزت واحترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔ (مناقب العارفین، ص ۴۹)

شریعت کا علم دار:

حضرت شیخ شریعت وسنت کے بہت عظیم علم دار تھے۔ مشہور روایت ہے کہ آپ اور حضرت شیخ ابن عربی علیہ الرحمہ کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر گفتگو نہ کی۔ لوگوں نے آپ سے شیخ ابن عربی علیہ الرحمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ''وہ حقائق کا سمندر ہے'' اور شیخ ابن عربی علیہ الرحمہ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، ''شیخ سہروردی کی پیشانی میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی متابعت کا نور ایک عجیب چیز ہے''۔ (مرأة الجنان، جلد ۴، ص ۱۰۱)

ملفوظات

☆☆☆

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا کلام مبارک نہایت اثر آفرین اور دلآویز ہے۔ ذیل میں ہم ان کی کتاب عوارف المعارف سے چند کلمات رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

☆...... فرمایا: اولیاء اللہ جسم کے ساتھ دنیا میں موجود ہیں مگر ان کے دل اس عالم

حادث سے جدا ہیں۔ ان کی روحیں عرش کے چاروں طرف طواف کر رہی ہیں۔

☆......فرمایا: صوفی اپنے زہد و تقویٰ اور دنیا سے کنارہ کشی کی وجہ سے ہر آیت سے واقف ہوتا ہے۔

☆......فرمایا: آیت **تقلبک فی الساجدین** سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے آبا کرام یعنی انبیا اہل سجود تھے۔ آپ کا ذرہ مبارک ان کے اصلاب میں منتقل ہوتا رہتا تھا۔

☆......فرمایا: علم فرض بھی ہے، فضیلت بھی ہے۔

☆......فرمایا: اگر عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ عالم نہیں ہے۔ لہذا اس کی چرب زبانی، طویل بیانی، مہارت فن اور قوت مناظرہ و مجادلہ کے فریب میں نہیں آنا چاہئے کیونکہ وہ جاہل ہے۔

☆......فرمایا: سچے طالب حقیقت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے استقامت کا مطالعہ کرے کیونکہ اس کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے۔

☆......فرمایا: تقویٰ کی صفائی اور کمال زہد سے بندہ علم میں راسخ ہو جاتا ہے۔

☆......فرمایا: یقین علم سے افضل ہے کیونکہ یہ عمل کا سب سے بڑا محرک ہے۔

☆......فرمایا: صرف صوفیہ کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سنت کو زندہ کیا۔

☆......فرمایا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ پیروی کریں گے وہ خدا کی محبت سے سب سے زیادہ بہرہ ور ہوں گے۔

☆......فرمایا: صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا ہے۔

☆......فرمایا: جو شخص صوفیہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا محرک محبت ہی کا جذبہ ہوتا ہے، لہذا اس کا شمار بھی انہی میں ہوگا، خواہ وہ ان جیسے کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہو کیونکہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

☆......فرمایا: صوفیہ کا ہم نشین، ان سے مشابہت و محبت رکھنے والا نامراد اور بد نصیب نہیں رہ سکتا۔

☆......فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ حالات مخالف ہوں مگر آدمی صلہ اور نمود کے بغیر اطاعت میں مشغول رہے۔

☆......فرمایا: شیخ اپنے مرید میں خدائی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ اسے اتباع رسول کے راستے پر لگا دیتا ہے۔

☆......فرمایا: ہم بایزید اور منصور حلاج کے بارے میں تصور نہیں کر سکتے کہ انہوں نے ''انا الحق'' یا ''سبحانی'' کے کلمات اپنے بارے میں کہے ہوں۔ بجز اس کے کہ انہوں نے خدا کا قول نقل کیا ہو۔

☆☆☆


قرن ہشتم
حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ

☆☆☆

حالات وآثار:

ملک ہندوستان کے طول وعرض میں ظاہری طور پر سلاطین دہلی کی حکومت تھی اور باطنی طور پر مشائخ کے سلطان، اولیا کے مقتدا، اللہ کے محبوب حضرت خواجہ نظام الدین چشتی فریدی کا اقتدار قائم تھا۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی بخاری ہے۔ والدین یعنی دونوں کی طرف سے حسینی سید ہیں والدین سے لیکر آپ کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں کیساتھ حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ دونوں طرف کے تمام واسطے اسلام کے عظیم فرزند تھے۔ جونہی زبان پر سلطان المشائخ، سلطان اولیا، شیخ الہند، محبوب الٰہی، خواجہ نظام کے القاب آئیں فوراً تصور میں آپ کا اسم گرامی اجاگر ہو جاتا ہے۔ حضور فرید العالم حضرت شیخ گنج شکر علیہ الرحمہ آپ کو "بابا نظام" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نظام اولیا، عارف اطوار بھی آپ کے لقب ہیں۔

آپ کے خاندان کے افراد بخارا کے رہنے والے تھے۔ (سیر الاولیا۔ ص۹۴) آپ کے دادا محترم حضرت سید علی بخاری اور نانا محترم حضرت سید عرب بخاری ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔ بعد ازاں ہندوستان کے نہایت مردم خیز

علاقہ بدایوں میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں بدایوں اہل علم و معرفت کا عظیم مرکز تھا۔ آپ کے والد گرامی سید احمد بخاری مادر زاد ولی تھے اور انہوں نے سند ارادت وخلافت اپنے والد گرامی سید علی بخاری سے حاصل کی۔ وہ کچھ عرصہ قضا کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ پھر دنیا چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا زہد و تقویٰ، علم و فضل اور صبر و ہمت میں اپنی مثال آپ تھیں۔

حضرت نظام پاک رضی اللہ عنہ ۶۳۶ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مہربان ماں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر تمام تر توجہات صرف کر دیں۔ آپ نے مولانا شادی مقربی سے ایک پارہ پڑھا پھر اسکی برکت سے سارا قرآن پاک پڑھ لیا، پھر دوسری کتابوں کی تدریس شروع ہوئی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''قدوری شریف'' مولانا علاالدین اصولی سے پڑھی اور انہوں نے علماء و مشائخ کی موجودگی میں آپ کو دستار فضیلت سے نوازا۔ مولانا شمس الدین خوارزمی سے کتاب ''مقامات حریری'' حفظ کی۔ مولانا کمال الدین دہلوی سے مشارق الانوار کا درس مکمل فرمایا۔ باقی تعلیم و تربیت شیخ یگانہ، فرید العصر حضرت خواجہ فرید الدین مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت عالی اجودھن پاکپتن شریف میں حاضر ہو کر حاصل کی۔ آپ نے عوارف المعارف کے پانچ باب حضرت فرید پاک سے پڑھے۔ تمام تمہید المھتدی بھی مرشد گرامی سے پڑھی۔ آپ نے علوم ظاہری میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اہل علم و فضل آپکو ''نظام الدین بحاث'' اور ''مرد محفل شکن'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

بارگاہ شیخ میں مقام:

علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے بعد آپ بدایوں

سے عروس البلاد دہلی میں تشریف لے آئے۔ والدہ ماجدہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ دہلی میں آپ نے اپنے مرشد گرامی کے برادر اصغر حضرت خواجہ نجیب الدین متوکل کی صحبت اختیار کی۔ آپ کا مکان ان کے پڑوس میں تھا۔ آپ کے گھر عسرت کا دور دورہ تھا، ایک دن انہوں نے حضرت خواجہ متوکل کی بارگاہ میں عرض کی کہ دعا کریں میں کسی علاقے کا قاضی بن جاؤں، آپ نے فرمایا ''بابا نظام قاضی مشو، چیز دیگر شو، قاضی نہ بن، کوئی اور چیز بن'' مزید فرمایا تم میرے برادر اکبر اور شیخ طریقت حضرت فرید پاک کی زیارت کرو۔ وہ اپنے نور سے تاریک دلوں کو روشن کرتے ہیں۔ آپ نے فرید پاک کی تعریف سنی اور دل کی دولت ان کے نام لگا دی۔ اور شوق محبت کے غلبہ سے بے اختیار فرید، فرید پکارتے اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ آگے منزل بھی اس ''مسافر محبت'' کی منتظر تھی۔ شیخ نے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

آپ خود فرماتے ہیں کہ حضرت فرید پاک کی ہیبت کے آثار میرے اندر پیدا ہوئے، آپ نے مجھ سے فرمایا ''مرحبا! خوب آئے، انشاءاللہ دین اور دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے۔

آپ کی عمر مبارک بیس سال تھی جب شیخ نے آپ کو حلقہ ارادت میں شامل فرما کر اپنی خاص الخاص ٹوپی مبارک، خرقہ مبارک، نعلین مبارک، مصلیٰ مبارک جیسے تبرکات عطا فرمائے۔ آپ نے فرید پاک کی خدمت میں سات ماہ اور کچھ دن رہ کر روحانی فیوضات اور باطنی کمالات میں درجہ کمال حاصل کیا۔ اور پھر فرمان شیخ کے مطابق دہلی میں تشریف لا کر عالم اسلام کے امام بن گئے۔

حضرت فرید کو اپنے ''نظام بابا'' سے از حد محبت تھی، اس محبت کا اظہار اس

دعا سے ہوتا ہے ''اے پروردگار میں تہہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ نظام الدین جو کچھ بھی تجھ سے مانگے اس کو عطا فرمایا کر۔'' حضرت فرید نے ان کی بلند بختی کی دعا بھی فرمائی۔ یہ شیخ کامل کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اب بھی اس مستجاب الدعوات بزرگ کی بارگاہ سے کوئی خالی نہیں لوٹتا۔ آپ کو بھی اپنے شیخ کامل سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ کسی کی زبان سے کسی محبوب کی تعریف سنتے تو اپنے شیخ کی یاد تازی ہو جاتی۔ آپ ایک مرتبہ ایک خاص رنگ کے کتے کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے کہ ایسے رنگ کا کتا انہوں نے دیار فرید میں دیکھا تھا۔

نہنگ دریائے وحدت:

حضرت نظام پاک جہد و ریاضت اور فکر و عبادت میں یگانہ روزگار ہوئے۔ شیخ کی نصیحت کو دامن دل سے باندھ کر رکھا کہ '' نظام الدین استعداد کے حصول کے برابر مجاہدہ کرتے رہو'' آپ نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ اہل معرفت آپ کو'' نہنگ دریائے وحدت، پتنگ بیدائے محبت، ملک الاتقیا کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ (بزم صوفیہ، ص ۲۱۱) آپ کے زہد و تقویٰ کی بنا پر حضرت خواجہ رکن عالم ملتانی علیہ الرحمہ جیسے عظیم لوگ آپ کا از حد احترام فرماتے تھے اور آپ بھی ان کا استقبال دہلی سے باہر نکل کر کرتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے کدورت رکھتا تھا، ایک مرتبہ وہ بنگال سے آ رہا تھا اور اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرے آنے تک آپ دہلی سے چلے جائیں۔ آپ نے جواباً فرمایا'' ہنوز دہلی دور است'' ابھی دہلی دور ہے۔ چنانچہ وہ راستہ میں مر گیا۔ حضرت خواجہ کو دہلی سے کیا نکالنا تھا خود دنیا سے ہی نکل گیا۔ (تاریخ فرشتہ، ص ۲۹۸) آپ کی زبان سے نکلنے والا یہ جملہ بھی ضرب المثل بن گیا، ظاہر ہے محبوبوں کے الفاظ بھی محبوب ہو جاتے ہیں۔

حضرت نظام پاک پر محبت کا رنگ بہت غالب تھا۔حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، کے ایک مکاشفہ میں ہے کہ انہوں نے آپ کو نہایت ''ادائے دلبری'' کی حالت میں مشاہدہ کیا۔گویا مزار اقدس میں بھی رنگ محبت پوری طرح جلوہ گر ہے۔

دست فیض کی جولانیاں:

حضرت نظام پاک خواجہ غریب نواز کے نائب کامل تھے،غرباء و مساکین کی پرورش فرماتے، جو چیزیں خانقاہ میں آتی تھیں شام تک تقسیم ہو جاتی تھیں۔آپ نصف تنکہ بھی اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔تقسیم دولت کے بعد آرام کے ساتھ نماز پڑھنے تشریف لے جاتے۔آپ کی بارگاہ میں شاہ و گدا، شہری اور پردیسی، صالح و گنہگار میں کوئی تفریق نہیں تھی۔سب ایک صف میں بیٹھتے اور ''نظام وحدت'' کا فیض حاصل کرتے تھے۔آپ نے لوگوں کو کھانا باندھ کر ساتھ لے جانے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔حضرت خواجہ چراغ دہلوی کا بیان ہے:

> ''صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی،عشاء کی نماز کے بعد بھی لنگر کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا۔مانگنے والوں کی تعداد نذر دینے والوں سے زیادہ ہوتی تھی۔جو کوئی نذر لیکر آتا آپ اسے کچھ نہ کچھ عطا بھی فرماتے۔'' (خیر المجالس،ص ۲۵۷)

آپ کے دستر خوان کا نظم و ضبط بہت درست ہوتا۔آپ سب کو محبت کی نظر سے دیکھتے،سب کا احترام فرماتے تھے۔آپ کتنے مہربان تھے،حضرت امیر حسن فرماتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی،سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپ نے سایہ

میں بیٹھنے والوں سے فرمایا، بھائیو! ذرا مل جل کر بیٹھ جاؤ! تا کہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ بن جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔

آپ بہت ہمدرد، غمگسار، شفیق، غریب پرور انسان تھے۔ آپ کی تعلیم میں لوگوں کا دل خوش رکھنا یہ افضل ترین عمل ہے۔ ایک بار غیاث پورہ میں آگ لگ گئی، آپ مکان کی چھت پر اس کے سرد ہونے تک کھڑے رہے۔ اور مخلوق خدا کی تکلیف پر پریشان ہوتے رہے۔ بعد میں ہر متاثرہ خاندان کو دو چاندی کے تنکے، دو روٹیاں اور پانی کی صراحی ارسال کی۔ آپ کے غلام خاص خواجہ اقبال ہر گھر میں حضرت خواجہ کا یہ تحفہ لیکر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے۔ وہ دو تنکے اتنی مالیت رکھتے تھے کہ جلے ہوئے مکانوں کی مرمت ہوسکتی تھی۔

قرآن سے محبت:

حضرت نظام پاک کو مرشد گرامی نے وصیت فرمائی تھی کہ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتے رہنا۔ آپ کے وظائف میں تلاوت قرآن پاک کو اولین مقام حاصل ہے۔ آپ خوش الحان حافظ خواجہ محمد سے قرآن پاک سنتے اور آپ پر رقت وذوق کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ (سیر الاولیا، ص ۲۰۰) آپ لوگوں کو حفظ قرآن کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔

وصال مبارک:

آپ چار ماہ تک علیل رہے۔ اٹھارہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بدھ طلوع آفتاب کے بعد وصال فرمایا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت خواجہ شاہ رکن عالم ملتانی نے پڑھائی، آپکا مزار غیاث پورہ دہلی میں مرجع خاص و عام ہے۔

ملفوظات

......☆......

آپ کے ملفوظات کو فوائد الفواد کے نام سے مشہور شاعر امیر حسن سنجری نے جمع فرمایا ہے۔ اس مجموعے کو حضرت نظام پاک نے بہت پسند فرمایا۔ یہ مجموعہ بہت معروف ہے اور اہل تصوف کے نصاب میں شامل ہے۔ اس مجموعے کے بارے میں حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں: کاش میری تمام کتابیں خواجہ میر حسن کے نام ہو جائیں اور اس کے بدلے وہ فوائد الفواد میرے نام لگا دیں۔ یہ ملفوظات نہایت مستند اور معتبر ہیں۔ چند جواہر پارے پیش خدمت ہیں:۔

☆......اخلاقی زندگی کے لئے انسانی کوشش ضروری ہے۔

☆......اخلاق کی بنیاد خدمت خلق پر ہے۔

☆......راہ تصوف صدق وصفائی کا راستہ ہے۔

☆......خلق کو کھانا کھلانا نیک کام ہے۔

☆......سخی وہ ہے جو زکوۃ سے زیادہ دے، جواد وہ ہے جو بہت زیادہ دے۔

☆......ایک آدمی ظلم کرے اور دوسرا تحمل سے برداشت کرے تو برتری اس کو ہے۔ جو تحمل کا مظاہرہ کرتا ہو۔

☆......ترک ماسوا اللہ ایک راز ہے۔

☆......دین بیچنا یہ ہے کہ درویش پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور امراء کے گھر مانگنے کے لئے جائے۔

☆...... کرامت کا دعویٰ کر کے خود کو اس کے ذریعے مشہور کرنا بے معنی بات ہے۔ اولیا پر کرامت کو چھپانا فرض ہے۔ فرض کو توڑنا نہیں چاہئے۔

☆...... قوالی جائز ہے، مزامیر حرام ہے۔

فیوضات و اثرات

......☆......

آٹھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت خواجہ سلطان المشائخ کے فیوضات و اثرات سے تمام عالم اسلام مستفید ہوا۔ آپ کے عظیم خلفاء کرام حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت خواجہ میر خسرو نے آپ کی تعلیمات کو عام کیا۔ بعد میں آنے والے حضرت گیسو دراز جیسے مشائخ آپ کے فیض کا بہتا ہوا دریا ثابت ہوئے۔

آپ کا روحانی اقتدار عوام و خواص کے دلوں پر یکساں طاری تھا۔ سلطان علاالدین خلجی جیسا مضبوط بادشاہ اور اسکے درباری امراءؒ و وزراء آپ کے اشارہ پر عمل کرتے تھے۔ آپ کے مرید خاص حضرت امیر خسرو لسان الہند مختلف بادشاہوں کے دربار میں کام کرتے رہے۔ گویا وہ آپ کے نمائندہ تھے۔ اس طرح آپ نے سیاست ہند پر گہرے اثرات ثبت فرمائے۔ آپ کی خانقاہ میں دور دراز سے لوگ آتے اور فیض حاصل کر کے دور دراز کے علاقوں میں پھیلاتے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی اشاعت میں حضرت خواجہ اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب دہلوی اور حضرت خواجہ فرید نے اہم کردار ادا کیا اور حضرت نظام پاک نے مسلمانوں کی تربیت، اسلام کے رسوخ، اور اس کے نفاذ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ شاید آپ کو دارالحکومت دہلی میں متعین کرنے کا مقصد وحید بھی یہی تھا کہ اعیان

سلطنت اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان کا اثر ونفوذ عوام کی طبائع میں ظاہر ہو جائے۔ یہ تاریخ کا قاعدہ ہے، الناس علی دین ملوکھم، لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ حضرت نظام پاک نے اپنی بصیرت وفراست سے سلاطین دہلی کے دل و دماغ کو بھی درست رکھا۔ اور لوگوں کے اخلاق و کردار کی بھی آبیاری فرمائی، آپ کے فیوضات و اثرات کا سلسلہ آج بھی سلاسل اولیا میں برقرار ہے۔ بالخصوص حضرت کلیم، حضرت فخر دہلوی اور ان کی خلفاء، حضرت نور محمد مہاروی اور ان کے خلفاء حضرت شاہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، حضرت پیر سیال لجپال اور ان کے خلفاء، حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی گولڑوی اور ان کے خلفاء سب ''جام نظام'' کے بادہ خوار ہیں اور ایک جہان معرفت کو سرشار کر رہے ہیں۔

......☆☆......


قرن نهم

امام الحافظ جلال الدین سیوطی قدس سرہ القوی

☆☆☆

عباسی خلافت اپنے زوال وانحطاط کی گہرائیوں میں کراہ رہی تھی۔ فتنہ تاتار کے بعد اس کے تمام کس بل نکل چکے تھے۔ اور اب وسیع وعریض عالم اسلام پر مختلف نسلیں حکومت کررہی تھیں۔ حضرت امام السیوطی کا دور علم وفضل ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء تا ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء کے عرصے پر محیط ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر خلافت عباسیہ کا وارث مستکفی باللہ تھا۔ جو بہت سی شخصی خوبیوں کا مالک تھا۔ صالح، دیندار، عبادت گزار، قاری قرآن، خاموش صفت، چشم پوش اور نیک سیرت خلیفہ تھا (تاریخ الخلفاء ص ۴۶۸) شام میں سلطان ملک الظاہر کی حکومت تھی جو خلیفہ وقت کا بہت احترام کرتا تھا، حضرت امام السیوطی نے خلیفہ وقت کے کاشانہ خلافت میں پرورش پائی خود فرماتے ہیں:

"میں جلال الدین سیوطی نے مستکفی باللہ کے گھر پرورش پائی، اس کی برتری اور اولاد کا خیر خواہ ہوں، اسکی اولاد بھی بہتر اور نیک سیرت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز سے زیادہ مستکفی کا خاندان عبادت گزار ہے اور مستکفی بھی اسلام اور انصاف کا مجسمہ اور حقوق الٰہی ورعایا کا پابند ہے" (ایضاً

ص ۴۶۸)

مستکفی باللہ کے بعد القائم بامر اللہ ۸۵۷ھ تا ۸۶۳ھ، خلیفہ بنا جس کے عہد میں حضرت امام کے والد بزرگوار ابوبکر کمال الدین نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد مستنجد باللہ، متوفی ۸۸۴ھ، متوکل علی اللہ متوفی ۹۰۳ھ نے حکومت کی۔ حضرت امام نے اپنے ان معاصر خلفا کی مجموعی طور پر تعریف بیان کی ہے۔

ترکی میں سلاطینِ عثمانیہ کے عروج و عظمت کا دور تھا، حضرت امام کی ولادت کے وقت مراد ثانی ۱۴۲۱ء تا ۱۴۵۱ء کی حکومت تھی۔ بایزید یلدرم کی وفات اور میر تیمور کی ترک و تاز کی وجہ سے جو ترک سلطنت میں نشیب و فراز آئے تھے، سلطان مراد ثانی نے انہیں ہموار کرنے میں بہت محنت کی۔ اس کے وصال کے بعد اس کا ۲۱ سالہ فرزند محمد دوم المعروف سلطان محمد فاتح ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء دولتِ عثمانی کا وارث بنا جس نے اسلام کی عظمت و سطوت کے پرچم لہرا دیئے۔ اسی کے دورِ مسعود میں قسطنطنیہ کا تاریخی شہر مسلمانوں کی ملکیت بنا جو آج استنبول کے نام سے جانا جاتا ہے۔۔ اس کے بعد بایزید ثانی ۱۴۸۱ء تا ۱۵۱۲ء نے حکومت کی۔

ہندوستان پہ خاندانِ سادات کے آخری دن تھے۔ ۱۴۵۱ء میں بادشاہ علا الدین نے بہلول لودھی افغانی کو اقتدار دیا اور خود حکومت سے الگ ہو گیا۔ بہلول لودھی نے ۱۴۸۸ء میں وفات پائی اور خاندانِ لودھی کا عظیم الشان بادشاہ سکندر لودھی ۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۷ء تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں ملکِ ہند کے طول و عرض میں امن و امان قائم ہو گیا۔ (ریاض التاریخ ص ۶۱۰)

ایران اور اس کے متعلقہ علاقوں میں تیموری خاندان کا حکمران الغ بیگ ۱۴۴۸ء تا ۱۴۵۱ء برسرِ اقتدار تھا۔ وہ ذہین اور صاحبِ قول و عمل شہزادہ تھا۔ بہترین

عالم اور علما کا قدر دان تھا۔ اس کی علم نجوم پر کتابیں مشرق و مغرب میں یکساں مقبول ہوئیں۔ اس نے سمرقند میں ایک رصدگاہ تعمیر کی۔ اس کے دور کے بعد تیموری زوال کی پستیوں میں چلے گئے۔

نویں صدی ہجری کا یہ وسطی دورانیہ تہذیب و تمدن کے حوالے سے بھی بہت اہم ہے۔ اس میں حضرت امام السیوطی علیہ الرحمہ جیسی قدر آور علمی و فکری شخصیت کی ضرورت تھی، جس نے اسلامی علوم و فنون کے دریا بہا دیئے اور اپنے فیوضات و اثرات سے صدیوں کو متاثر کیا۔

حالات و کوائف:

حضرت امام السیوطی قدس سرہ، یکم رجب المرجب ۸۴۹ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۴۴۵ء کو قاہرہ، مصر میں پیدا ہوئے، ولادت کے وقت آپ کو شیخ محمد مجذوب کی خدمت میں پیش کیا گیا جو عظیم ولی اللہ تھے، انہوں نے آپ کے حق میں دعا برکت فرمائی۔ آپ کے والد گرامی قدر خلیفہ وقت کے امام الصلوٰۃ تھے، اس لئے آپ کی پرورش شاہی خاندان میں نہایت ناز و نعمت کے ماحول میں ہوئی۔ آپ کا خاندان ایرانی الاصل تھا اور بغداد کا رہنے والا تھا۔ بعد ازاں شہر السیوط میں آباد ہو گیا جس کی نسبت سے انہیں "سیوطی" کہا جانے لگا۔ حضرت امام خود اپنے خاندان کا تعارف کراتے ہیں۔

> "میرے جدا اعلیٰ کا اسم گرامی ہمام الدین ہے، جو طریقت کے مشائخ میں شمار ہوئے۔ میرے بزرگ وجاہت و ریاست کے مالک تھے، ان میں بعض شہر کے حاکم اور بعض حاکم کے مشیر تھے، ان میں سے ایک بزرگ نے شہر سیوط میں ایک

مدرسہ تعمیر فرمایا۔ اور مدرسہ کیلئے اوقاف بھی مقرر کئے مگر میرے والد گرامی نے جس طرح علم کی خدمت کی جیسے اس کا حق ہے، ویسے کسی نے نہ کی، میرا خاندان جو خضر سے منسوب ہے، مجھے معلوم نہیں کہ یہ نسبت کیسی ہے، ہاں اتنا معلوم ہے کہ خضر بغداد کے ایک محلے کا نام تھا'' (حسن المحاضرہ فی الاخبار مصر والقاہرہ جلد اص ۱۹۰)

آپ نے اپنا نسب اسطرح لکھا ہے:

''عبدالرحمٰن المعروف جلال الدین بن الکمال ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر عثمان بن ناظر الدین محمد بن سیف الدین خضر بن نجم الدین بن ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین بن الشیخ ہمام الدین الہمام الخضری السیوطی۔''

آپ کے والد گرامی شیخ ابوبکر کمال الدین متوفی ۸۵۵ھ نے علامۃ الدھر ابن حجر عسقلانی سے علم حاصل کیا اور مدرسہ الشیخو نیہ میں فقہ کے مدرس قائم ہوئے۔ آپ السیوط کے قاضی بھی مقرر ہوئے۔ (البدر الطالع جلد اص ۳۲۸)

علمی وفکری خاندان سے تعلق تھا اسلئے حضرت امام میں طلب علم کا جذبہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ فرمالیا، آپ کے دورانَ حفظ والد ماجد وصال فرماگئے۔ امیر المومنین خلیفہ قائم بامر اللہ نے ان کے جنازے کو کئی بار کندھا دیا اور قبرستان تک جنازے کے ساتھ گئے۔ اب آپ کی تعلیم و تربیت شیخ شہاب الدین اور علامہ ابن ہمام کے سپرد ہوئی۔ آپ نے چھ سال کی عمر میں مدرسہ الشیخو نیہ میں داخلہ لیا اور نہایت محنت وتن دہی کے ساتھ علم کی تحصیل میں

مصروف ہو گئے۔ آپ کا حافظہ بہت شاندار تھا۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں العمدہ اور المنہاج جیسی کتب متداولہ زبانی یاد کر لیں۔ علامہ شہاب الدین شار ساحی متوفی ۸۶۵ھ سے علم الفرائض اور علامہ علم الدین بلقینی متوفی ۸۶۸ھ سے علم الفقہ حاصل کیا، شیخ محی الدین کافیجی متوفی ۸۸۰ھ سے اصول تفسیر و معانی و بیان جبکہ شیخ عبد القادر الانصاری متوفی ۸۸۰ھ سے حدیث و اصول حدیث کا علم سیکھا۔ آپ نے علم الحدیث وقت کے جن نامور محدثین کرام سے حاصل کیا ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے۔ آپ کو امام ابن حجر سے بھی روایت حدیث کی اجازت نصیب ہوئی۔ جیسا کہ انہوں نے خود تصریح فرمائی (طبقات الحفاظ ص ۳۸۱)

۸۶۶ھ کو تقریباً سترہ سال کی عمر میں آپ کو عربی تدریس کی اجازت مل گئی۔ ساتھ ہی آپ نے علمی و تحقیقی کام کا آغاز کیا، سب سے پہلے شرح استعاذ اور شرح بسم اللہ تحریر کی جس پر ان کے استاد گرامی امام بلقینی کا حرفِ تحسین و تقریظ موجود ہے۔ ۸۶۹ھ میں آپ نے حج ادا کیا اور شام، یمن، حجاز، ہندوستان اور دیارِ مغرب کی سیر و سیاحت کی (حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۹۰)۔ ۸۷۱ھ کو افتا کے فرائض بھی سنبھال لئے۔ پہلے آپ مدرسہ الشیخونیہ میں مدرس ہوئے، پھر مدرسہ البیبرسیہ میں، ۹۰۶ھ میں اس مدرسہ سے جزیرہ نیل کے اردختہ میں گوشہ نشین ہوئے اور تادمِ آخر تالیفات و تصنیفات میں مشغول رہے۔

آپ نے دعا کی کہ اللہ کریم مجھے نویں صدی کے فتنوں سے محفوظ رکھے، اور اپنے محبوبِ پاک کے طفیل جوارِ رحمت میں بلا لے، (تاریخ الخلفا، ص ۴۷۷) آپ کی التجا قبول ہوئی اور آپ شب جمعۃ المبارک میں ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء کو فوت ہو گئے۔ ذیل میں ان کے حسنِ کردار اور شانِ اطوار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

وسعتِ علم وفکر:

حضرت امام السیوطی علم وفکر کا بہت بلند اور مضبوط کہسار تھے، علامہ شمس الدین داودی متوفی ۹۴۵ھ نے درست لکھا ہے۔ امام السیوطی علوم وفنون میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے (الکواکب السائرہ جلد ا،ص ۲۲۸)

علامہ محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں کان اعلم اھل زمانہٖ بعلم الحدیث و فنونہٖ رجالاً و غریباً و متناً و سنداً و استنباطاً لاحکام و لقد اخبر عن نفسہٖ انہ، یحفظ ماتی الف حدیث (ریاض التفاسیر،ص ۱۶۲) وہ بیک وقت مدرس، مفسر، محدث، فقیہ، مفتی، ادیب، شاعر، مورخ، لغوی، نحوی سب کچھ تھے۔ اس کے ساتھ مقامِ اجتہاد اور مرتبہ تجدید پر بھی فائز تھے۔ خود فرماتے ہیں:

> ''تفسیر، حدیث فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع مجھے یقین ہے کہ ان سات علوم میں اس مرتبہ پر پہنچا ہوں جس پر میرے اساتذہ میں سے بھی کوئی نہ پہنچا، علم حساب میرے ذہن کیلئے ایک بوجھ ہے اور مجھے اس سے کوئی مناسبت نہیں، البتہ مجھ میں بفضلہٖ تعالیٰ اجتہاد کی تمام شرطیں موجود ہیں۔ (حسن المحاضرہ، جلد ا،ص ۱۹۰)

علم تفسیر میں آپ نے جلالین، درمنثور جیسی کتابیں تحریر کیں، نیز الاتقان کی صورت میں اس فن کا مبسوط و مربوط مقدمہ تحریر کیا جو سدا بہار ہے۔ آپ بہت زُود نویس تھے، تفسیر جلالین نصف اول چالیس دن میں لکھ لی۔ یہ تفسیر بہت متداول اور آسان طرز پر آیاتِ بینات کا مفہوم بیان کرتی ہیں۔ دراصل یہ کتاب آپ کے استاد گرامی امام جلال الدین محلی متوفی ۸۶۴ھ نے شروع کی تھی۔ مگر وہ مکمل نہ کر سکے،

جسے بعد میں آپ نے مکمل کیا۔ مولانا سلام اللہ رامپوری کا حاشیہ الکمالین علی الجلالین نہایت مشہور ہے۔ اس تفسیر کے اختصار وایجاز بیان کا یہ عالم ہے کہ یمن کے کسی عالم نے حاجی خلیفہ سے کہا، کہ تفسیر جلالین اور قرآن کے سورۃ مزمل تک حروف شمار کئے تو دونوں کو برابر پایا۔

اسی طرح تفسیر درمنثور ہے جس کے بارے میں ملا علی قاری کا فرمان ہے۔

شیخ مشائخنا السیوطی ھوا الذی احیا علم التفسیر الماثور فی الدر المنشور۔ یہ تفسیر ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے، الاتقان فی علوم القرآن بڑی معرکۃ الآراء کتاب ہے جس کے بارے میں حضرت امام کا اپنا بیان ملاحظہ کیجئے:

"سات علوم کے سوا معرفت، اصولِ فقہ، علم جدل، تعریف، انشاء، ترسیل اور فرائض، علم قرأت اور طب کو میں نے کسی استاد سے نہیں پڑھا......اب بحمد للہ کہتا ہوں کہ اگر میں چاہتا کہ ایک مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھوں اور اس مسئلہ کے انواع، ادلہ، عقلیہ نقلیہ، اس کے مدارک، اس کے نقوص اور ان کے جوابات اور اختلافِ مذاہب کے درمیان موازنہ کروں تو اس پر بفضلہٖ تعالیٰ مجھے قدرت ہوتی، اس پر مجھے فخر نہیں" (مقدمہ الاتقان)

فرماتے ہیں: مجھے طالب علمی کے زمانے ہی سے اس بات پر بڑی حیرت اور سخت تعجب تھا کہ علمائے متقدمین نے علوم حدیث پر تو بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں لیکن علوم قرآن پر کوئی کتاب نہیں لکھی، اتفاقاً ایک دن اپنے استاد شیخ ابو عبد اللہ کافیجی کی علوم تفسیر پر کتاب دیکھی جو دو بابوں، اول تفسیر و تاویل قرآنی اور

آیات وسور کے معانی پراور دوم تفسیر بالرائے کی شرائط پر مشتمل تھی۔اس رسالہ کو دیکھ کر میری تشنگی کی تسکین نہ ہوئی۔پھر قاضی جلال الدین کی کتاب مواقع العلوم کو دیکھا یہ اس موضع پر قابلِ قدر تصنیف تھی۔اس میں ہرایک نوع کا مختصر بیان تھا جو اتنا ناکافی تھا کہ اضافہ کی ضرورت تھی۔اس پر میں نے التحبیر فی علوم التفسیر لکھی۔گویا اس علم کی ایجاد میں میرا دوسرا رتبہ ہے۔لیکن اس علم کے بکھرے موتیوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے اور تفسیرِ حدیث کے دوفنون کی تقسیم مکمل کرنے میں میرا پہلا رتبہ ہے۔...... میں علامہ زرکشی کی کتاب کا مطالعہ کیا تو بہت مسرت ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی میرے لئے بہت سا کام باقی ہے۔پھر میں نے عظیم اور بے مثال کتاب کو تیار کیا،اور اسکا نام الاتقان فی علوم القرآن رکھا (ملخصاً)

کشف الظنون میں اس کتاب کو حضرت امام کا نمایاں کارنامہ اور سب سے مفید کتاب سمجھا گیا ہے۔اس کتاب میں آپ نے علم تفسیر کے متعلقات ولوازمات پر جس انداز سے بحث کی ہے،آپ کے تبحر علمی کا منہ بولتا شہکار ہے۔آپ کے شاگردِ رشید علامہ زین الدین نے اس فن میں آپ کی ۳۲ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔جن میں چند ایک یہ ہیں:

ترجمان القرآن، الاکلیل فی استنباط التنزیل، لباب المنقول فی اسباب النزول، مفحات القرآن فی مبہمات القرآن، اسرار التنزیل وغیرہ۔

علم الحدیث میں حضرت امام کالوہا سب نے مانا ہے،آپ نے کتاب جمع الجوامع مرتب فرمائی جسمیں موطا، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی کی روایات کو مع دس مسانید کے جمع کیا، اس سے اس کتاب کی ضخامت و جامعیت کا آپ خود اندازہ لگائیں، اس علم میں آپ کی کتاب الازھار المتناثرہ بہت عدیم النظیر ہے جسمیں

ایسی سو احادیث متواترہ کو نقل کیا ہے۔ جس میں سے ہر روایت کو حضورﷺ کے دس صحابہ کرام نے تواتر کے ساتھ بیان کیا تھا۔ پھر آپ نے مسلم شریف کے سوا تمام بخاری شریف، نسائی شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ اور موطا شریف کی شروع رقم فرمائیں۔

علامہ نووی کی کتاب التقریب پر آپ نے زبردست شرح تدویب لکھی جسمیں کتابتِ حدیث کی رخصت وممانعت پر بحث ہے۔ اس فن پر شرح الفیہ بھی ان کی کتاب ہے۔

حضرت امام کو طبقات نگاری پر بھی کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے خلفاء، فقہا، محدثین، نحات، صوفیہ، اطباء، مفسرین پر بہترین معلوماتی کتابیں لکھیں۔

تاریخ الخلفاء کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''میں نے ارادہ کیا کہ ہر قسم کے لوگوں پر علیحدہ علیحدہ کتابیں تالیف کروں، جو سودمند ہوں، قبل ازیں حالاتِ انبیاء لکھی، کوائف صحابہ میں علامہ ابن حجر کی کتاب اصابہ کا خلاصہ کیا۔ حالاتِ مفسرین اور ان کے درجات، سوانح حافظین حدیث، خلاصہ از طبقات ذہبی، حالات نحویین وادباء، لکھے یہ اپنے موضوع کی اولین کتاب ہے، طبقات علم اصول، طبقات اولیاء فرائض وحصص ورثا، حقائق علم بیان، صاحبان انشاء، خطاط، مشہور شعرائے عرب، حالاتِ اعیان امت، قاضیوں کی بابت بھی کتاب تحریر کر چکا ہوں (ملخصاً)

حضرت امام ایک دن میں تین کراستے تالیف فرماتے، اس طرح علامہ

شہاب الدین احمد مکناسی متوفی ۱۰۲۵ھ کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ علامہ عبدالقادر العیدروسی کے مطابق کتابوں کی تعداد چھ سو ہے۔ جبکہ حضرت امام نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں تعداد تین سو بتائی ہے۔ ذیل میں ہم چند مشہور کتابوں کا نام درج کرتے ہیں۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ تفسیر الجلالین۔ لباب النقول۔ تاریخ الخلفاء۔ الخصائص الکبریٰ۔ مجمع البحرین۔ اتمام الدرایہ۔ الاخبار المرویہ۔ الارج فی الفرج۔ اسعاف المبطا فی رجال الموطا۔ الاشباہ والنظائر۔ حسن المحاضرہ۔ لب الالباب فی تحریر الانساب۔ طبقات المفسرین۔ الدرالمنثور۔ البدور السافرہ۔ البعث والنعیم۔ تبییض الصحیفہ۔ تدریب الراوی۔ تنویرالحلک فی امکان رویۃ النبی والملک۔ الدرجات المنیفہ فی الاباء الشریفہ۔ طبقات الحفاظ۔ تحفۃ المجالس۔ مناھل الصفا۔ الفتح الکبیر۔ المزھر فی علوم اللغۃ۔ جمع الجوامع۔ انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء۔ الایضاح فی علم النکاح۔ تزیین الممالک بمناقب الامام مالک۔ الجامع الصغیر فی حدیث البشیر والنذیر۔ ذیل اللآلی۔ سہام الاصابہ، رصف اللآل فی وصف الہلال۔ الرحمۃ فی الطب والحکمۃ۔ التعظیم و المنۃ فی ان ابوی الرسول فی الجنۃ۔ الدررالمنتثرہ۔ السبل الجلیہ فی الاباء العلیہ، الدرالنثیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر۔ اکلیل فی استنباط التنزیل۔ الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج۔ مقامات السیوطی۔ نظم لاقیان۔ الطب النبوی۔ اتنے انواع واقسام کے علوم وفنون پر تاریخ ساز کتابیں آپ کی اعلیٰ قوت حافظہ پر بھی شاہد ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔ کہ مجھے دو لاکھ احادیث مبارکہ یاد ہیں۔ اور اگر ان سے زیادہ ملتیں۔ تو وہ بھی یاد کر لیتا۔ آپ نے الخصائص الکبریٰ کے مقدمہ میں فرمایا۔ معجزات سے متعلق کوئی حدیث ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ ہر نا معلوم۔ نامانوس اور اجنبی حدیث کو بھی میں نے اس میں نقل کر دیا ہے۔ اس سے

آپ کی قوت حافظہ کو داد دینا پڑتی ہے۔ دراصل یہ سب نتیجہ تھا اس دعا کا جو آب زم زم پی کر کی تھی کہ مولا مجھے فقہ میں سراج الدین بلقینی اور حدیث میں ابن حجر عسقلانی کا مقام مل جائے۔ (حسن المحاضرہ)

دولت عشق رسول ﷺ:

حضرت امام کے دامن میں دولت عشق رسول ﷺ کا بیش بہا خزانہ موجود تھا۔ آپ کی تحریروں میں جا بجا اس دولت کے گراں مایہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سچی محبت اظہار چاہتی ہے۔ اور حضرت امام کے کردار میں اس اظہار کا قابل رشک غلبہ ہے۔ آپ نے حضور سرور عالم ﷺ کے فضائل و محاسن اور معجزات و کمالات پر مستقل کتابیں رقم فرمائیں۔ الخصائص الکبریٰ نہایت شاندار کاوش ہے۔ اس کے مقدمہ میں آپ کا انداز نعت دیکھیے۔ ''تمام حمد و ثناء و تعریف اس ذات باری کی جس نے نبی اکرم ﷺ کو آسمان نبوت پر ایک جگمگاتا بدر منیر بنا کر روشن فرمایا۔ اور جس نے نبیوں اور رسولوں کی صف میں ایسا رسول ﷺ مبعوث فرمایا جو آفتاب جہان بن کر ساری دنیا کو روشن کرتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور ایسے نبی ہیں جو نہ کبھی بھٹکے اور نہ کبھی گمراہ ہوئے۔ وہ کبھی اپنی جانب سے گفتگو نہیں فرماتے۔۔۔۔۔۔۔ اللہ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا اور اسے تخلیق کائنات کے وقت زمین و آسمان میں پھیلا دیا۔ شجر و حجر نے آپ کو سلام کیا۔ بکری کے خشک تھنوں سے آپ کے لیے دودھ جاری ہوا۔ درخت کا تنا آپ کے فراق میں زار و قطار رونے لگا۔ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی ابل پڑا۔ آپ کی انگشت سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ مردے زندہ ہو گئے۔ دروازے اور چوکھٹیں ایمان لے آئیں۔ آپ کے اشارہ سے بادل جل تھل برسنے لگے۔''

حضرت امام کا ایک بہت ایمان افروز کارنامہ یہ تھا۔ کہ آپ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سیدنا عبداللہ اور سیدہ طیبہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شان ایمان پر زبردست رسائل تحریر فرمائے۔ اور اس مسئلہ پر متاخرین کی خوب راہنمائی فرمائی۔ یہ بات آپ کے عشق رسول کی نسبت کمال پر گواہ ہے۔ ادھر حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام کرم بھی ملاحظہ کیجئے۔ حضور نے ستر بار عالم بیداری میں انہیں اپنی زیارت سے مشرف فرمایا۔ (علامہ شعرانی نے پچھتر بار لکھا ہے۔ (میزان الکبریٰ ص ۴۴)

آپ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے حضور کے صحابہ کرام اور آل اطہار کا ذکر بہت اچھے انداز سے کرتے۔ فرماتے ہیں۔

''آپ کے آل و اصحاب پر درود و سلام ہوں۔ آپ کے اصحاب ہدایت کے ستارے اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر ہیں اور رحمتوں کے بادل ہیں۔ یہ درود و سلام اس وقت تک ہوتے رہیں۔ جب تک کوئی حدی خواں۔ حدی پڑھتا رہے۔ شعر گنگناتا رہے۔''

دیگر اوصاف مبارکہ

☆☆☆

☆...... حضرت امام بہت زاہد و عابد انسان تھے۔ اخلاص و تقویٰ اور احساس آخرت سے مالا مال تھے۔ شرح الصدور۔ آپ کی مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب کے موضوعات اور ان کے تحت لکھی گئی آیات واحادیث اور حکایات کے انتخاب سے علم ہوتا ہے۔ کہ آپ عالم دنیا نہیں عالم آخرت تھے۔

☆...... آپ نہایت با اصول آدمی تھے۔ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ کا ایک

واقعہ لکھا ہے۔ کہ حضرت امام کو علامہ قسطلانی سے بڑی شکایت تھی کہ انہوں نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں میری کتابوں سے مدد لی ہے۔ اور اس کا اعتراف نہیں کیا یہ بات ایک قسم کی خیانت ہے۔ یہ بات شیخ الاسلام زین الدین ذکریا انصاری تک پہنچ گئی۔ ان کے ہاں امام سیوطی کی بات درست قرار دی گی اور علامہ قسطلانی ملزم ہو کر مجلس سے اٹھے۔ بعد ازاں علامہ قسطلانی ان کے در دولت پہ معزرت کے لیے حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے اندر ہی سے معاف کر دیا۔ مگر ان سے ملاقات نہ فرمائی۔ ملخصاً المحد ثین)

اگر چہ ان کے سوانح نگار اس قسم کے واقعات لکھ کر یہ بتاتے ہیں۔ کہ حضرت امام میں تمام تر خوبیوں کے باوجود انکسار کم تھا۔ لیکن ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں۔ کہ حضرت امام اصول پسند تھے۔ جس کے حوالے سے بات لکھی جائے اس کا نام آنا چاہیے۔ یہ ایک اصول ہے۔ اور آپ اس پر سختی سے عمل پیرا تھے اور دوسروں کو بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں ان کا تقرب دیکھ کر ایسے تبصروں سے گریز بہتے ہے۔

☆...... حضرت امام سیوطی کی سیرت و کردار کا ایک اہم گوشہ ہمیں یہ نظر آتا ہے۔ کہ آپ کے دل میں بزرگان دین کی محبت موجود تھی۔ آپ شافعی المسلک تھے مگر آپ نے حضرت امام اعظمؒ کی شان میں تبیض الصحیفہ اور اسی طرح حضرت امام مالکؒ کی شان میں تزئین الممالک بمناقب الامام مالکؒ جیسے رسالے رقم فرمائے۔ یہ رسائل بتاتے ہیں کہ ان کا دماغ تعصب سے پاک تھا۔

☆...... آپ کے دل و دماغ میں امت مسلمہ کی بہتری و فلاح کا جذبہ بھی موجزن تھا

۔وگرنہ اتنا بڑا علمی وفکری ذخیرہ جمع نہ کر سکتے۔جس سے آج تک عوام وخواص برابر مستفیض ہورہے ہیں۔آپ نے جو سیکھا احسن انداز سے قوم کو سکھایا۔

☆......ذیل میں ہم حضرت امام سیوطیؒ کے چند ملفوظات مبارکہ لکھتے ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں یا دوسرے محققین کرام نے ان کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔

ملفوظات

☆☆☆

☆......اللہ سبحانہ کا نام نامی پاک ہے۔اس کا کلام مکمل ہے۔اس کی نعمتیں عام ہیں اور اس کا حکم تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔وہی ذات والا صفات ہے۔جس نے تمام مخلوقات کو محض عدم سے لباس وجود عطا کیا۔جو روشنی اور تاریکی کا خالق ہے۔جس نے لوح وقلم بنائے۔جس نے ہر جاندار کی عمر۔رزق اور اس کے اعمال تقسیم کیے میں اسی کی ثنا کرتا ہوں جس کی ثنا ازل سے جاری ہے۔اور ابد تک جاری رہے گی۔میں اسی کا شکرگزار ہوں (مقدمہ خصائص کبریٰ)

☆......قد جاکم من اللہ نور ھو النبی ﷺ: بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا۔وہ نور نبی پاک ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔(تفسیر جلالین ص ۹۷)

☆......مثل نورہ مثل نور محمد ﷺ آیت مثل نورہ میں محمد ﷺ کا نور مبارک مراد ہے۔

(تفسر درمنشور جلد ۵ ص ۴۹)

☆......حضورﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے حضور اکرم ﷺ کو پیدا کیا۔ مجھ سے نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۱۶)

☆......جب نبی آخر الزماں ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو تمام بت اوندھے ہو گئے لات اور عزیٰ اپنی جگہوں سے نکل کر کہہ رہے تھے کہ قریش کے لیے افسوس کہ ان کے پاس امین اور صدیق تشریف لے آئے ہیں۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۱۸)

☆......**قال الامام السیوطی قدس سرہ یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام** امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے میلاد مبارک پر اظہار تشکر کرنا مستحب ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد ۹، ص ۵۶)

☆......فرمایا میلاد شریف کی اصل سنت سے ثابت ہے۔ (ایضاً)

☆......اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس ان کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ (تفسیر جلالین ص ۲۶)

☆......یہود یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں نبی آخر الزماں ﷺ کے وسیلہ سے فتح عطا فرما (جلالین ص ۱۴)

☆......جب آیت ولسوف یعطیک نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہے (درمنشور جلد ۶ ص ۳۶۱)

☆......حضور رسول اکرم ﷺ نے جن بارہ خلفا کی بابت ارشاد فرمایا ان کے نام درج ذیل ہیں۔ چار خلفاء راشدین۔ امام حسن، امیر معاویہ، عبداللہ بن زبیر، عمر

بن عبدالعزیز، یہ آٹھ ہوئے انہیں خلفا میں المہتدی کو بھی شامل کرنا چاہیے ۔کیونکہ وہ عہد عباسی میں ویسے ہوئے۔ جیسے بنوامیہ میں عمر بن عبدالعزیز ،دسواں خلیفہ الظاہر جو عدل وانصاف کا پیکر تھا۔دو خلفاء منتظر باقی ہیں۔جن میں ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔(تاریخ الخلفاء ص ۲۸)

☆......علماء کرام کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لانے کے بعد سے رحلت سرور عالم ﷺ تک سفر حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔(تاریخ الخلفاء ص ۴۷)

☆......حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔جس کا ثبوت صلح حدیبیہ کے واقعات سے ملتا ہے۔(ایضاً)

☆......علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر سب سے زیادہ افضل و برتر ہیں اور آپ کے بعد علی الترتیب فاروق اعظم۔عثمان غنی۔علی المرتضیٰ۔عشرہ مبشرہ۔اہل بدر۔اہل احد۔اہل حدیبیہ۔افضل ہیں ۔(تاریخ الخلفاء ص ۵۴)

............☆☆☆............

قرن یازدھم

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ

☆......☆......☆

ابتدائی حالات:

قطب المجد دین، غوث الکاملین، غیاث العارفین، امام ربانی سید نا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ ۹۷۱ھ کو (بتاریخ ۱۴ شوال) دار العرفان سرہند شریف میں پیدا ہوئے (زبدۃ المقامات صفحہ ۱۹۰) آپ کا شجرہ نسب ۳۱ واسطوں سے خلیفہ ثانی، مراد رسول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔(مقامات خیر صفحہ ۳۳) آپ کے والد ماجد مخدوم الاولیاء حضرت شیخ عبدالاحد بلند پایہ عالم دین اور عظیم المرتبت صوفی تھے، حضرت الشیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ (متوفی ۹۸۳ھ) سے سلسلہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں خلافت حاصل کی (زبدۃ المقامات صفحہ ۱۴۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بیشتر علوم اپنے والد گرامی سے حاصل کیے۔ان کے علاوہ حضرت مولانا کمال کشمیری، حضرت مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی علیہم الرحمۃ سے بھی علم حاصل کیا (جواہر مجددیہ صفحہ ۲۳) ۹۹۸ھ میں آگرے کا سفر اختیار کیا، وہاں درباری علماء شیخ ابوالفضل و شیخ ابوالفیض فیضی سے

تعلقات قائم ہوئے، یہ دونوں بھائی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

۱۰۰۸ھ میں زیارت حرمین کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں دہلی رکے، وہاں حضرت خواجہ خواجگاں باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہوئی، حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنے پاس روک لیا چنانچہ آپ نے تین ماہ وہاں رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جسے اور لوگ برسوں کے بعد بھی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ آپ کو اپنی مراد سمجھتے تھے فرماتے ہیں۔

جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو خود کو اس سفر کے لائق نہ دیکھتے ہوئے فقیر نے کچھ پس و پیش کیا، خواجہ موصوف نے استخارے کے لئے فرمایا۔ استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پہ طوطا بیٹھا ہے۔ دل میں یہ خیال آیا، اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پر آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے، معاوہ طوطا اڑ کر فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا، فقیر نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منہ میں شکر ڈالی، اس خواب کی تعبیر خواجہ موصوف نے یہ فرمائی کہ طوطا ہندوستانی جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہوگا جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہو گے۔ (زبدۃ المقامات)

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے فیضان نے آپ کو ملت اسلامیہ کا پاسبان بنا دیا، آپ نے اپنی جرات و استقامت سے اکبری و جہانگیری طوفانوں کے رخ موڑ دیے اور کفرستان ہند میں اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، اس بات پر مورخین کرام کا اجماع ہے۔ کہ اگر آپ کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو دین الٰہی کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا:

آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہورہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر ہورہا ہے۔ اور قلب وروح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے۔ یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے۔ اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ (سیرت مجدد الف ثانی ،تقدیم صفحہ ۱۰)

آپ قیومیت کے منصب پہ فائز ہوئے، قطب الارشاد اور مجدد الف ثانی کے مقام پر پہنچے، ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں آپ کا فیض ابر رحمت کی طرح برسا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیشمار ظاہری وباطنی خوبیوں سے مزین فرمایا تھا۔

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

ذیل کی سطور میں ہم آپ کے مختلف اوصاف وخصائل کا ذکر کرتے ہیں ۔جنہیں پڑھ کر دل کے نہاں خانے سے یہ آواز نکلے گی۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن خوبی یار کا جواب کہاں

علم وفضل:

حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ علم وفضل میں اپنی مثال آپ

تھے۔حافظ قرآن تھے۔اسرار قرآنی پہ زبردست عبور حاصل تھا،حروف مقطعات سے واقف تھے فہم متشابہات سے مالا مال تھے(حضرات القدس صفحہ ۶۸)،علم حدیث میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔خود فرماتے ہیں۔کہ یوں محسوس ہوتا ہے۔جیسے مجھے طبقہ محدثین میں شامل کر لیا گیا ہو۔(زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۰) مسائل فقہ میں پورے طور پر مستحضر تھے اور اصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔(زبدۃ المقامات) علم کلام میں تو مجتہد تھے۔فرماتے ہیں۔مجھے توسط حال ایک رات جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا،تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو۔اس وقت سے مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے۔(مبدا و معاد شریف) آپ نے شاھق الجبل جیسے مسائل اپنے بصیرت افروز اجتہاد سے حل فرمائے۔اور بھی اجتہادات کلامیہ ،مکتوبات شریفہ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں۔آپ کے خلیفہ حضرت علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے ارادہ بھی کیا کہ آپ کے اجتہادات کو اکٹھا کیا جائے (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۵۵) آپ کو آسمانوں کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا،حضرت خضر علیہ السلام نے علم لدنی سے نوازا(ایضاً) آپ کو علم سے خصوصی لگاؤ تھا طلب علم کو صوفیانہ مجاہدات پہ ترجیح دیتے تھے،مولانا بدرالدین سے فرمایا کرتے ،سبق لاؤ اور پڑھو۔جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔(حضرات القدس صفحہ ۹۷) آپ نے خود علم کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کیا،آگرے میں فیضی و ابوالفضل جیسے علماء آپ کے علم و فضل کا لوہا مانتے تھے۔

علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ لکھا ہے:

ایک دن حضرت مجدد ابوالفیض کے گھر آئے۔وہ غیر منقوط تفسیر لکھنے میں مصروف تھا۔جب اس نے آپ کو دیکھا تو خوش ہوا اور کہا آپ خوب تشریف

لائے۔ تفسیر میں ایک مقام آیا کہ اس کی تفسیر و تاویل غیر منقوطہ الفاظ کے ذریعے مشکل ہوگئی میں نے بہت دماغ سوزی کی لیکن دل پسند عبارت دستیاب نہیں ہوئی۔ حضرت مجدد نے گو کہ بے نقط عبارت کی مشق نہیں کی تھی لیکن کمال بلاغت کے ساتھ مطالب کثیرہ پر مشتمل ایک صفحہ لکھ دیا، جس سے وہ حیرت میں پڑ گیا (زبدۃ المقامات صفحہ ۱۶۴)

ایک فاضل مکرم نے حضرت مجدد کے کلمات طیبہ کے متعلق اہل زمانہ کے قیل و قال کو سنا تو کہا: حقیقت ہے۔ کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مزاج اور ان کی فطرت ان بزرگوار کے حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لائق نہیں ہے۔ ان عزیز کو چاہیے تھا۔ کہ اگلے زمانہ میں ہوتے کہ لوگ ان کے کلام کی قدر جانتے اور متاخرین ان کے کلام کو کتاب میں بطور استشہاد کے بیان کرتے۔ (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۶)

فکر و عرفان:

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے جو آپ کو ''عرفان کا مجتہد اعظم'' قرار دیا ہے۔ آپ کے رشحات قلم کا مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکر و عرفان کا اظہار کیا جس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ فکر و عرفان کی ان جولانیوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں۔

حق جل سلطانہ، کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح شکر ادا کیا جائے جن علوم و معارف کا فیضان خداوند جل شانہ، کی توفیق سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر قید تحریر میں آتے ہیں۔ اور اہل نااہل کے کانوں تک پہنچتے ہیں، لیکن جو اسرار و دقائق کہ ممتاز ہیں۔ ان کا ایک شمہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ذریعے بھی ان کے متعلق بات نہیں ہو سکتی، بلکہ اپنے عزیز ترین فرزند (جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک کا نسخہ ہیں) کے سامنے بھی ان اسرار کی باریکیوں کا

ذکر نہیں کرتا، معانی کی باریکیاں زبان کو پکڑتی ہیں اور اسرار کی لطافت لب کو بند کرتی ہے۔ ویضیق صدری وینطلق لسانی (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۰۳)

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مقام وجود و شہود کے متعلق جو معارف بیان فرمائے ہیں، آپ کا ہی حصہ ہیں۔

علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا جیسے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تفصیل آئی ہے۔ (حضرت القدس جلد دوم ص ۸۲)

اسی طرح عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ فقیر کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے، یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں۔ کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں''۔ (مکتوبات ۴/۲)

ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دین اسلام کا دارومدار محبت رسول ﷺ پر ہے۔ یہ جذبہ نہیں تو بقول اقبال سب کچھ ''بتکدہ تصورات'' میں ڈھل جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے، ہر پہلو اس جذبے سے سرشار دکھائی دے گا، فرماتے ہیں۔

ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی تھی اس فقیر نے اپنی محبت کی بناء پر جو آں سرور ﷺ کے غلاموں سے ہے، ان سے اس طرح کہا کہ آں سرور ﷺ کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے۔ لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے۔ یہ بات حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کی اس بات کے خلاف ہے جو انہوں نے آں سرور ﷺ کے جواب میں کہی تھی کہ حق سبحانہ کی محبت اس طور پر مسلط ہو گئی ہے۔ کہ آپ کی محبت کے لئے جگہ باقی نہیں رہی، یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے ابتدائے صحو میں، ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے۔ (مبدا معاد منہا ۳۷) آپ کثرت سے درود پاک پڑھا کرتے خصوصاً جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن دوشنبہ کی شب اور دوشنبہ کے دن۔ آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں میں احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۶) یہ امر بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ کہ آپ سراپا محبت رسول میں غرق تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک ہے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ جو کسی شے سے محبت کرتا ہے۔ اسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ اذان میں جب حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک آتا تو محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پہ لگاتے (جواہر مجددیہ)

اتباع شریعت

محبت رسول کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ، سنت طیبہ اور اسوہ حسنہ پہ عمل کیا جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس وصف میں درجہ کمال پہ فائز تھے، آپ کے مکتوبات و رسائل کا بنیادی موضوع

ہی اتباع شریعت ہے، فرماتے ہیں: ہم اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ کسی امر میں آں سرور ﷺ سے تشبہ اختیار کریں۔ اگرچہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری اور اس طرح کی نیت کو دخل دیتے ہیں۔ ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے۔ ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو آدھی متابعت کے عوض ہم نہیں خریدتے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کے لئے بیٹھے۔ دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوگا، ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں۔ لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع۔ توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں۔

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(زبدۃ المقامات ص ۲۸۵)

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''اس حال کو جس میں بھی شریعت اور اہلسنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی، قبول نہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ احوال، شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت احوال کے تابع نہیں۔ کیونکہ شریعت قطعی ہے۔ وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف و الہام سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں اگر موسیٰ علیہ السلام بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ بھی اسی شریعت کی پیروی کرتے۔'' (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۰)

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ایک عاقل خدا پرست شخص جو حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو چکا

تھا۔ بیان کرتا تھا کہ میں برہان پور میں شیخ فضل اللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچا جن کو اس سرزمین دکن کا قطب کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے حضرت مجدد کے اخلاق و اطوار کے متعلق دریافت کیا کہ تم ان کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ وہ کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں ان کے باطنی احوال کیا بیان کرسکتا ہوں البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظاہر و غائب میں جس طرح وہ سنت اور اس کی باریکیوں کی رعایت فرماتے ہیں، اگر اس زمانے کے تمام مشائخ بھی جمع ہو جائیں تو اس کا سوواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے، شیخ فضل اللہ علیہ الرحمۃ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ اسرار حقیقت یہ قطب الاقطاب فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب صحیح اور حقیقی ہیں، اور وہ اس معاملے میں بالکل سچے ہیں اور محقق بھی ہیں کیونکہ قول کی سچائی اور حال کی بلندی محض حضور انور ﷺ کی کمال اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے۔'' (حضرات القدس صفحہ ۶۲ جلد دوم)

حضرت مجدد الف علیہ الرحمۃ خود فرماتے ہیں:

ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے۔ اور حضور انور ﷺ کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں۔ (حضرات القدس ص ۱۷۰)

احتیاط و تقویٰ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تمام امور شریعہ میں از حد احتیاط و تقویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ ہی پڑھا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ اتنی احتیاط اور تقویٰ فقط آپ کو شایاں ہے۔ آپ کی نماز آپ کی کرامت تصور کی جاتی تھی۔ اس لئے کہ آپ نماز کے فرائض، واجبات سنن و مستحبات کو نہایت احتیاط و تقویٰ سے ادا فرماتے تھے۔ مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ: لکھتے ہیں

''میں آپ کی نماز دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ

حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علماء اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔

فرماتے ہیں کہ:

''اسی لئے یہ حقیر بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی۔ (حضرات القدس صفحہ ۹۹ جلد دوم)

آپ کا ارشاد ہے:

لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں'' نیز فرمایا کہ ''بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے۔ کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں۔ (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۸)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آمدنی اور نذر آتی تو آپ سال کو ختم ہونے کا انتظار نہ فرماتے بلکہ رقم کے آتے ہی فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے تھے۔ (حضرات القدس صفحہ ۹۹/ ۲)

دیگر مسائل و احکام میں بھی احتیاط و تقویٰ آپ کا شعار تھا مثلاً رفع سبابہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''حنفیہ سے بھی بعض روایات اس کے جواز کے متعلق منقول ہیں۔ لیکن جب اچھی طرح تلاش اور جستجو کی گئی تو احوط اور مفتی بہ اس کا ترک معلوم ہوا کہ بہت سے علماء نے حرام و مکروہ بھی کہا ہے۔ اور جب کوئی امر حلت اور حرمت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔

اور کبھی احتیاطاً نوافل میں احتمال سنت کی بناء پر یہ عمل کر لیا کرتے

تھے۔(زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۹)

اور نماز جمعہ کے بعد ظہر کے فرض کو چار سنت کے بعد آخر ظہر کی نیت سے احتیاطاً ادا فرماتے کہ بعض فقہا کے قول کے مطابق شرائط جمعہ نہیں پائی جاتیں۔(حضرات القدس صفحہ ۹۳)

نماز کی امامت خود کراتے کہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے مذہب پہ بھی عمل ہو جائے گا۔(زبدۃ المقامات)

ذوق عبادت:

آپ بہت بڑے عبادت گزار اور ریاضت پسند تھے۔علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ:

ایک امیر وقت کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے معاملے میں کچھ تردد ہوا۔اس نے وقت کے قاضی القضاۃ (جو آپ کا ارادت مند تھا) سے دریافت کیا کہ تم تو سچے عالم ہو،امانت و دیانت والے ہو،حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا حال بتاؤ۔اس نے کہا کہ اس طائفے کے باطنی احوال ہمارے ادراک وفہم سے باہر ہیں۔البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ آپ کے احوال و اطوار کو دیکھ کر متقدین اولیاء کے احوال و اطوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ ان کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر ان کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا لیکن اب جو ہم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو دیکھا تو تردد جاتا رہا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انہوں نے کم لکھا ہے۔(حضرات القدس ۲۳)

آپ فرماتے ہیں ”شرم آتی ہے۔کہ انفرادی نماز میں قوت و استطاعت

کے باوجود رکوع وسجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں''۔ (حضرات القدس صفحہ ۱۶۶)

شان مجاھدہ

شہزادہ داراشکوہ آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

''متاخرین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ صاحب مجاہدہ درویش تھے'' سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۳۳)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ بہت کم کھاتے۔ ''کھانے کے وقت دیکھا گیا کہ اکثر وقت درویشوں، عزیزوں اور خادموں میں کھانا تقسیم کرنے میں گزر جاتا اور اس اثناء میں کبھی تین انگلیوں سے کوئی نوالہ لے لیتے اور کبھی طبق پر ہاتھ پہنچا کر منہ پر رکھ لیتے اور صرف ذائقہ چکھ لیتے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے۔ محض اس لیے کھاتے ہیں کہ کھانا سنت ہے۔ انبیاء کرام نے کھانا ترک نہیں فرمایا۔'' (حضرات القدس صفحہ ۹۰)

آپ کے مجاہدات سنت مطہرہ کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ ہمیشہ عزیمت پر عمل فرماتے۔ آپ فرماتے ہیں:

سالک اتباع جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر ہوائے نفس سے زیادہ دور ہوگا۔ پس نفس امارہ پر شریعت اور امر و نہی کے بجالانے سے زیادہ شوار کوئی چیز نہیں۔'' (مکتوب ۲۲۱ دفتر اول)

شان تمکین

حضرت علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ آپ کی صحبت اکثر خاموشی کی حالت میں گزرتی اور کبھی مسلمانوں کے عیب اور غیبت کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے ساتھیوں کو آپ کی ہیبت، بہت زیادہ ادب اور خشوع کی حالت میں رکھتی تھی۔ اور

ان کو کھلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ ان عظیم احوال کے وارد ہونے کے باوجود تلوین کے آثار آپ پر نمودار نہیں ہوتے تھے۔ شور، چیخ بلکہ بلند آواز سے آہ بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ دو سال کی مدت تک بندہ حاضر خدمت رہا لیکن اس مدت میں تین چار بار دیکھا گیا کہ آنسو کے قطرے چہرہ مبارک پر گرے اور اس کے علاوہ تین چار بار معارف عالیہ بیان کرتے وقت آپ کے چشم و رخسار میں سرخی اور دونوں مبارک گالوں پر حرارت کا پسینہ دکھائی دیا۔ (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۲)

عزم واستقلال:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دور از حد پر آشوب تھا۔ بدعت و ضلالت کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ کفر و شرک کی خزائیں زوروں پر تھیں۔ اکبر اعظم کی اسلام دشمنی اور جہانگیر کی آزادروی کے سامنے ایک فقیر بارگاہ رسالت تھا جس کے عزم واستقلال نے اندھیروں اور خزاؤں کا تسلط ختم کیا اور شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کر دیں۔ اللہ اللہ!! آپ کے عزم واستقلال کی درخشندہ مثال سے تاریخ حریت جگمگا رہی ہے۔ بادشاہ وقت نے سجدہ تعظیمی کے لیے مجبور کیا لیکن آپ نے فرمایا: جو سر بارگاہ الوہیت میں جھکتا ہو، کسی اور کے دروازے پہ کیسے جھک سکتا ہے۔ بادشاہ غیظ و غضب کا نشان بن گیا، ادھر آپ کے مخلصین نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ سجدہ تعظیمی کر لیں، آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اس مرد حق آگاہ نے فرمایا:

یہ فتویٰ تو رخصت ہے۔ عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔'' (مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی صفحہ ۱۷۶)

پھر اس کے بعد طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا لیکن مجال ہے جو عزم

واستقلال کے عظیم پیکر کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہو۔ایسی استقامت کی توقع فاروق اعظم کے لخت جگر سے ہی کی جا سکتی ہے۔حضرت علامہ اقبال آپ کے عزم و استقلال کو سلام پیش کرتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے۔گرمی احرار

تسلیم ورضا:

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا، آگرے سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا، ہاں اس پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا، یہ کیسا ظلم کیا سرزمین ہند میں اس کے جان نثار و فداکار اس کے اشارے کے منتظر ہیں مگر وہ اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے۔ظالم ظلم کیے جا رہے ہیں۔مگر وہ لطف اٹھا رہا ہے۔کیا چشم عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے۔؟ ظالم نے نہ صرف پابند سلاسل کیا، گھر اجاڑا۔کتب خانہ ضبط، جائیداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا سب ضبط کر کے آپ بے آسرا کر دیئے گئے مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی آسرے پر نہیں رہتا۔(سیرت مجدد الف ثانی صفحہ ۱۶۷)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اپنے مکتوبات آپ کے جذبہ تسلیم ورضا کے بہترین عکاس ہیں۔آپ عالم اسیری میں لکھتے ہیں:

میر نعمان کو معلوم ہوا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا، جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے۔بمقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل کی تنگی فرحت و شرح

صدر سے بدل گئی، اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے درپے آزار ہے اللہ جل سلطانہ کی مراد کے موافق ہے۔ تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنی اور دعویٰ محبت کے منافی ہے۔ (مکتوب ۱۵۔ دفتر سوم)

ایک مقام پہ فرماتے ہیں:

''آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپے آزار ہیں ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں ----- اور جو میں نے جور و جفا کو صورت غضب کا آئینہ کہا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حقیقت غضب دشمنوں کا حصہ ہے۔ دوستوں کے لیے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین رحمت۔ اس صورت غضب میں محبت کے لیے اتنے منافع ودیعت کیے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے (مکتوب ۱۵ دفتر سوم)

اپنے شہزادوں سے فرماتے ہیں:

فرزندان گرامی! خاطر جمع رہو، لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے۔ اس کے برابر کونسی نعمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے، حتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دست بردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے۔ قید کے زمانے میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لطف اٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا۔ فراغت والے مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں، بچوں کو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے۔ لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ

شیرینی کو ایک جو میں بھی نہیں خریدتا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ (مکتوب ۸۳۔ دفتر سوم)

حق گوئی:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ حق گو، بے باک، نڈر اور بہادر شخصیت کے مالک تھے۔ قاضی ظہور احمد اختر لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ و جلال اقتدار کے ہوتے شاہان وقت پر تنقید کی وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اس نازک دور میں حکومت یا سربراہان حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ بلکہ اکبر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے۔ کہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا کے مار دیا کرتا تھا۔ (فسانہ سلطنت مغلیہ صفحہ ۱۴۰ بحوالہ مجدد نمبر نور اسلام صفحہ ۱۵۲)

آپ کی حق گوئی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ابوالفضل سے ملنے آئے، ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ آپ روزے سے ہیں۔ اس نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ چاند کے متعلق ابھی تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی۔ ابوالفضل نے کہا، بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے، اب کیا عذر ہے؟ بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔

بادشاہ بے دین است، اعتبار ندارد

(بادشاہ بے دین ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں)۔ (الفرقان۔ مجدد الف ثانی نمبر ص ۸۷)

اندازہ کیجئے کہ مغل اعظم کے بہت بڑے ''حواری'' کے سامنے مغل اعظم پر

اس قدر سخت تنقید کرنا کس بے خوفی، حق گوئی اور بہادری کی علامت ہے۔! مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کریں، آپ نے حکومت وقت کی خوب خبر لی، مثلاً جہانگیر کے دور میں اس کے باپ پہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے۔اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد ۔آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا ۔اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت لکم دینکم ولی دین سے ظاہر ہے۔لیکن زمانہ ماضی میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دار اسلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے، اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے عاجز و قاصر تھے، اگر ظاہر کرتے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔(مکتوب ۴۷ دفتر اول)

حسن ادب:

حضرت امام ربانی قدس سرہ ادب کی دولت سے مالا مال تھے ۔اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل سبحانہ، جل سلطانہ، کے کلمات اور حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ درود و سلام کا خصوصی اہتمام فرماتے۔جہاں اللہ و رسول کا ذکر خیر کرتے وہاں حسن ادب کی تابانیاں قابل دید ہوتیں۔بزرگوں کی بارگاہ میں نہایت عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے

مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حضرت مجدد سرتا پا اکابر سلف و خلف کی محبت اور مدحت میں غرق تھے لیکن اگر ان بزرگوں کے کلام سے آپ نے اعراض فرمایا ہے تو وہ محض نیک نیتی اور حکمت

اور الہام واعلام پر مبنی ہے۔'' (حضرات القدس صفحہ ۱۵۲)

مزید فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد بزرگواروں کا ادب جیسا کہ چاہیئے ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے خاص مریدوں نے کتاب عوارف المعارف پڑھنی شروع کی اور آپ سے استدعا کی کہ اس کی شرح فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ایک جزو کی شرح نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی لیکن پھر فرمایا کہ ہم نے اب اس کتاب کی شرح لکھنی چھوڑ دی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر ایسی بات آ جائے جس سے اس کے مصنف (حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ) کا ادب ہاتھ سے جاتا رہے۔'' (ایضاً صفحہ ۱۵۳)

آپ نے بعض مقامات پر بعض بزرگان سے اختلاف فرمایا لیکن ہر مقام پہ ان کا ادب ملحوظ خاطر رکھا۔ حضرت بایزید بسطامی اور حضرت منصور حلاج علیہما الرحمہ کے اقوال کی تاویل وتوجیح اس انداز سے کی کہ ان پر کوئی حرف نہ آئے۔ یہ آپ کے حسن ادب کا ثبوت ہے۔ بعض مقامات پہ اختلاف کے باوجود حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں: کیا عجب معاملہ ہے۔ کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطح خلاف جواز کے جناب شیخ مقبولان بارگاہ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

(مکتوب ۷۷ دفتر سوم)

ایک جگہ ان کے اس طرح شکر گزار ہیں:

''اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں ان میں سے اکثر نے جناب

شیخ کی پیروی کی ہے۔اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔ہم پسماندگان انہی بزرگوار کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ہیں۔اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کرے''۔(مکتوب ۹۷ دفتر سوم)

آپ خود بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔اس لیے دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ کسی بزرگ کی گستاخی نہ کریں۔بزرگوں کی گستاخی کرنے والے سے اپنا تعلق توڑ لیتے تھے۔جیسا کہ مشہور ہے کہ ابوالفضل نے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا:

غزالی نامعقول گفتہ است

آپ کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرما کر فوراً چلے گئے۔اگر ذوق صحبت ما اہل علم داری از یں حرف ہائے دور از ادب زبان باز دار،اگر ہم جیسے اہل علم سے ملنے کا شوق ہے۔تو ایسی بے ادبی کے الفاظ سے زبان کو روکو۔(زبدۃ المقامات)

آپ اپنے شیخ کامل،مرشد ربانی سیدنا محمد عبدالباقی،المعروف خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا بے پناہ ادب کرتے تھے۔خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ:

مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے پیر و مرشد (مجدد الف ثانی) کو بلا لاؤ۔جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔خوف کے آثار ظاہر ہو گئے۔انتہائے خشیت سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی۔گویا کہ رعشہ طاری ہو گیا ہے۔ان کی حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا،اب تک سنتا آیا تھا۔

نزدیکاں رابیش بود حیرانی

لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔(زبدۃ المقامات فصل سوم) آپ نے اپنے مخدوم زادوں کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال فرمایا جس کے ایک ایک حرف سے شکر و ادب کے سوتے ابلتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے۔کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔فقیر نے اس طریقہ کی الف با کا سبق انہی سے لیا ہے۔۔۔۔۔حضرت خواجہ سے جو اعلیٰ دولت اس فقیر کو ملی ہے۔اس کے عوض اگر یہ فقیر ساری عمر سر کو اپنے صاحبان کے عتبہ عالیہ کے خدام سے پامال کراتا رہے۔تب بھی ہیچ ہے۔

گر برتن من زباں شود ہر موئے

یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

حضرت خواجہ کی آستاں بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) جب کوئی بزرگ ملنے کے لیے آتا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں ان کو جگہ دیتے۔(حضرات القدس صفحہ ۱۰۰)

آپ متبرک کاغذات کا بہت احترام کرتے تھے۔ایک دن ناگاہ گھبرا کر اٹھے اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا۔اٹھایا اور فرمایا: ''بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہ جائے''(زبدۃ المقامات)

یہ تو صرف کاغذ تھا،حسن ادب کی ایک اور درخشاں مثال دیکھیے:

''ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے،ناگاہ ضرورت بشری کی وجہ سے بیت الخلا تشریف لے گئے۔تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف

لائے۔اور آپ نے پانی طلب فرما کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا، ناخن پر سیاہی کا دھبہ تھا اور سیاہی حروف قرآنی کے اسباب کتابت میں سے ہے، بنابریں لائق ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے۔(زبدۃ المقامات فصل ششم)

اسی طرح ایک دفعہ ایک حافظ جس نے سرہانے کے پاس فرش بچھایا ہوا تھا ،قرآت میں مشغول ہوا۔آپ نے دیکھا کہ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں۔وہ اس فرش سے کسی قدر بلند ہے۔جس پر حافظ قرآن تلاوت کر رہا ہے۔چنانچہ آپ نے اس زائد فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے لپیٹ کر کنارے پر کر دیا۔(ایضاً)

ایک دفعہ طہارت خانے میں ایک کوزے پر نظر پڑی جس پہ اللہ تعالیٰ کا اسم جلالت کندہ تھا۔آپ نے اس کوزے کو اچھی طرح صاف کیا اور نہایت ادب سے اونچی جگہ پہ رکھ دیا۔پھر جب بھی پانی کی طلب ہوتی اس کوزے میں پانی نوش فرماتے ۔اسی پہ الہام ہوا کہ تم نے ہمارے نام کو بلند کیا ہے۔ہم تمہارے نام کو بلند کریں گے۔ اور آپ فرماتے ہیں:

اگر میں سو سال بھی ریاضت کرتا تو اتنے فیوض و برکات حاصل نہ ہوتے جتنے اس عمل سے حاصل ہوئے۔(حضرات القدس صفحہ ۱۱۳)

عاجزی وانکساری:

"حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اس درجہ شان جلالت کی ایک وجہ آپ کی عاجزی وانکساری ہے۔حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔جس نے اللہ کے لیے عاجزی کی ،اللہ نے اس کا رتبہ بلند کر دیا"۔جب آپ پر الزام لگا کہ آپ معاذ اللہ اپنے آپ کو صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتے ہیں۔آپ نے بھرے دربار میں فرمایا:

''میں تو خود کو سگ سے بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں۔'' (مناقب آدمیہ ورق ۱۷۱ بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۷۷)

خواجہ ہاشم کشمی فرماتے ہیں:

اس کمترین نے بارہا آپ سے سنا کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل، جو کچھ بھی ملا ہے۔ اللہ کا کرم ہے۔ اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے۔ تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے۔ ہمارے کام کا مدار اس پر ہے۔'' (زبدۃ المقامات)

فرماتے ہیں:

عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے، اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو۔ (حضرات القدس ص ۱۶۷)

اوصاف متفرقہ:

۱)...... حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بہت فیاض و دریا دل تھے کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلا کسی غریب یا عزیز، خادم یا مسافر کو دے دیتے۔ آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو لوگ علماء، عرفاء، مشائخ، حفاظ، اشراف و سادات میں سے ہوتے تھے۔ جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔ (حضرات القدس ص ۱۰۰)

۲)...... آپ کو اہل کفر سے سخت نفرت تھی۔ کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے گو کہ وہ صاحب حکومت اور صاحب جاہ کیوں نہ ہوتے تھے۔ (حضرات القدس صفحہ ۱۰۰)

۳)...... ہر شخص سے سلام میں پہل کرتے ،مولانا بدرالدین سرہندی فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کبھی کوئی شخص سلام میں آپ پر سبقت کر سکا ہو۔(حضرات القدس ص ۱۰۰)

۴)...... فرض وسنت کی ادائیگی تو بڑی بات ہے، آپ مستحبات پر بھی سختی سے عمل کرتے تھے، ایک دن کالی مرچ کے دانے طلب کیے۔ مولانا صالح ختلانی چھ عدد دانے لے آئے۔ آپ نے رنجیدہ ہوکر فرمایا، ہمارے صوفی کو دیکھو انہوں نے ابھی اللہ وتر و یحب الوتر نہیں سنا، اگرچہ یہ عمل مستحب ہے لیکن لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں؟ مستحب وہ کام ہے۔ جو اللہ کو پسند ہے، اور اللہ کی پسند پر دنیا و آخرت قربان کر دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا۔(زبدۃ المقامات)

ملفوظات

☆

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف عالیہ خصوصاً مکتوبات امام ربانی میں بے شمار ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ کہ چند لفظوں میں بہت کچھ فرما گئے۔کوزے میں دریا کو سمودیا۔ حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۶۹۱ھ ۱۲۹۲ء نے صرف اخلاقیات پر فصاحت و بلاغت کا کمال دکھایا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت وطریقت کے مسائل کو پند نصائح کی شکل میں جتنے فصیح و بلیغ انداز سے پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کی تصانیف میں پائی جاتی ہو۔ تبلیغ دین کی خاطر چند ارشادات قارئین کرام کی

خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق و علیہ التکلان۔

۱)...... انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔

۲)...... جب تک انسان قلبی مرض میں مبتلا ہے اس وقت تک اس کی کوئی عبادت نافع نہیں ہے۔

۳)...... انبیائے کرام نے وحدت وجود کی نہیں بلکہ وحدت معبود کی دعوت دی تھی۔

۴)...... شریعت تمام دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن ہے۔

۵)...... شریعت کا مقصود نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔

۶)...... صاحب شریعت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے۔

۷)...... سعادت دارین کی دولت سرور کونین کی متابعت پر موقوف ہے

۸)...... آدمی کو کھانے پینے کے لیے نہیں بلکہ عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

۹)...... شریعت کی پیروی اور نبی کی اطاعت نجات اخروی کی ضامن ہیں۔

۱۰)...... دین متین سے فساد کے لزومات کو دفع کرنا ضروریات دین سے ہے۔

۱۱)...... شریعت وطریقت ایک دوسری کا عین ہیں۔

۱۲)...... توحید وجودی تنگ کوچہ ہے جبکہ شاہراہ اور ہے۔

۱۳)...... فتوحات مدینہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۱۴)...... دلالت فصوص سے نہیں بلکہ نصوص سے ہوتی ہے۔

۱۵)...... مذہب اہل سنت و جماعت کی بال برابر مخالفت بھی خطرناک ہے۔

۱۶)...... کتاب وسنت کے وہی معنی معتبر ہیں جو علماء اہل سنت نے سمجھے ہیں۔

۱۷)...... جو مذہب سے جدا ہوئے وہ گمراہی اور خرابی میں جا پڑے ہیں۔

۱۹)......اہل سنت و جماعت ہی ناجی گروہ ہے

۲۰)......اس نعمت عظمیٰ کا شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناجی گروہ میں داخل فرمایا۔

۲۱)......سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو صحابہ کرام سے بغض وعناد رکھتا ہے۔

۲۲)......صحابہ کرام پر طعن کرنا قرآن مجید اور شریعت محمدیہ پر طعن کرنا ہے۔

۲۳)......صحابہ کرام کی پیروی کا پابند صرف اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے۔

۲۴)......صحابہ کرام میں عیب نکالنا پیغمبر خدا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے۔

۲۵)......بعض صحابہ میں عیب نکالنا سب کی متابعت سے محروم ہونا ہے

۲۶)......صحابہ کے معاملے میں زبان کو سنبھالنا اور انہیں اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیے۔

۲۷)......تمام صحابہ کرام کی پیروی ضروری ہے کیونکہ اصول میں وہ سب متفق تھے۔

۲۸)......صحابہ شریعت کے تابع تھے اور ان کا اجتہادی اختلاف حق کی سربلندی کے لیے تھا۔

۲۹)......تمام صحابہ کرام افضلیت صدیق اکبر پر متفق تھے۔

۳۰)......خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔

۳۱)......علماء کی سیاہی قیامت میں شہیدوں کے خون سے وزنی ہوگی

۳۲)......سادات سے حضور ﷺ کی قرابت کے باعث محبت رکھنی چاہیے۔

۳۳)......علماء حق کی نظر صوفیہ کی نظر سے بلند تر ہے۔

۳۴)......علماء ہی شریعت کے حامل ہیں انہیں ترجیح دینے میں شریعت کا احترام ہے۔

۳۵)......لوگوں کی نجات علماء کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۶)......علمائے آخرت کے کلام کی برکت سے توفیق عمل بھی مل جاتی ہے۔

۳۷)......حقیقت سے واقف کار علماء کی دعا و توجہ کا طالب رہنا چاہیے۔

۳۸)......حلال و حرام کے معاملے میں ہمیشہ دین دار علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔

۳۹)......تمام نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین داروں اور شریعت کی پابندی کرنے والوں سے میل جول رکھا جائے۔

۴۰)......دنیا کی رغبت رکھنا علماء کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔

۴۱)......دولت کے حریص یعنی دنیا دار علماء کی صحبت زہر قاتل ہے۔

۴۲)......علماء ہی بہترین مخلوق ہیں اور علماء ہی بدترین مخلوق ہیں۔

۴۳)......بہتر ۷۲ گمراہ فرقے علمائے سوء کی کارگزاری کا زندہ ثبوت ہیں۔

۴۴)......جسم کو زندہ کرنے کی نسبت قلب کو زندہ کردینا عظیم الشان امر ہے

۴۵)......پیر حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۴۶)......اللہ والوں یعنی علمائے آخرت کی صحبت کبریت احمر ہے۔

۴۷)......صوفیا کے علوم و معارف اگر کتاب و سنت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود ہیں۔

۴۸)......اولیاء اللہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہر قاتل ہے۔

۴۹)......اللہ تعالیٰ جس کو برباد کرنا چاہے اسے بزرگوں پر طعن و تشنیع میں مبتلا کردیتا ہے۔

۵۰)......ناقص پیر کی صحبت زہر قاتل اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک ہے۔

۵۱)......شدید ریاضتوں سے بھی وہ بات میسر نہیں آتی جو بزرگوں کی صحبت سے مل جاتی ہے۔

۵۲)......دنیادار صوفیا سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔

۵۳)......جس علم سے عمل مقصود ہے۔اس کا کفیل علم فقہ ہے۔

۵۴)......دشمنان دین سے قولی جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔

۵۵)......کفار کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا خلق عظیم میں داخل ہے۔

۵۶)......اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت میں ہے۔

۵۷)......جس قدر اہل کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔

۵۸)......کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا ضروریات دین سے ہے۔

۵۹)......مسلمان رہنے کے لئے کفر اور کافری سے بیزار رہنا ضروری ہے۔

۶۰)......فقیر کی نظر میں خدا کے دشمنوں سے بیزاری کے برابر کوئی عمل نہیں۔

۶۱)......فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں پر سختی کی جائے۔

......☆......

شان مجدد رضی المولیٰ عنہ

اشعار اقبال کی تضمین

کیا دور ہے چھائی ہے گھٹا چرخ خرد پر
مائل ہے ہر اک فرد جہاں بغض و حسد پر
تا مہر کسی مرد کی ہو میری سند پر
حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

فردوس نظر دیکھے ہیں تابندہ نظارے
بیکس کو میسر ہیں در خشندہ سہارے
اس در پہ دل و جان ہوئے زندہ ہمارے
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

کیا ڈٹ کے رہا وقت کی شمشیر کے آگے
کیا نکلا جہالت کی صفیں چیر کے آگے
کیا ٹھہرا جواں عزم بھی اس پیر کے آگے
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

حد درجہ ہوئی قوم مسلمان پریشان
اسلام بلکتا تھا زبوں حال تھا ایمان
ہر لحظہ کیا ظلم نے تاراج گلستان
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

قرآں کی سمجھ بوجھ تو اسلام کا غم دو
عرفان و محبت کے حسین رنگ میں رنگو
پامال زمانہ ہوں مجھے پیار سے دیکھو
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار

افسوس ہمہ اہل خرد خوش بہ جفا اند
ناعاقبت اندیش ،غلامی پہ رضا مند
تقدیر کے صیاد ہیں تقدیر کے پابند
آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار

جس دنیا کے افراد ضمیر اپنا کچل دیں
ایمان کا سودا بھی کریں ،دین بھی بیچیں
ہر شاخ محبت پہ کھلے پھول کو مسلیں
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہ فقر سے ہو طرہ دستار

کیا جاری و ساری تھا جہاں سلسلہ حق
انسان تھا مصروف بصد مشغلہ حق
ہر سمت نظر آیا بپا غلغلہ حق
باقی کلہ فقر سے ہے تھا ولولہ حق
طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

غلام مصطفےٰ مجددی ایم۔اے

مقام مجدد اعظم

☆☆☆

اھل نظر کی آراء میں

☆

امام الانبیا کی شہادت:

حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت اتنی خوش قسمت ہے کہ ان کے آنے کی بشارت امام الانبیاء محبوب کبریا سید عالم ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے پہلے ہی بیان فرمادی، یَکُوْنُ رَجُلٌ فِیْ اُمَّتِیْ یُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ یُدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ کَذَا وَ کَذَا۔ میری امت میں ایک شخص ''صلہ'' ہوگا جس کی شفاعت سے بے شمار آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ (جمع الجوامع السیوطی، طبقات کبریٰ جلد ۷، ص ۱۳۴، الاصابہ جلد ۳، ص ۵۳۰، کنز العمال جلد ۷، ص ۱۳۱)

صلہ کون ہے؟:

اس حدیث میں لفظ ''صلہ'' کا مطلب اہل تحقیق کی نظر میں یہی ہے کہ طریقت اور شریعت کو یکجا کرنے والا۔ چنانچہ خود حضور مجدد اعظم تشریف لائے اور کرسی تجدید پر فائز ہو کر اعلان فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان''

صلۃ" اور رابطہ بنا کر بھیجا" یہ فرمان ایسے ہی ہے جیسے حضور غوث اعظم نے ایک غوث وقت کی پیشگوئی کے مطابق بغداد کی جامع مسجد میں اعلان فرمایا تھا: قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ، میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" ہوسکتا ہے جس طرح قدمی ھذا..... الخ کا دعویٰ غوث پاک کے سوا کسی اور ولی نے نہیں کیا، اس طرح جعلنی صلة....... کا دعویٰ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سوا کسی اور ولی نے نہیں کیا۔

مجدد اعظم:

میں نے آپ کو مجدد اعظم اس لئے لکھا ہے کہ آپ دوسرے ہزار سال کے مجدد ہیں۔ پس جو سو سال اور ہزار سال کے درمیان فرق ہے وہی صد سالہ مجدد اور ہزار سالہ مجدد کے رتبہ و مقام نیز تجدیدی کوششوں میں فرق ہے، ہر مکتبہ فکر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ہی "مجدد الف ثانی" ہیں۔ اس لئے آپ کو مجدد اعظم کہنا نری عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو آج بھی آپ کی شان تجدید بڑی سج دھج کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ بعد کے آنے والے مجددین اسلام نے آپ کے ہی نام کو اپنا معیار قرار دیا اور باطل کے سامنے ویسے ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے جس کا مظاہرہ آپ نے جہانگیری عیش و عشرت کو پایہ حقارت سے ٹھکرا کر کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا طریقہ "مجددیہ" تقریباً اٹھارہ سلسلہ ہائے اولیاء کے فیوضات اور تجلیات کا خوبصورت امتزاج ہے اور حق یہ ہے کہ آپ سب سلسلوں میں تصرف و اختیار کے مجاز اور مختار تھے۔

اهل نظر کی آراء میں

☆

خواجہ باقی باللہ: خواجہ باقی باللہ صاحب قدس سرہ، آپ کے بارے میں

فرماتے ہیں: ''شیخ احمد مردے است از سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزے چند فقیر باونشست و برخاست کردہ عجائب بیسار از روزگار اوقات مشاہدہ نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد'' ترجمہ اختصاراً: یعنی شیخ احمد جو کہ سرہند سے آئے ہیں بہت بڑے علم وعمل کے مالک ہیں ان کی ذات سے کئی عالم روشن ومنور ہوں گے۔''

(جواہر مجددیہ، کلیات باقی باللہ، حضرت امام ربانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، تذکرہ علمائے ہند، زبدۃ المقامات، اخبار الاخیار، تاریخ وتحریک پاکستان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی: فرماتے ہیں'' آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی نشانی اور خاص نعمت تھی، علماء وصوفیا کے درمیان ''عرصہ دراز'' سے جو نزع وتکرار تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق دونوں کو ملا دیا، رسالتمآب نے فرمایا میری امت میں ایسا شخص ہے جسے لوگ صلہ کہیں گے اور اس کی سفارش سے اتنے لوگ جنتی ہوں گے اور یہ آپ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ نے ہی علماء وصوفیا کا باہمی تنازعہ ختم کیا'' (اخبار الاخیار اردو)

بعض لوگ آپ کے خلاف شیخ محقق کی ذات گرامی کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں جاننا چاہئے کہ شیخ محقق غلط فہمیوں کے دور ہونے کے بعد آپ کے معتقد ہو گئے تھے، جیسا کہ فرماتے ہیں کہ'' پردہ ہائے بشریت کی وجہ سے میں شیخ احمد کو سمجھنے میں مجبور رہا، ان کا باطن انتہائی صاف وشفاف ہے۔۔۔'' (اخبار الاخیار ص ۳۲۶، نزہۃ الخواطر، جلد ۵، ص ۴۱، بشارت مظہری)

شاہ ولی اللہ دہلوی: فرماتے ہیں لقد جرت علی الامام قدس سرہ سنت اللہ و عادتہ فی انبیاء ہٖ من قبل با یذآ ءِ الظلمۃ و المبتدعین وانکار الفقہاء المتقشفین و ذلک لیزید اللہ فی درجاتہ ویلحق بہ

الحسنات من بعد و فاتہ لا یحبه الا مومن تقی و لا یبغضه الا فاجر شقی ''اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اپنے انبیاء کرام کے ساتھ رہا، اس کو اس نے آپ کیلئے برتا۔ ظالموں نے آپ کو تکلیف دی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے اور وفات کے بعد حسنات میں اضافہ فرمائے، مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور فاجر و شقی کو ہی آپ سے عداوت۔'' (احوال الامام الربانی، برحاشیہ مکتوبات عربی)

حضرت شاہ غلام علی دہلی: حضرت مجدد کا وجود تنہا ہزار سالہ اولیا کے بالمقابل ہے۔ (درالمعارف، ص ۴۳)

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی: یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ الباری کی ہمہ گیر شخصیت دنیائے عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ بالاتفاق اپنی صدی کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ آپ نے بھی اپنی تجدیدی کوششوں میں مجدد اعظم سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کی ذات ستودہ صفات کو بطور حوالہ و سند پیش کیا۔ ملاحظہ فرمائیں: آپ نے مولانا محمد علی مونگری ناظم ندوۃ العلماء لکھنو کو اپنے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا: ''بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں، حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں'' فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر است'' (یعنی ایک بدعتی کی صحبت سو کافر کی صحبت سے زیادہ بدتر ہے) مولانا خدارا انصاف، آپ یا زید یا اور اراکین، مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ''ارشاد

ہدایت بنیاد" کو معاذ اللہ لغو و باطل جانتے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے تو کیوں نہ مانتے، جس سے ظاہر ہے کہ کافروں کے بارہ میں فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کا حکم ایک حصہ ہے، تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے سے بھی زیادہ ہے" (مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۹۰)

علامہ اقبال: شاعر مشرق علامہ اقبال حضرت مجدد کے انتہائی عقیدت مند تھے، خصوصاً آپ کے "نظریہ شہود" سے بہت متاثر نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں "آپ (مجدد پاک) کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائے کمال روح انسانی ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں" (مجلہ اقبال اپریل ۱۹۵۴ء)

مغرب میں دیئے گئے خصوصی لیکچر میں لطائف خمسہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس "مصلح اعظم" کی نگاہوں میں ہمارے اندورنی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے" (تشکیل جدید الہیات ص ۳۰۰) خلیفہ عبد الحکیم فرماتے ہیں: "وہ "اقبال" بڑی عقیدت سے مجدد الف ثانی کے تصوف کا قائل ہے، جس نے تصوف کو دوبارہ شریعت اسلامی سے ہم آغوش کرنے کی کوشش کی۔" (فکر اقبال ص ۴۴۶)

خواجہ میر درد: خواجہ میر درد صاحب نے آپ کے معدودے معترضین کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اکثر ناواقف جو شیخ مجدد کا کلام نہیں سمجھتے اپنے گمان میں انہیں ظل کا قائل سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کی یہ رائے محض سلوک میں تھی، اکثر صوفیا خام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارف کامل سمجھتے ہیں شیخ مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں"

اثنیت'' اور'' ہمہ از اوست'' کا بیان ہے، خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے، کیونکہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے اس لئے وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا، مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کے مطابق'' ہمہ از اوست'' کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے''(خواجہ میر درد'' علم الکتاب'' ص ۱۸۴)

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری: حضرت پیر صاحب قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی تفسیر و تشریح میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ مبارک نقل فرمانے سے قبل ان کی ثقاہت کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

'' یہ مسئلہ بڑا نازک ہے مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں، بہتر یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی تحقیقات ہدیہ ناظرین کرنے پر اکتفا کروں جن کا علم وتقویٰ اہل شریعت واہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اس لئے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں، شاید جلوہ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشم اشکبار مسکرا دے، کسی کے دل بے قرار کو قرار آ جائے''(ضیاء القرآن، ص ۵۹، جلد سوم)

علاوہ ازیں مفسر شہیر، حضرت خضر والیاس علیہما السلام کی حقیقت معلوم کرنے میں جہت بے چین تھے جب تفسیر مظہری میں مجدد الف ثانی قدس سرہ کا کشف معتبر دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو تمام تشویش و پریشانی یکسر دور ہوگئی، موصوف علامہ ثناء اللہ پانی پتی کو اس بات پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اتنی قیمتی بات نقل فرمائی۔(ص ۳۸، جلد سوم)

غیر سنی علما کی نظر میں

☆

ابوالاعلیٰ مودودی: ''شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنہ عظمہ کے سیلاب کا منہ پھیرا جواب سے تین چار سو سال قبل ہی اسلام کا نام ونشان مٹا دیتا، اس کے علاوہ انہوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی سر انجام دیئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اس میں سرایت کر گئی تھیں پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا، دوسرے یہ کہ ان تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں۔ (تجدید واحیائے دین، ص ۸۸)

عبداللہ روپڑی: ''حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں توحید وسنت کی ترغیب اور شرک وبدعت کی تردید اور اعمال شرکیہ اور بدعتیہ کی جس عمدگی سے نشاندہی فرمائی ہے یہ انہیں کا حصہ ہے اور ایمان واعتقاد کی سلامتی کیلئے صحابہ کرام اور علمائے سلف کے تعامل کا جو سنہری اصول پیش فرمایا ہے۔ یہ ہر قسم کے الحاد اور گمراہی کی شناخت کیلئے راہنما بھی ہے اور اس سے بچنے کیلئے تریاق بھی۔'' (ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث ص ۳، ۱۳ نومبر ۱۹۵۹ء)

ملک حسن علی جامعی: ''اگر اہل اسلام انصاف سے کام لیکر شیخ مجدد کی تعلیمات کو آویزہ گوش بنائیں تو مسلمانوں کی بہت سی تلخیاں دور ہو سکتی ہیں اور بہت سے خانہ برانداز جھگڑے نمٹائے جا سکتے ہیں'' (تعلیمات مجددیہ، ص ۲۳)

علامہ داؤد غزنوی: ''اس نازک زمانہ میں اسلام کی نصرت وحمایت کیلئے

اللہ تعالیٰ نے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد السر ہندیؒ کو پیدا فرمایا جو تمام داعیانہ صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔'' (الاعتصام ۱۳ نومبر ۱۹۵۹ء) ''حضرت مجدد کے مکتوبات میں علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے خزانے پنہاں ہیں۔'' (الاعتصام ۳ جون ۱۹۵۵ء)

جدید مورخین کی نظر میں

☆

ڈاکٹر زبید احمد: ''شیخ احمد سرہندی درست طور پر ''مجدد الف ثانی'' ہیں، اس لئے کہ انہوں نے دوسرے ہزار سال کے مسلمانوں میں نئی روح پھونکی اور کامیابی سے اکبر کی کفریہ سرگرمیوں کا مقابلہ کیا۔'' (دی کنٹری بیوشن آف انڈیا)

ڈاکٹر محمد یٰسین: ''زمانہ جہانگیر کی تاریخ رقم کرتے وقت اگر اس دور کی سیاست پر حضرت مجدد کے اثرات کا ذکر نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ تاریخ ہی نامکمل ہو کر رہ جائے گی۔'' (اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا)

پروفیسر عزیز احمد: ''بلاشبہ آپ کی رشحاتِ قلم نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار کا خاتمہ کیا اور مذہبی حرارت اور قوت تصوف کو جلا بخشی'' (اسٹڈیز ان اسلامک کلچر)

ڈاکٹر حفیظ ملک: ''شیخ صاحب کی عظمت اور بادشاہ کے سامنے سجدہ سے انکار کو ڈاکٹر اقبال نے بہت سراہا ہے اور انہیں امت اسلامیہ کا نگہبان اور محافظ قرار دیا ہے۔'' (مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان)

ڈاکٹر اشتیاق احمد: ''جہانگیر کے دور میں مجدد الف ثانی آگے آئے اور لگاتار کوشش سے تجدید دین کا آغاز کیا۔ چنانچہ اس انقلاب کے اثر میں جو کوششیں

ظاہر ہوئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہان، اورنگ زیب کے درباروں میں دیکھی جا سکتی ہیں"

مولانا عارف اللہ قادری: "الف ثانی کے مجددین میں سرفہرست شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (م۔۱۰۳۴ھ) کا نام نامی آتا ہے، جس کی شان تجدید کی جلالت ایوان حکومت سے لے کر جیل کی چار دیواری اور عوام کی مجالس تک ہر جگہ نظر آتی ہے۔" (حالات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۸)

مغربی مفکرین کی نظر میں

☆

ڈاکٹر فری سینڈا ایبٹ: "اس میں شک نہیں کہ شیخ احمد کے اثرات نہایت ہی شاندار تھے۔ آپ نے تبلیغ و ارشاد سے، بحث و مباحثے سے اور رسل و رسائل سے اہم امراء کو باور کرایا کہ ہندوستان میں اسلام کے اندر بہت سی بدعات داخل ہو گئی ہیں، ان کو ترک کرنا چاہئے اور اسلام کی طرف لوٹ آنا چاہئے۔

پروفیسر پیٹر ہارڈی: "شیخ احمد سرہندی کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہند میں اسلام کو خود تصوف کے ذریعہ متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشاء و مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا" (سورسز آف انڈین ٹریڈیشنز)

پروفیسر مارگولیوس اور سر ہملٹن: سترھویں اور اٹھارویں صدی کے درمیان ممتاز فضلاء نے یکے بعد دیگرے یہ کوشش کی کہ اسلامی دنیا کو نئی بنیادوں پر قائم کیا جائے، ان حضرات نے مذہب میں نفسیاتی اور اخلاقی عناصر پر زیادہ زور دیا۔ کیونکہ ان سے قبل اس طرف اتنی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ یہ حضرات شام کے عبدالغنی نا

بلسی، شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ (ہندوستان) قابل ذکر ہیں۔" (محمد ازمرتس
۱۶۶، ہسٹوریکل سرد یو)

☆......☆......☆

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہ القوی

☆☆☆

الف ثانی کے سرفہرست مجدد حضور امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ جنھوں نے اکبر و جہانگیر کے پرفتن دور میں دین اسلام کی بقاوسالمیت کے لیے دن رات محنت کی۔اسی دور میں ایک اور نام نجم آرزو بن کر چمک رہا ہے۔اور وہ ہے۔ حضور شیخ المحدثین، عمدۃ المفسرین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا نام مبارک جن کے فیضان سے دیار ہند میں علم حدیث کا سرچشمہ بیدار ہوا اور لاکھوں تشنہ کام سیراب ہونے لگے۔

ابتدائی حالات:

حضرت شیخ ماہ محرم ۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد گرامی مولانا سیف الدین بہت صاحب دل بزرگ، بلند پایہ شاعر۔اور بذلہ سنج درویش تھے۔سیفی تخلص تھا۔انہوں نے پانچ سو اشعار پر مشتمل مثنوی "سلسلۃ الوصال" ایک دن میں تخلیق فرمائی۔آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے۔تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کی وحشت و بربریت سے تنگ آ کر ہندوستان تشریف لے آئے۔یہ سلطان علاؤالدین خلجی کا زمانہ تھا۔ سلطان خلجی نے ان کو خوب نوازا اور اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ان کے ایک سو ایک بیٹے

تھے۔ مگر تقدیر ربانی دیکھئے ۔سو بیٹے انتقال کر گئے۔اور سب سے بڑے بیٹے معزالدین زندہ رہے۔ اور اپنے والد کے ہمراہ گجرات سے دہلی آ گئے۔ پھر آپ کا خاندان دہلی میں قیام پذیر ہوااورلوگوں کی نگاہ میں نہایت عزت وتوقیر حاصل کی۔

حضرت شیخ نے ابتدائی تعلیم والدگرامی سے حاصل کی۔والدگرامی نے آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔اخبارالاخیار میں خودفرماتے ہیں۔

"رات دن میں ان کے کنار رحمت اور جوار عنایت میں تربیت حاصل کرتا رہا۔"

آپ نے خداداد فطانت وذہانت کی بدولت تین ماہ میں سارا قرآن پاک پڑھ لیا۔ پھر نہایت قلیل عرصے میں کتابت میں بے مثال ہو گئے۔آپ نے اس عرصے کوایک ماہ پر مشتمل بتایا ہے۔(اخبارص ۳۱۱)

آپ نے ایک سال یا کچھ زیادہ مہینوں میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔حفظ قرآن کے بعدعلوم عربیہ کی طرف توجہ ہوئی۔میزان الصرف،مصباح وکافیہ تک والد گرامی سے پڑھیں۔بارہ سال کی عمر میں شرح عقاید اورشرح شمسیہ کا درس مکمل کرلیا ۔پندرہ سال کی عمر میں مختصر ومطول سے فارغ ہو گئے۔آپ کوشروع سے ہی کتب بینی کاازحد شوق تھا۔والد صاحب کچھ دیر کھیلنے کے لیے کہتے تو عرض کرتے۔میری تفریح تو بس اسی پڑھنے لکھنے میں ہے۔مطالعہ کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ کئی بار سر کے بال اور عمامے جل گئے ۔اور آپ کوکوئی خبر نہ ہوئی۔آپ نے مدرسہ کی حاضری کواپنے اوپر فرض کرلیا تھا۔

عربی وفارسی کی تحصیل کے بعد ماوراالنہر کے علماءکرام سے استفادہ کیا۔آپ کے اساتذہ فرماتے ما ازتو مستفیدیم و مارابرتو منتے نیست۔ ہم بھی تم سے استفادہ

رتے رہے، ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں (اخبار ص ۳۱۲)

والد گرامی ،تصوف کا گہرا شغف رکھتے تھے، آپ کو نماز و روزہ اور اوراد و وظائف ورثے میں نصیب ہوئے۔ فراغت تعلیم کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔ یہ اکبر اعظم کا زمانہ تھا۔ سفر حجاز ۹۹۶ھ کو اختیار کیا۔ راستے میں احمد آباد میں کچھ دیر رکے اور حضرت وجیہ الدین قادری علیہ الرحمۃ سے استفادہ کیا۔

حجاز مقدس رمضان المبارک سے پہلے پہنچے۔ ۹۹۶ھ تک مکہ اور مدینہ کے علما سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ متقی علیہ الرحمتہ سے مشکوۃ پڑھی۔ پھر حرم شریف کے ایک حجرہ میں ریاضت کے لیے بیٹھ گئے۔ بعد ازاں حضرت شیخ متقیؒ نے فرمایا۔ عزیمت ہندوستان بکنید۔ ہندوستان کا ارادہ کرو۔ آپ حجاز مقدس کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر ان کے اصرار پر ہندوستان آنے کا ارادہ کر لیا۔ چلتے ہوئے حضرت شیخ متقیؒ نے انہیں حضور غوث پاک کا ایک پیرہن مبارک بھی عطا کیا۔

یہ ہندوستان کا نہایت خطرناک دور تھا۔ اعتقادی گمراہیاں عروج پر تھیں۔ اعمال تباہ ہو چکے تھے۔ لوگوں میں شریعت محمدیہ کا لحاظ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ بدعت ہی بدعت پھیلی ہوئی تھی اور ان اندھیروں میں ایک ہی آفتاب تجدید روشنی بکھیر رہا تھا۔ یعنی حضور مجدد الف ثانیؒ۔ حضرت شیخ نے بھی واپس آ کر درس و تدریس کا کام شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اہل علم و عمل کے قبلہ روزگار بن گئے۔

سلسلہ تصوف:

پہلے پہل آپ نے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ پھر ان کے حکم سے حضرت موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ حضرت شیخ گیلانی نے انہیں خرقہ خلافت سے نوازا۔ یہ سفر حجاز روانہ ہونے سے پہلے کی بات

ہے۔ واپسی پر آپ حضرت خواجہ شیخ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور سلوک نقشبندیہ حاصل کیا۔

آپ کو سلسلہ قادریہ سے خصوصی شغف تھا۔ خود فرماتے ہیں۔ کہ مجھے حضور غوث پاک نے خواب میں حضور سرکار دو عالم ﷺ کے اشارے پر بیعت کیا۔ حضور پاک صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا ''بزرگ خواہی شد'' ایک مقام پر اپنے صاحبزادہ شیخ نور الحق شارح بخاری کو مکتوب میں لکھتے ہیں۔:

''فقیر کا مرجع حضور غوث پاکؓ کے وسیلہ سے حضور سید کائنات ﷺ ہیں۔

جہانگیر سے تعلق:

اکبر اعظم کے انتقال کے بعد آپ نے اس کے بیٹے نور الدین جہانگیر سے تعلق قائم کیا اور اسے فرائض و واجبات پر مشتمل ایک رسالہ لکھ کر دیا۔ یہ رسالہ چالیس احادیث مبارکہ پر مبنی تھا۔

وصال مبارک:

آپ نے ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی عمر مستعار چورانوے سال تھی۔ آپ کی وصیت قابل مطالعہ ہے۔

''فقیر کی دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت عطا فرمائے۔ اور حضور محبوب پاک ﷺ کے شہر مبارک میں عطا فرمائے۔ اگر ایسا ہوا تو وصیت کی ضرورت نہیں۔ ورنہ حوض شمس کے اوپر جو نیکوں کی اور مغفوروں کی جگہ ہے وہاں مجھے دفن کر دیں۔ قبر کو وسیع کریں۔ اس کی دیواریں کچی اینٹ سے اوپر تک لائیں۔ اوپر والی دیوار میں طاق بنائیں۔ اور پیران عظام کے شجرے اس میں رکھ دیں۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت شیخ نور الحق دہلویؒ نے پڑھائی۔

اوصاف وکمالات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو بہت عظیم اوصاف و کمالات سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس دور کی مذہبی و اعتقادی بدعنوانیوں پر سارا عالم گواہ ہے۔ جاہل صوفیہ۔ بے عمل علماء اور باغی شریعت بادشاہ ملت اسلامیہ کے وجود کو زہریلے ناگوں کی صورت ڈس رہے تھے۔ کہیں مہدویت کا فتنہ تھا۔ کہیں نظریہ الفی سر اٹھا رہا تھا۔ کہیں تصور امام اور دین الٰہی کے طوفان بڑھ رہے تھے۔ عقل پرستوں کی شورش اپنی جگہ تھی۔ اس دوران حضرت شیخ نے اسلام کے عقائد و اعمال کی ترویج کے لیے اہم کردار ادا فرمایا۔ اس دور میں مقام مصطفےٰ ﷺ کے تحفظ کی اشد ضرورت تھی۔ آپ نے اپنی تصانیف رسائل میں اسی موضوع پر خوب عشق ومحبت سے لبریز مقالے رقم فرمائے۔

ذیل میں ہم آپ کے چند اوصاف وکمالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

علم وفضل:

حضرت شیخ علم وفضل کے چراغ تھے۔ آپ کو قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم و معارف پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ علاوہ ازیں مختلف علوم وفنون پر آپ نے تریسٹھ سے زیادہ تحقیقات پیش فرمائیں۔ جن میں ہر ایک اپنی جگہ علم وفضل کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے۔ کہ "آپ اپنے وقت کے امام محدثین ہوئے۔" خافی خان نے لکھا ہے۔ کہ آپ صوری ومعنوی کمالات اور عقلی ونقلی علوم میں بالخصوص تفسیر وحدیث میں پورے ہندوستان میں بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔

(منتخب اللباب ص ۵۵۱)

آپ کا یہ اہل ہند پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے اس پر آشوب دور میں اپنے

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کران تک پہنچایا۔مشکوۃ آپ کی پسندیدہ کتاب ہے۔آپ نے اس کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' کے نام سے رقم فرمائی جو عشق و آگہی کا مینار نور ثابت ہوئی۔آج تک لوگ اس کے چشمہ صافی سے پیاس بجھا رہے ہیں۔

آپ عظیم محدث تھے۔اس کے ساتھ حدیث فہمی کا جوہر قابل بھی رکھتے تھے۔آپ نے لوگوں کو قرآن وحدیث کی دہلیز پر جھکا دیا۔فرماتے ہیں۔

علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث

ہر کہ خواند غیر ایں گردد خبیث

آپ مسلکاً سنی وحنفی تھے۔اس لیے تمام عمر سنیت وحنفیت کا پرچم بلند کرتے رہے۔آپ کے نزدیک فقہ وتصوف میں کوئی فرق نہیں۔آپ حقیقی تصوف کے پرزور حامی تھے۔اور سچے صوفیہ کا احترام کرتے تھے۔آپ نے ہمیشہ ان ''صوفیہ خام'' کو رد فرمایا جو شریعت وطریقت کے درمیان الحادی دیواریں کھڑی کر رہے تھے۔آپ کا ارشاد ہے۔بنائے طریقت مابر کتاب وسنت است وہر چہ مخالف کتاب وسنت است و خارج از آں است مردود وباطل است

آپ نے تفسیر۔تجوید۔حدیث۔عقائد۔فقہ۔تصوف۔اخلاق۔عملیات۔فلسفہ۔منطق۔تاریخ۔نحو۔سوانح۔سیر،مکاتیب اور خطبات کے فن میں کمال درجہ کی کتابیں تحریر فرمائیں۔اعلیٰحضرت بریلوی کے بقول اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو قلم محفوظ عطا فرمایا تھا۔چند مشہور کتابوں کا نام درج ذیل ہے۔

(۱) تعلیق الحاوی علی البیضاوی (۲) جمع الاحادیث الاربعین (۳) اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ (۴) ماثبت بالسنۃ (۵) اسماء الرجال والرواۃ (۶) الاکمال فی اسماء

الرجال (۷) تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان (۸) فتح المنان فی تائید مذہب النعمان (۹) شرح فتوح الغیب ۔(۱۰) آداب الصالحین (۱۱) جذب القلوب الی دیار المحبوب (۱۲) مدارج النبوۃ (۱۳) زبدۃ الآثار ۔(۱۴) اخبار الاخیار فی احوال الابرار ۔(۱۵) تحقیق الاشارہ الی البشارہ ۔(۱۶) شرح سفر السعادۃ ۔

عشق ومحبت:

حضرت شیخ حضور سرکار دو عالم ﷺ کے عشق ومحبت کے اوج کمال پر فائز تھے ۔آپ نے حضور ﷺ کی شان وعظمت جن الفاظ وجذبات کے ساتھ بیان کی ہے ۔آپ کا ہی حصہ ہے ۔حضور ﷺ کی نعت آپ کی تحریروں کی جان دکھائی دیتی ہے ۔چند شہ پارے ملاحظہ فرمائیے ۔

☆......حضور پاک ﷺ نے تمام عالم اور اس کے حقائق کو جان لیا ۔(اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۳۳۳)

☆......حضور ﷺ نے مبدا ومعاد کے تمام احوال بیان فرما دیئے ۔(ایضاً) جلد ۴ ص ۴۴۴)

☆......حضور ﷺ تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں ۔سب ظاہری وباطنی علوم کا احاطہ فرمایا اور فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہو گئے (مدارج النبوۃ جلد اول)

☆......زمانہ آدم سے لیکر قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب حضور پر ظاہر فرمایا گیا ۔ تا کہ اول وآخر کے تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں ۔حضور نے بعض

حالات کی اپنے صحابہ کرام کو خبر دی۔ (مدارج النبوۃ باب ۵)

☆...... حضور ﷺ کو سب خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں اور خزانے ان کو عنایت کئے گئے۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ شاہان فارس و روم کے خزانے اور باطن یہ ہے کہ اجناس عالم کے خزانے، سب کے رزق ان کے دستِ قدرت و اختیار میں دے دیئے گئے اور انہیں ظاہر و باطن سب کی تربیت کی قوت حاصل ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱)

☆...... شارع علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جو حکم چاہیں خاص کر دیں (مدارج جلد ۱)

☆...... جن و انس کے تمام ملک اللہ کی عطا سے حضور ﷺ کے تصرف و قدرت میں ہیں۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱، ص ۳۳۷)

☆...... اللہ تعالیٰ نے حضور کے جسم اطہر کو یہ قوت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ قبر میں یا اور کہیں۔ تو درست یہ ہے کہ قبر سے ہر حال میں نسبت رہتی ہے۔ (مدارج جلد ۲)

☆...... حضور امت کے تمام احوال و اعمال سے باخبر ہیں اور خاصان بارگاہ کو فیض عطا کرتے ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔ (جامع البرکات)

☆...... اس بات پر کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور حقیقی زندگی کے ساتھ دائم و باقی ہیں، اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبانِ حقیقت کیلئے فیض رساں ہیں۔ (سلوک اقرب السبل)

☆...... حضور انور ﷺ کی زیارتِ (قبر مبارک) تمام علمائے دین کے قولی اور عملی اجماع سے سب سے افضل سنتوں اور سب سے موکد مستحبات میں سے

ہے۔(جذب القلوب)

☆...... حضور ﷺ کا وسیلہ مقصد میں کامیابی کا باعث ہے (جذب القلوب ص ۲۲۰)

☆...... تمام اہل خیر کیلئے شفاعت مصطفےٰ ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات جلد ۴، ص ۴۰۸)

☆...... شفاعت کا انکار بد مذہبی اور گمراہی ہے جیسا کہ خوارج و معتزلہ اس کے منکر ہیں۔(ایضاً)

☆...... ابولہب جو کافر تھا، حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں باندی آزاد کر دینے سے اسے حضور ﷺ کی طرف سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت و مسرت سے مال صرف کرتا ہے۔(یعنی میلاد مناتا ہے)

دوستاں را کجا کنی محروم　　　　تو کہ بادشمناں نظر داری

☆...... حضور کے اسماء گرامی میں ایک اسم نور ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔(مدارج النبوۃ)

☆...... سرکار کی سیر گرامی اور معراج سب بیداری میں اور جسم اقدس کے ساتھ واقع ہوئی۔(ایضاً) حضور کیلئے معراج کی رات دیدار الٰہی واقع و ثابت ہے (اشعۃ اللمعات)

حضرت شیخ کو حضور سرور کائنات ﷺ کے عشق و محبت کی بدولت صحابہ کرام، آل اطہار اور اولیاء عظام سے بھی محبت تھی، حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی لگاؤ تھا، فرماتے ہیں:

دیگران قطب اند، او قطب الاقطاب است و اگر
ایشاں سلاطین او سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام را

زندہ گردانید، ملت کفر را بمیرانید کہ الشیخ یحیی ویمیت۔ (اخبار ص ۳۱۵)۔

اوست در جملہ اولیا ممتاز چوں پیمبر در انبیا ممتاز

آپ اولیا کرام اور مقبولان خدا کی کرامات وتصرفات کے قائل ہیں، ان سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں، ان کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں اعراس کو درست جانتے ہیں۔ اوران کے مناقب وحالات کو باعث نجات گردانتے ہیں۔ ان تمام امور کے نظائران کی کتابیں پڑھنے والوں سے مخفی نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

حضرت شیخ، حضرت مجدد کے عہد میں ہوئے۔ اس لئے ان کے درمیان چند اختلافات کا ظہور ہوا۔ تفصیل یہ کہ حضرت مجدد کے ایک مکتوب نگار نے ان کی تحریر میں خلاف واقع الفاظ کو شامل کر کے لوگوں میں پھیلا دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت شیخ نے ان الفاظ کی تردید لکھی اور حضرت مجدد کے بارے میں عجیب طرح سے سوچنے لگے۔ اس واقعہ کو بعض دشمنان مجدد نے خوب ہوا دی ہے اور اسے بڑی تاریخی تحقیق کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد نے ان کے تمام اعتراضات دور کر دیئے تھے جس سے حضرت شیخ اور حضرت مجدد کے درمیان تمام اختلافات ختم ہو گئے۔

اخبار الاخیار کے آخر میں انہوں نے حضرت مجدد کا بڑے شاندار انداز سے ذکر کیا ہے۔ اور انہیں مقبولان بارگاہ ایزدی میں شمار کیا ہے۔ ان کے ذکر کے بغیر اپنی اس کتاب کو نامکمل تصور کیا ہے۔ جیسا کہ اہل مطالعہ جانتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

میں پردہ ہائے بشریت کی وجہ سے شیخ احمد کو سمجھنے میں مجبور رہا، ان کا باطن

انتہائی صاف وشفاف ہے۔(اخبار، ص۳۲۶)

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی زبان وقلم کو بزرگوں کی بے ادبی سے روک لیں تاکہ حسن خاتمہ کی سبیل پیدا ہو سکے۔

............☆☆☆............

قرن دوازدھم

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر مجددی رضی اللہ عنہ

سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ

☆☆☆

عظیم مغل فرمانروا شاہجہان کے بعد اس کے بیٹوں اورنگزیب، شجاع، دارا شکوہ اور مراد کے درمیان خانہ جنگی کی ہولناک کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس عہد کا مذہبی و سیاسی ماحول بہت ناگفتہ بہ ہو گیا۔ دارا اور شجاع نظریاتی طور پر اکبر اعظم کی تصویر ثابت ہوئے۔ ابتداً دارا صوفیہ کرام کا بہت عقیدت مند تھا۔ جس کی مثال اس کی شہرہ آفاق کتاب سفینۃ الاولیاء ہے۔ وہ صوفیہ متقدمین کی تقلید پر نازاں تھا۔ اس کے دل میں حضرت میاں میر لاہوری کی محبت نقش تھی۔ بعد ازاں تصوف کے بے محابا مطالعہ نے اسے چند "صوفیہ خام" کی جاروب کشی پر مجبور کر دیا تو اس کے افکار میں انقلاب پیدا ہوا۔ اب وہ ملا شاہ بدخشی، شیخ محب اللہ الہ آبادی، محسن فانی کشمیری، حضرت سرمد، اور بابالال وغیرہ کی صحبت وارادت کے باعث ہدایت سے بہت دور نکل گیا۔ وہ سکر کو نماز سے برتر سمجھنے لگا، شریعت پر الحاد کو ترجیح دینے لگا، رشتہ تسبیح و زنار کو ایک انداز سے دیکھنے لگا۔ راسخ العقیدہ علماء کرام اسے ملایان قشر اور زاہدان خشک نظر آنے لگے۔ مجمع البحرین جیسی کتاب لکھ کر "وحدت ادیان" کا مبلغ ہو گیا۔ سرمد جیسے آزاد منش لوگ اسے کعبہ و بتخانہ، کے امتیازات سے ناآشنا کر گئے۔ تو وہ کفر اور اسلام کو ایک ہی لڑی میں پرونے لگا۔ اس نے سمادھی بابالال "تعمیر کر ڈالی جہاں جہالت کی

درس گاہ قائم تھی۔ دارا کے خیالات کا اندازہ اس کی اپنی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

''الحمد للہ کہ از برکت صحبت ایں طائفہ شریفہ مکرمہ معظمہ از دل ایں فقیر اسلام حقیقی برخاست و کفر حقیقی روہی نمود، قدر کفر حقیقی دانستم، زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم یعنی اس شریف، مکرم اور معظم گروہ کی صحبت کی برکت سے اس فقیر کے دل سے ''اسلام حقیقی'' برخاست اور'' کفر حقیقی'' نمودار ہو چکا ہے۔ کفر حقیقی کی قدر جانتا ہوں، زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست ہوں اور دیر نشین ہوں۔ (رقعات عالمگیر ص ۳۲۲)

اس طرح وہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی بنیادی فرق تصور نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک'' حقیقت الحقائق'' اور'' تحقیق رموز ودقائق'' یہ ہے کہ صوفیہ اور ہندو مت میں اختلاف لفظی ہے۔ (مجمع البحرین ص ۸۰)

دارا نے ہندوؤں کی مشہور کتاب اپنشر کا ابتدایہ لکھا، جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کی رائے دیکھئے:

''اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے۔

(مقالات، جلد ۷، ص ۱۰۱)

علاوہ ازیں اس نے اپنی مہر پر اسمائے الٰہی کی بجائے'' پربھو'' کندہ کروایا جو ہندوؤں کا دیوتا ہے، اسے مندروں کی تعمیر و آرائش میں خصوصی دلچسپی تھی، اس نے ہندوؤں کے ٹیکس بھی معاف کرائے، اس نے غلط صوفیہ کو بڑے بڑے القاب سے نوازا اور اسلام کے نمائندوں کو'' بد بختانِ شریر'' اور'' ابو جہلان محمدی مشرب'' جیسی

رفیق گالیاں دیں، اس کے چند اشعار اسکے اندر کی عکاسی کرتے ہیں ۔

بہشت آنجا کہ ملائی نہ باشد
نہ ملا شور وغوغائی نہ باشد
جہاں خالی شود از شور ملا
ز فتویٰ ہاش پروائی نہ باشد
در آں شہری کہ ملا خانہ دارد
در آنجا ہیچ دانائی نہ باشد

ان اشعار کے علاوہ بھی دیگر افکار دارا اسقدر خطرناک تھے کہ اسکا برسر اقتدار آجانا سرمایہ ملت اسلامیہ کیلئے سوہان روح تھا، جن عقائد ونظریات کا حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے جلیل القدر جانشینوں نے بڑی کاوش ومحنت کیساتھ تحفظ فرمایا، ان پر ایک اور "دین الٰہی" کی خزاں مسلط ہوجاتی، اقبال کہتے ہیں ۔

تخم الحاد ے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

دارا سے چھوٹا شجاع بنگال کا صوبیدار تھا، گو وہ بہادر تھا لیکن عیاش اور شیعہ تھا۔ اس لئے سنی امراء اسے قبول نہیں کرتے تھے سب سے چھوٹا مراد گجرات کا گورنر تھا، دلاوری کے علاوہ جہاں بانی کے دیگر اصولوں سے نا آشنا تھا، شراب اور شکار کا شوقین تھا، اس لئے امراء اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ (ریاض التاریخ ص ۲۶۴)

ان حالات میں صحیح نائبان مصطفیٰ کی روحانی توجہ سے اورنگ زیب عالمگیر اسلام کا پاسبان بن کر ابھرا، عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے ساتھ اس کے گہرے عقیدتمندانہ تعلقات تھے، بلکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ عالمگیر کی کامیابی

میں سرہندی ونقشبندی حضرات کی تحریک شامل تھی۔

ابتدائی حالات:

سلطان اورنگ زیب ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ/ ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو مغل شاہی خاندان میں پیدا ہوا، اس وقت نامور علماء کرام مولانا عبدالطیف سلطان پوری، میر محمد ہاشم گیلانی، ملاموہن بہاری، علامہ سعد اللہ خان، مولانا احمد جیون، مولانا سید محمد قنوجی، مولانا عبدالقوی اور دانشمند خان وغیرہ سے علم وفضل کی منزلیں طے کیں، تخت نشین ہونے کے بعد حفظ قرآن کی دولت حاصل کی، خاندان مغلیہ میں یہ واحد بادشاہ ہے جسے یہ دولت نصیب ہوئی۔ علم حدیث وتفسیر اور تصوف اسلامی کا گرویدہ تھا، بخاری شریف کا درس نبیرہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ محمد فرخ مجددی سرہندی علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا۔ عالمگیر کے تمام اساتذہ کرام صحیح العقیدہ اور باعمل علماء تھے۔ جن کی برکت نے اسے فلسفہ ہنود سے ہمیشہ دور رکھا، اسے دین کی فقہ سے خصوصی شغف تھا۔ جس کا عملی ثبوت ''فتاویٰ عالمگیریہ'' کا عالمگیر کارنامہ ہے، تصوف میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتابیں احیا العلوم اور کیمیائے سعادت اکثر اس کے مطالعہ میں رہتیں۔ (مقدمہ رقعات عالمگیر ص ۱۲۹) اس کی فطرت میں اسلامی تعلیمات کا اثر و نفوذ اسقدر تھا کہ دارا اور اس کے حواری برسر دربار اسے ''نمازی اور فقیر'' کہہ کر مذاق اڑاتے تھے۔ (ایضاً)

شاہجہان کو دارا کے ساتھ محبت تھی۔ اس نے اسے سلطنت مغلیہ کا وارث قرار دیا۔ یہ اسلامیان ہند پر ظلم عظیم تھا۔ عالمگیر نے اس سازش کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ جسے '' جنگ تخت نشینی'' کہا جاتا ہے۔ عالمگیر کے سوانح نگار ''لین پول'' نے '' عالمگیر ص ۶۰'' یہ لکھا ہے۔ کہ ''اس نے بڑی جرأت کے ساتھ اکبر اور دارا کے نظریات

کے خلاف ردعمل کے طور پر کام کیا" اس ردعمل میں تمام علماء ومشائخ نے بھرپور ساتھ دیا۔ دعائیں کیں، کیونکہ ہندو اکبر جیسا بادشاہ چاہتے تھے اور مسلمان اس بدقسمتی کا شکار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ (عہد عالمگیر، ص ۲۸)

اس سلسلہ میں شہزادگان مجددا اور قاضی عبدالوہاب جیسے سرکردہ لوگوں نے حمایت کی۔ شیخ برہان الدین شطاری نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ حضرت خواجہ آدم بنوری جیسے بزرگوں نے عالم رویا میں اپنے متوسلین کو عالمگیر کی تائید ونصرت کی تاکید فرمائی۔ خواجہ محمد امین بدخشی لکھتے ہیں" سیدنا ومولانا قدس سرہ، بامر حضرت افضل المخلوقات علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والتسلیمات بر خلفائے خود ظہور نمودہ فرمودند، اورنگ زیب را در حمایت دارید" (نتائج الحرمین)

واقعات جنگ:

۱۶۵۷ء میں شاہجہان آگرہ میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا، دارا کے سوا باقی تمام شہزادے اپنے اپنے صوبوں میں تھے، دارا نے بہت کوشش کی کہ باپ کی بیماری کی خبر دوسروں تک نہ پہنچے لیکن انہیں پتہ لگ گیا اور ہر ایک نے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے شجاع نے بادشاہت کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ اور ایک زبردست لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا لیکن دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ نے اسے شکست دے کر بنگال کی طرف بھگا دیا، عالمگیر نے اپنی حیثیت مضبوط کرنے کیلئے مراد کو ساتھ ملایا اور اسے پنجاب، کابل، کشمیر اور سندھ کے صوبے دینے کا وعدہ کیا۔ دونوں کی فوجیں آگرہ کی طرف بڑھیں، دارا کی طرف سے جسونت سنگھ مقابلے کو نکلا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ شاہجہان صحت مند ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ عالمگیر کے مقابلے میں خود نکلے مگر دارا نے یہ بات قبول نہ

کی۔ وہ خود ایک زبردست فوج لیکر اپنے بھائیوں کے مقابلے میں آ گیا۔ ۲۹ مئی ۱۶۵۷ء میں ''ساموگڑھ'' کے مقام پر عظیم معرکہ ہوا۔ دارا کی فوج بڑی بہادری سے لڑی، قریب تھا کہ وہ جیت جاتی، دارا زخمی ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ جس سے فوج نے سمجھا کہ ہاتھ کا ہودہ خالی ہے اور وہ حوصلہ ہار بیٹھی۔ اس کے قدم اکھڑ گئے، دارا بھی بھاگ گیا، عالمگیر نے کوئی موقع ضائع کرنے کی بجائے نہایت تیز رفتاری کیساتھ آگرہ پر قبضہ کیا۔ شاہجہان نے اسے قلعہ میں بلایا مگر وہ جانتا تھا کہ اسکا باپ اسے قتل کرنا چاہتا ہے، لہذا اس نے باپ کو قلعے میں نظر بند کر دیا۔ اس فتح کے بعد مراد نے متھرا میں جشن منایا اور خوب دادعیش دی۔

اورنگ زیب نے برافروختہ ہوکر اسے گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا۔ جہاں اسے بعد میں مارڈالا گیا۔ شجاع نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی لیکن کھجوا کے مقام پر شکست کھا کر ارکان کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں کے راجہ نے اسے اہل وعیال سمیت قتل کر دیا۔ دارا شکوہ سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں اس نے ایک ملک کے ہاں پناہ لی۔ جس نے غداری کی اور اسے اورنگ زیب کے حوالے کر دیا۔ دارا کو پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک مریل ہاتھی پر سوار کر کے شہر دہلی میں پھرایا گیا۔ اس کے بعد قتل کر دیا، اس طرح اورنگ زیب سلطنت مغلیہ کے تاج وتخت کا وارث بن گیا (ریاض التاریخ، ص ۵۶۶) عالمگیر نے دارا کو نظر بند کیا تھا مگر اس کے کفریہ کردار کو سامنے رکھ کر علمائے وقت اور اس کی بہن روشن آرا بیگم اور دوسرے رشتہ داروں نے اس کے قتل پر صاد کیا (تاریخ شاہجہانی) تذکرہ سلاطین چغتائی، واقعات عالمگیری، نسخہ دلکشاء اور فتوحات عالمگیری جیسی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ دارا کے قتل سے پہلے علمائے کرام سے قانونی فتویٰ حاصل کیا گیا تھا۔ مشہور سیاح برنیئر نے بھی اس کا

اعتراف کیا ہے۔

بعض آزاد خیال لوگ عالمگیر کے اس کردار پر انگشت نمائی سے باز نہیں آتے کہ اس نے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، بھائیوں کے ساتھ کس انداز سے پیش آیا۔ اس قسم کے اعتراضات کرنے والے لوگ اس کے عظیم مشن سے قطعی بیگانہ ہیں۔ جس انسان کے سامنے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سر بلندی کا مقصد ہو وہ اپنے حق نا آشنا باپ اور دین دشمن بھائیوں کے گلے میں پھولوں کے ہار کیونکر ڈال سکتا تھا۔ اس نے اپنے خونی رشتوں پر اسلام کی بقا اور سالمیت کو ترجیح دی۔ یہ ایک مومن کامل کا کردار ہے اس نے شاہجہان کے نام خط میں کتنے درد انگیز الفاظ سے اپنا مدعا بیان کیا ہے۔

''خدانخواستہ اگر آپ کی حمایت سے وہ بدکیش کامیاب ہو جاتا تو سارا عالم کفر کی ظلمت اور ظلم وستم سے تاریک ہو جاتا، شرع شریف سے رونق جاتی رہتی اور قیامت کے دن آپ سے اسکا جواب دینا بہت ہی مشکل ہو جاتا'' (رقعات عالمگیر ص ۲۱۲) نظر بند کرنے کے باوجود اس نے باپ کی شان میں کوئی بے ادبی نہیں کی۔ وہ بدستور تخت پر بیٹھتا اور بڑے بڑے امراء آکر اسے شاہانہ سلام کرتے اور ہر کام کے متعلق وہ حکم جاری کرتا۔ (روضہ قیومیہ، جلد ۲، ص ۲۰۲)

اہل قلب ونظر حضرات کے نزدیک تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ وہ تو عالمگیر کی تلوار کو بارگاہ رسالت کی عطا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

''جب حضرت خواجہ محمد معصوم مواجہہ کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے کہ واپسی کے سلسلہ میں آپ کی مرضی مبارک معلوم کریں، تو انہیں واپس جانے کا واضح اشارہ ہوا۔ ان کے

دل میں دارا شکوہ کی شریعت دشمنی اور اس سلسلہ سے اسکی عداوت اور انتقامی جذبات کے بارے میں گمان گزرا تو حضرت رسالت پناہ ﷺ نے دارا کے قتل کا اشارہ فرمایا تو حضرت خواجہ سمجھ گئے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے طفیل یہ دشمن اسلام قتل ہو چکا ہے" (حسنات الحرمین فصل آخر)

اس جنگ کے نتائج کے بارے میں ایک بشارت نامہ عالمگیر نے "حضرات مجددیہ" کی بارگاہ میں ارسال کیا، جسمیں اعلیٰ القابات لکھنے کے بعد اس نے لشکر اسلام کی "اعدائے دین" پر فتح ونصرت حاصل کرنے کی خوشخبری سنائی۔

از دست زبان کہ برآمد کز عہدہ شکرش بدر آمد

عہد حکومت:

تخت نشینی کی جنگ کے تھوڑے عرصے بعد ۱۶۵۸ء میں شاہجہان فوت ہو گیا، اس کے بعد عالمگیر کا طویل دور شروع ہوتا ہے۔ وہ ۴۰ سال کی عمر میں حکمران بنا، اس کے پچاس سالہ عہد حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا حصہ ۱۶۵۸ء تا ۱۶۸۱ء، جسمیں اس نے شمالی ہند کے معاملات طے کرنے کا کمال دکھایا۔ دوسرا حصہ ۱۶۸۲ء تا ۱۷۰۷ء ہے، جس میں اس نے دکن کے معاملات سلجھانے یعنی بیجاپور، گولکنڈہ کی شیعہ ریاستوں اور مرہٹوں کے خلاف دل کھول کر لڑا، عالمگیر کی دینداری اور اسلام پسندی کی وجہ سے تمام طاغوتی طاقتیں اس کیخلاف تھیں۔ شیعہ، راجپوت، جاٹ، مرہٹے سب اس کے ساتھ برسرپیکار ہوئے لیکن اس نے ہر میدان میں حق وصداقت کا پرچم بلند کیا۔ نارنول کے تقریباً پانچ ہزار افراد نے بغاوت کر دی۔ یہ ہندوؤں کا ایک ست نامی فرقہ تھا۔ عالمگیر نے اسے بھی ٹھکانے

لگایا۔اس نے راجپوتوں پر جزیہ لگایا۔اس سے ضدی عناصر مشتعل ہو گئے مگر اسے اسکی کیا پرواتھی۔دکن میں بہت سے مسائل تھے،شیعہ ریاستوں کی موجودگی میں دکن کی تمام مقبوضات غیر محفوظ تھیں،اس نے ۱۷۰۷ء میں احمد نگر کے مقام پر وصال فرمایا۔

سیرت و کردار

☆☆☆

باقی واقعات ہم عالمگیر کی سیرت و کردار کی روشنی میں پیش کرتے ہیں،اس کی ہندو ریاعا اسے متعصب،تنگ نظر اور مذہبی دیوانہ کہتی رہی،مگر اس نے اپنی سیرت و کردار کو اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے مطابق رکھا،اس کی سیرت و کردار کے چند گوشے پیش خدمت ہیں۔

بارگاہ رسالت کا منظور نظر:

عالمگیر بارگاہ رسالت کا منظور نظر تھا۔جیسا کہ ہم نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکاشفہ سے ثابت کیا ہے،حضرت خواجہ آدم بنوری نے بھی حضور سرور کائنات ﷺ کے حکم مبارک سے اپنے متوسلین کو اس کی امداد کا حکم دیا، عالمگیر حضور سرور عالم ﷺ کے فیض یافتہ حضرات کا بھی منظور نظر تھا۔حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے فرزند کلاں حضرت خواجہ صبغت اللہ کو بغداد روانہ کیا کہ روضہ مبارک حضرت غوث الثقلین پر حاضر ہوکر عرض کرو کہ دارا شکوہ کی حمایت ترک فرمادیں، چنانچہ صاحبزادہ بزرگ بغداد میں حاضر ہوئے تو حضرت غوث اعظم نے ان کی استدعا منظور فرمالی۔(عمدۃ المقامات،ص ۳۱۸)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی روح پرفتوح بھی عالمگیر پر راضی تھی۔

انہوں نے اپنے لخت جگر خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو بشارت دی کہ دارا عنقریب دنیا سے رخصت ہوگا، اور سلطنت تمہارے مرید اورنگ زیب کے ہاتھ آئے گی۔ (روضہ قیومیہ، جلد ۲، ص ۱۷۴)

مذہب اسلام سے محبت:

عالمگیر کو مذہب اسلام سے بہت محبت تھی اس نے اسلام کو زندہ کیا اس لئے اسے ''محی الدین'' کا لقب دیا گیا ہے۔ ساقی مستعد خان لکھتے ہیں:

''حضرت خلد مکان اپنی فطری سعادت اندوزی کی وجہ سے مذہبی احکام اور شعائر کے بے حد پابند تھے۔ حنفی المذہب سنی تھے۔ اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور ان کے اجراء میں بے حد کوشاں رہتے تھے۔ حضرت ہمیشہ باوضو رہتے، نماز اول وقت مسجد میں جماعت کیساتھ ادا کرتے۔ روزوں کے پابند تھے۔ قبلہ عالم حق طلبی کے شیدائی تھے، معمول تھا کہ مسجد میں تمام رات اہل نظر کیساتھ سرگرم گفتگو وذکر رہتے۔ رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے۔ قبلہ عالم نے ابتدائے سن تمیز سے تمام مکروہات ومحرمات سے شدید پرہیز فرمایا، نغمہ وسرور سے نفرت تھی اور اسے حرام قرار دیا تھا۔ غیر مشروع لباس اور سونے چاندی کے برتنوں سے پرہیز کرتے، تمام ممالک محروسہ میں شرعی احکام جاری تھے، احتساب کا محکمہ نہایت فعال تھا غرض کہ حضرت کے عہد میں دین متین کا آوازہ بلند ہوا اور جس طرح

ملک ہندوستان میں شریعت اسلامی کا کامل لحاظ رکھا گیا اس کی نظیر فرمانروایان سابق کے کارناموں میں قطعاً معدوم ہے''
(مآثر عالمگیری، ص ۲۳۴)

پروفیسر خورشید حسین بخاری لکھتے ہیں:

''عالمگیر مغلیہ خاندان میں صحیح العقیدہ سنی اور شریعت کا پابند حکمران تھا۔ حکمرانی میں بھی اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ اسلامی شرع کی پوری پابندی کی جائے، اس اصول میں وہ معمولی لچک کا بھی قائل نہیں تھا۔ اس نے تقریباً تمام غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کیے اور جزیہ دوبارہ عائد کر دیا۔ جزیہ کے دوبارہ عائد ہونے سے اس کی ہندو رعایا اس سے ناراض ہوگئی۔ اس لئے ہندو مورخین بھی اسے تنگ نظر، متعصب اور مذہبی دیوانہ کہتے ہیں۔ وہ فرض شناس حکمران اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ خلفائے راشدین کی مانند سرکاری خزانے کو عوام کی ملکیت سمجھتا تھا اور خود درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ تمام انتظامی تفصیلات خود لکھتا اور خود ہی ان کے بارے میں احکامات جاری کرتا۔ (ریاض التاریخ، ص ۶۷۰)

حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے اس کی کامیابی کو ''صلاح عام اور تقویت اسلام'' قرار دیا (مکتوبات سعیدیہ، ص ۱۴۵) مشہور شیخ طریقت خواجہ معین الدین کشمیری نے لکھا ہے کہ ''میں عرصہ دراز سے ان بدعات و ہوا سے پریشان تھا جو اس ملک میں رائج ہیں، بیس سال کے بعد عالمگیر کا دور آیا اور مجھے اور اہل ملک کو اطمینان حاصل

ہوا تو بطور شکریہ میں نے تفسیر لکھی اور بادشاہ اورنگ زیب کے حضور پیش کی۔'' شاہ اورنگ زیب عادلے عالمگیر'' تاریخ تالیف ہے (زبدۃ التفاسیر) حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند پنجم خواجہ سیف الدین سرہندی کو عالمگیر کی استدعا پر دربار شاہی میں متعین کیا گیا کہ دفع بدعت اور ترویج سنت کا کام ہو سکے۔ خواجہ محمد معصوم بھی بادشاہ کی اسلام پسندی کی بدولت اسے ''سلطان الاسلام اور امیر المومنین'' کے القاب سے یاد فرماتے تھے اور آفتابِ دولتو سلطنت برافق مجد وعلیٰ تابان باد کے جملہ سے دعائیں دیتے تھے (مکتوبات معصومیہ) حضرت خواجہ سعید نے اسے ظل اللہ الارضین، رافع اعلام الشریعہ، قامع بنیان البدعۃ الغبراء، مالک السلطنۃ القاہرہ، کاسر اعناق الکفرۃ الاکاسرہ، محی السنۃ والاسلام، رحمۃ اللہ الانام، شہزادہ دیندار عالی قدر، ناصر الملۃ البیضاء، مروج الشریعہ الغراء، موید الدین القویم، مشید احکام الصراط المستقیم کے القاب سے یاد فرمایا (مکتوبات سعیدیہ) حضرت سلطان باہو بھی اسے احترام کیساتھ یاد فرماتے تھے۔

عدل وانصاف:

عالمگیر ٹھنڈے دل دماغ کا مالک تھا اور انکسار اور انصاف کا پتلہ تھا۔ مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوجود مشورے سے فیصلے صادر کرتا تھا، جیسے باغیوں کی سزا کے بارے میں اس نے علما کرام کے فیصلے پر عمل کیا۔ حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ اسے خراج تحسین پیش فرماتے ہیں:

> ''الحمد للہ تمہاری کامیابی دراصل ''آفتاب ہدایت'' کا طلوع ہے۔ اس سے کفر وضلالت کی ظلمت معدوم ہوگئی ہے اور الحاد و بدعت کو جڑوں سے اکھاڑ ڈالا ہے۔ اور عدل وانصاف

جس مقام کا مستحق ہے وہ اسے مل گیا ہے، اس لئے دین پروری کا تقاضا یہی ہے کہ اب فحش اور منکرات کے سد باب کیلئے بھی کوشش کی جائے۔ مساجد کی تعمیر و مرمت اور معطل شدہ مدرسے جاری کئے جائیں۔ علماء فضلاء زہاد کی تکریم کیلئے احکام صادر کئے جائیں (مکتوبات سعیدیہ)

آپ اسے ''شاہسوار مغمار استقامت، اور ذات اشرف'' تصور کرتے تھے۔ وہ بہت ہی خدا ترس، عادل اور غریبوں سے ہمدردی رکھنے والا شہنشاہ تھا۔ بلا امتیاز مذہب و ملت مظلوموں کی حمایت فرماتا اور رعایا کی خبر گیری و راحت کیلئے اپنی نیند قربان کر دیتا تھا، ایک واقعہ دیکھئے:

حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ایک رات آرام فرما رہے تھے کہ کسی فریادی نے شاہی محل میں لٹکی ہوئی زنجیر کو ہلایا، یہ زنجیر اس مقصد کیلئے لٹکائی گئی تھی کہ جو فریادی شہنشاہ کے حضور کوئی فریاد سنانے آنا چاہئے وہ زنجیر ہلا دے تا کہ شہنشاہ کو پتہ چل جائے کہ کوئی فریادی فریاد سنانے آیا ہے۔

زنجیر ہلی تو حضرت عالمگیر فوراً قلعہ کے دروازے پر تشریف لے آئے اور حکم دیا کہ فریادی کو حاضر کیا جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک ضعیفہ کو حاضر کیا گیا، ضعیفہ نے آداب شاہی بجالانے کے بعد عرض کیا، حضور! میں رام نگر (جو آگرہ سے ۱۵ میل پر ہے) سے آرہی ہوں، میری ایک جوان بیٹی ہے جس کی منگنی میری خوشی سے ایک رشتہ دار سے ہو چکی ہے۔ گاؤں کے زمیندار کا بیٹا میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے، میں نے انکار کر دیا ہے لیکن اب اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ زبردستی میری بیٹی کو اپنی ہوس کا شکار کرے۔ میں

بیوہ ہوں اور غریب۔ اور وہ زمیندار ہے میں کس طرح اس کا مقابلہ کر سکتی ہوں؟

حضرت عالمگیر نے فرمایا گھبراؤ نہیں، اس کا انتظام کر دیا جائے گا، ضعیفہ نے کہا، مجھے آج خبر ملی ہے کہ آج رات وہ آپ اپنے دوستوں کی مدد سے اسے زبردستی گھر سے نکال کر لے جائیگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو جائے گا میں یہ سنتے ہی ادھر بھاگی ہوں۔ اور ضعف و پیری کے باعث بمشکل اس وقت تک پہنچ سکی ہوں۔ آپ انتظام فرمائیں گے، مگر بے سود، جو کچھ ہونے والا تھا ہو چکا ہوگا، یا عنقریب ہو جائے گا۔

حضرت عالمگیر نے اسی وقت حکم دیا کہ دو گھوڑے حاضر کیے جائیں اور پھر تھوڑی دیر ہی میں تیاری کر کے ضعیفہ سے کچھ باتیں دریافت فرما کر حکم دیا کہ ضعیفہ کو عزت و آسائش کے ساتھ محل خاص میں پہنچا دیا جائے، اور خود مسلح ہو کر اور وزیر اعظم کو مسلح کر کے اپنے ساتھ لیا اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے رام نگر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کے قریب پہنچے تھے کہ گنجان درختوں میں سے کچھ آدمیوں کے بولنے کی آواز سنائی دی، دونوں گھوڑوں سے اتر پڑے اور اس طرف ہوئے قریب پہنچے تو اس قسم کی آوازیں سنائی دیں۔

ایک آواز: دیکھو ضدی لڑکی کیوں جان گنواتی ہو، اب بھی سمجھ جاؤ۔

دوسری مغموم آواز: ! آبرو کا صدقہ جان ہے میرے نزدیک جان کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی آواز: میں جوان ہوں، زمیندار اور صاحب دولت ہوں، خوبصورت ہوں، پھر انکار کی وجہ۔

دوسری آواز: وجہ کچھ بھی نہیں، میری ماتا نے آپ کا پیغام واپس کر دیا، میں ماتا کی امانت ہوں۔

پہلی آواز: ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔

دوسری آواز: جو پرمیشر کی مرضی۔

پہلی آواز: باداسنگھ، دمورسنگھ وغیرہ پہنچو! اس آواز کے سنتے ہی بہت سے نوجوان اِدھر اُدھر سے نکل آئے اور یہ حکم پا کر کہ اسے مارو اس لڑکی پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ اس بچاری لڑکی کو ختم کر دیں کہ شہنشاہ عالمگیر اپنی تلوار سونت کر وہاں جا پہنچے اور بادل کی طرح گرج کر فرمایا، خبردار! اور پھر بادشاہ و وزیر دونوں نے ان بدمعاشوں پر حملہ کر دیا۔ زمیندار کے گروہ نے شہنشاہ کو اس لڑکی کا ہونے والا منگیتر سمجھا اور دل کھول کر مقابلہ کیا، گنواروں کی ہڑبونگ اور لاٹھیوں کی بوچھاڑ نے شہنشاہ اور وزیر کو زخمی کر دیا، لیکن اقبال شاہی اور اصفہانی تلواروں کی کاٹ نے آخر کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کتنوں ہی کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے، باقی ماندہ بھاگ گئے۔

زخموں سے چور شہنشاہ نے اس لڑکی کو جو اس منظر کو دیکھ کر بیہوش ہو چکی تھی، گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالا اور پیچھے آپ بیٹھ کر واپس روانہ ہوئے۔ وزیر بھی زخموں سے نڈھال ہو چکا تھا۔ بادشاہ اسے بھی سنبھالے ہوئے آ رہے تھے، گھڑیال نے ابھی دو ہی بجائے تھے کہ شہنشاہ آگرہ کے قلعہ میں داخل ہوئے اور لڑکی کو اس کی ماں کے سپرد کیا اور اسی وقت حکیموں اور جراحوں کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وزیر کی مرہم پٹی کی جائے اور ہمیں مرہم پٹی کی ضرورت نہیں، زخم آپ ہی اچھے ہو جائیں گے۔ مرد ان باتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔

صبح اٹھ کر شہنشاہ نے کوتوال کو حکم دیا اور دوپہر تک رام نگر کے زخمی اور تمام آدمی جن میں وہ زمیندار بھی شامل تھا، حاضر کر دیے گئے، شہنشاہ نے فرمایا کہ ہماری

اور وزیر کی طرف سے کوئی استغاثہ ان کی ذات پر نہیں، ہم نے اپنا جرم معاف کر دیا ہاں اس مظلوم بڑھیا اور اس کی لڑکی پر جو ظلم ہوا ہے اس کی حسب قانون سزا دی جائے گی۔

ضعیفہ کو پانچ سو اشرفیاں عالمگیر علیہ الرحمۃ نے خزانہ شاہی سے دلوائیں اور جب اس لڑکی کی شادی ہوئی تو شہنشاہ اس شادی میں شریک بھی ہوئے۔ (یاد ماضی ص ۱۱۹، سچی حکایات، ص ۲۵۴)

فراست ولیاقت:

عالمگیر بہت حاضر جواب اور فراست ولیاقت کا حامل انسان تھا۔

اعلیٰحضرت بریلوی فرماتے ہیں:

''حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کو ایک بہروپیئے نے دھوکہ دینا چاہا۔ بادشاہ نے فرمایا اگر دھوکا دے دیا تو جو مانگے گا وہ پائے گا۔ اس نے بہت کوشش کی لیکن حضرت عالمگیر نے جب دیکھا پہچان لیا۔ آخر مدت مدید کا بھلاوا دے کر صوفی زاہد عابد بن کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھا۔ رات دن عبادت ہی میں مشغول رہتا، پہلے دیہاتیوں کا ہجوم ہوا۔ پھر شہریوں کا پھر امراء کا پھر وزراء سب آتے۔ یہ کسی طرف التفات نہ کرتا، شدہ شدہ بادشاہ تک خبر پہنچی، سلطان کو اہل اللہ سے خاص محبت تھی۔ خود تشریف لے گئے، بہروپیئے نے دور سے دیکھا، بادشاہ کی سواری آ رہی ہے، گردن جھکالی اور مراقبہ میں مشغول ہو گیا، سلطان منتظر رہے، دیر کے بعد نظر اٹھائی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا، سلطان مودب بیٹھ گئے۔ ان کو مودب بیٹھنا تھا کہ بہروپیا اٹھا اور جھک کر سلام کیا کہ جہاں پناہ! میں فلاں بہروپیا ہوں۔ بادشاہ تجل ہوئے اور فرمایا: واقعی اس بار میں نہ پہچان سکا۔ اب مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔ اس نے کہا اب میں آپ سے کیا مانگوں، میں

نے اس کا نام جھوٹے طور پر لیا، اس کا تو یہ اثر ہوا کہ آپ جیسا جلیل القدر بادشاہ میرے دروازے پر باادب حاضر ہوا۔ اب سچے طور پر اس کا نام لیکر دیکھوں، یہ کہا اور کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلا گیا۔ (ملفوظات اعلیٰحضرت ص ۶۰، جلد ۲)

اس کی فتوحات میں اسکی جنگی چالیں اور حیرت ناک تدابیر وتجاویز اس کی فراست ولیاقت کا ثبوت ہیں۔ دارا کے ساتھ جنگ میں اس نے دارا کی معمولی سی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور میدان کی کایا پلٹ دی، یہ اس کی بروقت اور فعال قوت فیصلہ کی دلیل ہے۔

بزرگوں کا احترام:

عالمگیر بزرگان دین کا از حد ادب واحترام کرتا تھا۔ ان کو دعوت دیتا، خطوط لکھتا اور ان کی تشریف آوری پر بارہ میل باہر نکل کر ان کا استقبال کرتا تھا۔ علامہ محمد احسان سرہندی لکھتے ہیں۔ جب اورنگ زیب نے آنحضرت خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ القیوم کی تشریف آوری کی خبر سنی کہ دکن تشریف لا رہے ہیں، تو اس موقع کو غنیمت جان کر سر کے بل دریائے نربدہ عبور کر کے شرف ملاقات حاصل کیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے تاج سلطنت اس کے سر پر رکھا........... وہ اس خوشخبری سے نہایت خوش ہوا اور آداب قیومیت بجالایا اور ایک فرزند کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت طلب کی (روضہ قیومیہ جلد ۲ ص ۱۷۶)

بادشاہ حضرت خواجہ سیف الدین کا بہت عقیدت مند تھا، رات کو امور سلطنت سے فراغت کے بعد آپ کی صحبت کے انوار و برکات کے حصول اور تبادلہ خیال اور کلمات عالی سننے کیلیے ان کے پاس جاتا تھا۔ (مآثر عالمگیری، ص ۸۴) ان کی صحبت کے آثار اس کی روحانیت میں اضافہ کا باعث ہوئے۔ اور اس نے سلوک و

معرفت کے جہان میں قدم رکھا۔ حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات میں بادشاہ کے احوال باطنی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ عالمگیر نے انتہائی عقیدت کیساتھ دعوت دے کر آپ کو بلایا۔ آپ نے اتباع سنت میں دعوت قبول کر لی۔ مگر جب قلعہ کے پھاٹک پر پہنچے تو چند تصویریں، پتھر میں تراشی ہوئی نظر آئیں آپ دروازے پر ٹھہر گئے، فرمایا کہ جس مکان میں جاندار کی تصویریں ہوں۔ میں ہرگز ہرگز اس مکان میں داخل نہیں ہوسکتا، عالمگیر نے فوراً ان تصویروں کو توڑنے کا حکم دیا پھر قلعہ میں داخل ہوئے۔ (مشائخ نقشبندیہ)

باطل کا خاتمہ کرنا:

عالمگیر میں تمام باطل اور باطل پرستوں کا خاتمہ کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس نے ملا شاہ بدخشی، چندر بھان، برہمن اور محسن فانی کشمیری جیسے لوگوں کا محاسبہ کیا۔ جو وحدت ادیان کے داعی تھے اور دارا کی گمراہی کا سبب بنے تھے۔ بعد میں ان سب نے مصلحت کو ترجیح دی اور عالمگیر کی ملازمت میں رہے۔ سرمد نے اپنے خلاف شرع عقائد پر عزم کا اظہار کیا تو اسے قتل کر دیا گیا کہ اس کا فتنہ اسلام کیلئے خطرناک ثابت نہ ہو۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے غلط افکار پر مشتمل اسکا ''رسالہ تسویہ'' جلا دیا۔ ہندوستان میں وحدت وجود کی غلط تعبیرات کا بہت زور تھا۔ اورنگ زیب کی کامیابی، دارا کے قتل اور مرکز کی مضبوطی نے اس نظریہ کو اورنگ زیب کے حین حیات ابھرنے نہ دیا (مقدمہ حسنات الحرمین، ص ۵۹) حضرت خواجہ سیف الدین کی صحبت بابرکت نے اسے موسیقی سے متنفر کر دیا۔ اس نے تمام ملک سے موسیقی کے اڈے بند کروائے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے موسیقاروں نے مزامیر کا جنازہ تیار کیا اور شاہی محل کے نیچے سے گزرے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا ہے

، کہنے لگے یہ موسیقی کا جنازہ ہے، بادشاہ نے کہا پھر گہرا کر کے دفن کرنا جہاں سے یہ مردہ پھر نہ آجائے"۔

علم وفضل کی سرپرستی:

عالمگیر خود بھی بلند پایہ عالم دین تھا اور اس نے ہمیشہ علم وفضل کی سرپرستی فرمائی۔ پروفیسر خورشید حسین بخاری لکھتے ہیں:

"اس نے تمام خلاف شرع امور کو ختم کرنے کا حکم جاری کیا اور شرع کے احکام کے مطابق اپنا نظام حکومت استوار کیا، اسے اپنے زمانے کے طرز تعلیم کے نقائص کا علم تھا۔ چنانچہ اس نے اسلامی مدارس قائم کئے۔ ان کا واضح اور معلوماتی نصاب تعلیم مرتب کروایا، عالمگیر نے ہی پہلی دفعہ فقہ اور شریعت کی طرف توجہ دی۔ اس نے ایک کمیشن قائم کیا جس نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کی یہ کتاب فقہ کی مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ اس زمانے میں عالمگیر کے استاد شیخ احمد جیون نے تفسیر احمدی کے نام سے ان آیات کی تفسیر لکھی جن سے مسائل فقہ کا استنباط کیا جاتا ہے، حافظ امان اللہ بناری، قطب الدین سہالوی اور شیخ غلام نقشبند لکھنوی نے علم تفسیر اور فن تصوف میں متعدد کتابیں لکھیں۔ اورنگ زیب کے پوتے رفیع القدر کے استاد قاضی محب اللہ بہاری نے فقہ اور اصول فقہ کے بارے میں "مسلم الثبوت" نامی کتاب مرتب کی (ریاض التاریخ ص ۲۰۷) اس نے تاریخ نویسی کی بھی حوصلہ افزائی کی، مرزا کاظم نے عالمگیر نامہ لکھا، نعمت خان نے وقائع گولکنڈہ تحریر کئے۔ میر محمد عسکری، عاقل خان رازی نے واقعات عالمگیری اور محمد ساقی مستعد خان نے مآثر عالمگیری جیسی یادگار کتابیں مرتب کیں۔ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ اور الیشر داس نے فتوحات عالمگیری رقم کیں۔ (ریاض التاریخ، ص ۶۸۶) عالمگیر کو خود بھی عربی، فارسی، ہندی،

ترکی، زبانوں پر عبور تھا، رقعات عالمگیری اس کے حسن نگارش کا بہترین نمونہ ہیں۔ وہ علم پرور تھا اور علم والوں کا قدر دان تھا۔

شجاعت و بسالت:

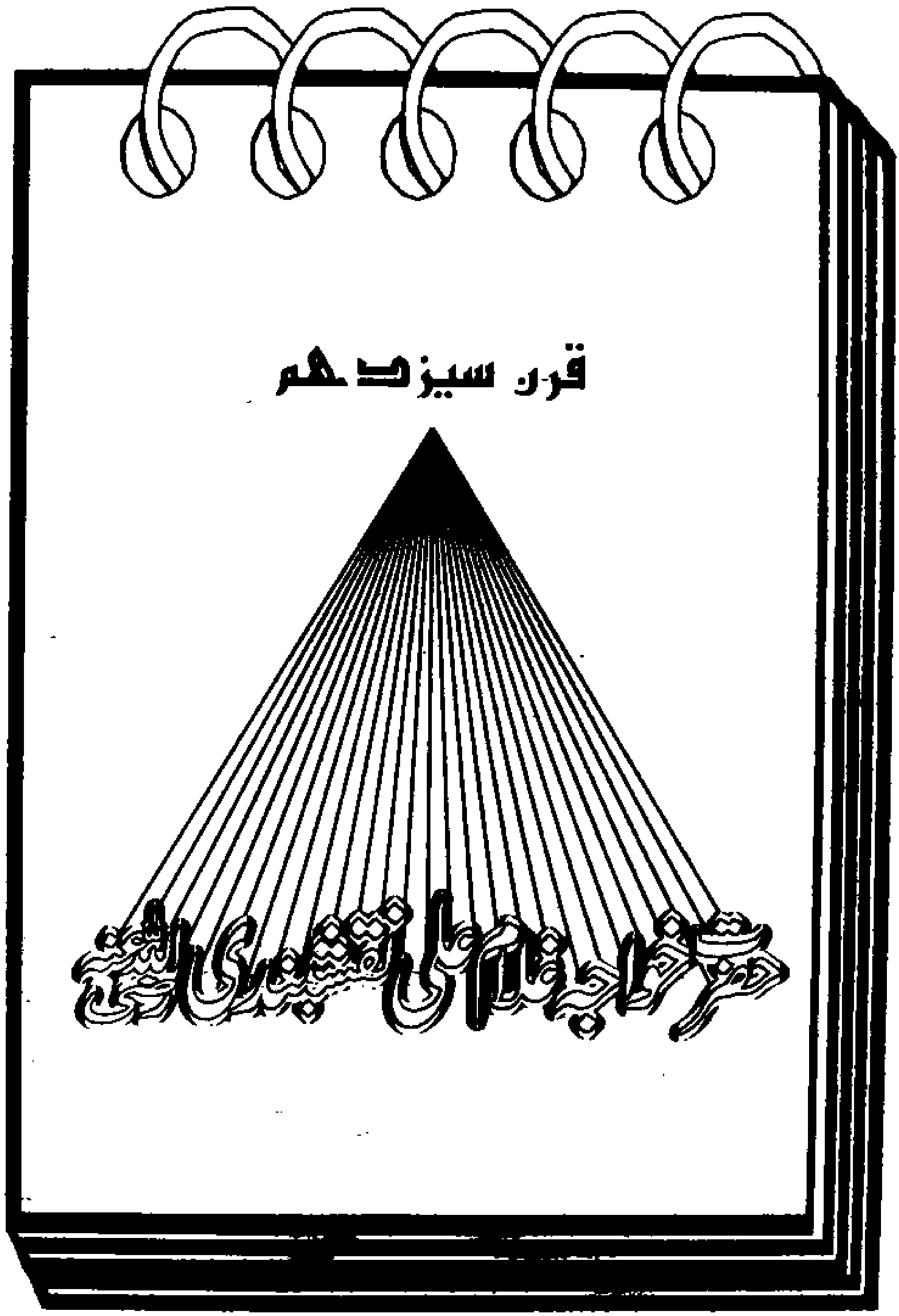
عالمگیر شجاعت و بسالت، پامردی و مردانگی میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی کچھ آگے تھا۔ اگرچہ خاندان تیموریہ مغلیہ میں بڑے بڑے بہادر لوگ پیدا ہوئے مگر وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اسی سال کی عمر میں بھی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا۔ اسکی بہادری اور عالی ہمتی یکتا تھی، وہ بلا کا نڈر تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران نماز ایک خونخوار شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے نماز چھوڑ کر فوراً شیر کو ختم کیا اور دہشت زدہ ہوئے بغیر نماز دوبارہ شروع کر دی۔

شاہجہان نے پہلی بار ۱۶۴۶ء کو قندہار پر شہزادہ مرادؔ کی قیادت میں مہم روانہ کی، جو بالآخر ناکام ہو کر آیا۔ اس ہزیمت کا بدلہ لینے کیلئے شاہجہان نے حضرت خواجہ محمد معصوم مجددی سرہندی علیہ الرحمۃ سے توجہ کی درخواست کی اور اورنگ زیب کو ۱۶۴۷ء میں ایک زبردست لشکر دے کر بھیجا، بادشاہ آپ بھی کابل تک ساتھ گیا، اگرچہ شہزادہ اورنگ زیب سابقہ مہموں کی نسبت تھوڑی فوج لیکر آگے بڑھا اور موسمی حالات بھی شدید تھے تاہم اورنگ زیب اپنی جنگی تدابیر اور شجاعت کے ساتھ شہروں کے شہر فتح کرتا گیا۔ اس مہم میں حضرات مجددیہ اورنگ زیب کے ساتھ تھے اور روحانی طور پر اس کے پشت پناہ تھے۔ اورنگ زیب نے فوج کو اس خوبی سے لڑایا کہ قندہار اور بلخ پر قابض ہو گیا۔ بخارا کا حکمران عبدالرحمٰن خان مقابلہ میں آیا مگر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اس معرکہ میں اورنگ زیب نے جس شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ اس کے جنگی کردار کا بہترین نمونہ ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد ہنگامہ کارزار میں اترا، تیر و تفنگ کی

بارش میں اپنا لشکر آگے بڑھاتا گیا تو چیں آگ برسا رہی تھیں، مگر اورنگ زیب آگے بڑھتا جارہا تھا، عین معرکہ میں نماز کا وقت آیا۔ اورنگ زیب گھوڑے سے اترا، میدان جنگ میں ہی نماز ادا کی، مغل فوج اس کی اس ادا پر جانیں قربان کرنے لگی۔ ایرانی فوج یہ استقامت دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئیں، بعد میں مخالف سپہ سالاروں نے صلح کی درخواست پیش کی جسے اس نے فراخدلی سے قبول کرلیا۔

عالمگیر ہمہ پہلو شخصیت کا مالک تھا، نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اپنا روزگار کتابت قرآن کے ذریعے حاصل کرتا، از حد محنتی، شفیق اور اسلام دوست بادشاہ تھا۔ اس نے ہمیشہ شہنشاہی میں فقیری کی۔ اس نے چونکہ اسلام کو زندہ کیا اس لئے غیر مسلم مورخین اسے پسند نہیں کرتے اور اس کے بارے میں بے پر کی اڑاتے رہتے ہیں۔ مسلم مورخین نے اس کے کردار کی عظمت کو سلام پیش کیا ہے۔ اور اس کے جملہ کارناموں میں مجددی تحریک کو روح رواں قرار دیا ہے، حضرت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اسے برصغیر کا عظیم ترین حکمران کہا ہے۔ اسے فن تعمیر سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔ لاہور کی بادشاہی مسجد اس کے حسن ذوق کا شہکار ہے۔ اس نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح بہترین عمارات تعمیر کروائیں، مدرسے قائم کئے، سڑکیں بنوائیں، سرائے تعمیر کیں، ڈاک کا نظام درست کیا، وہ رعایا کی فلاح و بہبود کیلئے رات دن کوشاں رہا۔ اس کے دور میں ایک بار پھر اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں۔

☆......☆......☆


قرن سیزدهم
حضرت خواجہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ

شیخ الاسلام خواجہ غلام علی دہلوی قدس سرہ

☆☆☆

سلطنت مغلیہ زوال کے ہولناک مراحل سے گزر رہی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں سیاسی و معاشرتی ناہمواریوں، مذہبی و فکری ہنگامہ آرائیوں کے بازار گرم تھے، علماء امراء اور صوفیا سب اپنے اپنے انداز میں ایک عظیم قوم کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک رہے تھے۔ بادشاہ اسلام دشمن قوتوں کے آلہ کار تھے۔ کم ہمتی، مایوسی، عیش پرستی ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی لہذا وہ عہد رفتہ کی عظمتوں کو واپس لانے سے قاصر تھے۔ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے عوام کا جینا حرام کر رکھا تھا، انگریزوں کا فتنہ الگ اثر و نفوذ قائم کر رہا تھا۔ اس دور میں چند درویشان خدامست نے اصلاحِ قوم کا بیڑہ اٹھایا جن میں شیخ الاسلام خواجہ الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ، کا نام نامی شان امتیاز کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ تاریخ ہند میں آپ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد اسلام تھے۔

ابتدائی حالات:

حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ، ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء کو بٹالہ

صوبہ پنجاب میں علوی سادات کے ایک مبارک خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد شاہ عبدالطیف قادری نہایت صالح انسان تھے۔ان کے پیر و مرشد حضرت شاہ ناصر الدین قادری دہلوی علیہ الرحمہ کے فیضانِ صحبت وتربیت نے ان کو اس دور کے اولیائے کبار میں شامل کر دیا۔انہیں اپنے شیخ کریم کے توسط سے قادری چشتی نسبتوں کا فیض حاصل تھا۔وہ اپنے شیخ کریم کی خدمت کیلئے بٹالہ کی سکونت چھوڑ کر دہلی میں مقیم ہو گئے۔

حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ، کی ولادت باسعادت سے پہلے ان کے والد ماجد نے خواب میں حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنا، چنانچہ آپ کی ولادت پر آپ کا نام علی رکھا گیا، بعد میں آپ نے ادباً خود کو ''غلام علی'' کہوایا۔آپ کی والدہ نے خواب میں ایک بزرگ کی زیارت کی، انہوں نے فرمایا کہ بیٹے کا نام عبدالقادر رکھو، حضرت شاہ عبدالغنی علیہ الرحمہ ضمیمہ در حالات شاہ غلام علی میں فرماتے ہیں کہ شاید وہ بزرگ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں گے۔آپ کے عم بزرگوار نے خواب میں حضور سرور عالم ﷺ کو دیکھا، حضور ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔آپ اپنی تالیفات میں اپنا نام فقیر عبداللہ عرف غلام علی رقم فرماتے تھے۔

آپ کے والد ماجد شاہ عبدالطیف قادری علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنے شیخ کریم کی بارگاہ میں بیعت کرانے کیلئے طلب فرمایا۔آپ دہلی پہنچے تو اس رات شیخ کریم کا وصال ہو گیا۔آپ کے والد نے فرمایا'' میں نے تو تمہیں ان سے بیعت کرانے کیلئے طلب کیا تھا۔لیکن خدا کی مرضی یہ نہیں تھی۔اب تم جہاں اپنا فائدہ دیکھو وہیں اخذِ طریقہ کرو'' آپ نے اس دور کے بلند پایہ حضرات سے فیض حاصل کیا، جن

میں حضرت ضیاء اللہ، حضرت شاہ عبدالعدل، خواجہ میر درد، مولانا فخر الدین دہلوی اور شاہ غلام سادات چشتی مشہور ہیں۔

آپ نے بخاری شریف حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور ان سے سند حدیث حاصل کی۔ (نزہۃ الخواطر از علامہ عبدالحی) آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے تفسیر وحدیث کا علم حاصل کر کے حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی (جواہر علویہ از عبدالرؤف رافت)

جب آپ نے حضرت مظہر علیہ الرحمہ کی بیعت کی تو آپ کی عمر مبارک بائیس سال تھی۔

از برائے سجدہ عشق آستانے یافتم

سرزمینی بود منظور آسمانے یافتم

بیعت کے وقت حضرت مظہر نے فرمایا: جہاں ذوق وشوق اور کیفیات میسر آئیں وہاں بیعت کرو، یہاں تو بغیر نمک کے پتھر کھانا ہے۔ آپ نے عرض کی مجھے یہی منظور ہے، حضرت مظہر نے فرمایا: پھر مبارک ہے بیعت کریں۔ (جواہر علویہ)

آپ نے حضرت مظہر کی صحبت بابرکت میں بڑے بڑے مجاہدات سے کام لیا۔

قیم طریقہ مجددیہ حضرت مظہر اٹھارویں صدی عیسوی کے بزرگان اسلام میں نمایاں مقام رکھتے تھے، علم وعرفان، شعروادب اور حسن صورت وسیرت کے اعتبار سے اپنے عہد کے امام تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے بقول پوری دنیا میں اس وقت کوئی حضرت مظہر کا ثانی نہیں۔ آپ کی خانقاہ کو برصغیر پاک وہند میں مرکزی مقام حاصل تھا۔ ایسے عالی ہمت، بلند نظر اور صاحب کردار شیخ کی خدمت نے آپ کو مجدد اسلام بنا دیا۔ حضرت مظہر کی شہادت کے بعد آپ ان کے فیضان کے وارث بنے تو دور و

نزدیک سے متعدد مشائخ کبار نے اپنی مسند عرفان کو چھوڑ کر آپ کی غلامی اختیار کی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ کا ارشاد آپ کی زندگی میں ہی اس حد تک پھیل گیا تھا کہ گزشتہ مشائخ میں سے چند ایک کا اگر ہو تو بعید نہیں۔آپ کی زندگی میں ہی آپ کے خلفا اقصائے روم اور شام سے حد چین تک اور پھر مشرق سے مغرب تک پہنچ چکے تھے۔ یہ سچ ہے کہ مشک آنست کہ خود بوید نہ آنکہ عطار بگوید (ضمیمہ از شاہ عبدالغنی)

حضرت عبدالرؤف رافت لکھتے ہیں:

"خالص اعتقاد رکھنے والے اور مخلص لوگوں کا بیشمار مجمع ہے۔لوگ سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، بریلی، رامپور، لکھنو، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدرآباد اور پونا وغیرھا دیار وامصار سے حق جل وعلا کی طلب میں اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آئے ہوئے ہیں۔" (درالمعارف)

سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

"آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے ان کی بیعت اختیار کی۔ میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھوں سے روم اور شام اور بغداد، مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے۔" (آثار صنادید)

آپ خود اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

"دور دراز ممالک تک ہمارا فیض پہنچ گیا ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمارا حلقہ ہوتا

ہے۔ اور مدینہ منورہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بغداد، روم، اور مغرب میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اور مزاحیہ انداز میں فرمایا: بخارا خود خانہ پدر ما است، بخارا تو ہمارے باپ کا گھر ہے'' (ملفوظات شریفہ از شیخ قصوری)

قدرت نے آپ کو حضرت شیخ غلام محی الدین قصوری، شیخ ابو سعید دہلوی، مولانا خالد کردی، شاہ عبد الرؤف رافت جیسے جلیل القدر خلفا کرام عطا فرمائے جن کے دم قدم سے آپ کا فیضان طریقہ پوری دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ صرف ایک خلیفہ حضرت مولانا خالد کردی کا حال سنئے۔ ان کے ایک خط کا اقتباس ہے:

''غریب و مجبور خالد کردی شہرزوری عرض کرتا ہے کہ ایک قلم تمام مملکت روم و عربستان اور دیار حجاز و عراق اور عجم کے بعض ملک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجددیہ کے جذبات و تاثرات سے سرشار ہے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کا ذکر اور ان کے محامدات رات دن محفلوں اور مجلسوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کے اس طرح زبان زد ہیں کہ کبھی کسی قرن اور کبھی کسی اقلیم میں گمان نہیں کہ گویا زمانہ نے اس زمزمہ کی نظیر سنی یا دیکھی ہو اور گردش کرنے والے آسمان نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔'' (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از توکلی)

آپ کے پیر بھائی مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: مولوی غلام علی بر مسند ارشاد نشستہ اند عالمے از ایشاں مستفیدمی شوند (لوائح خانقاہ مظہریہ)

حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ، کے خلیفہ اجل حضرت مولانا خالد کردی علیہ الرحمہ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک ہزار صاحب تصنیف علما کرام ان حلقہ بگوش ہوکر ہمہ وقت ان کے سامنے کھڑے رہتے اور ایک لاکھ اشخاص نے بیعت کی۔ یہ قیام بغداد کا حال ہے۔ باقی علاقوں میں فیض کا دریا کس جولانی پر ہوگا، یہ سب

حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کی نگاہ کیمیا اثر کا صدقہ تھا۔

آپ جامع کمالات تھے، آپ کے خلیفہ اجل مولانا عبدالرؤف رافت علیہ الرحمۃ نے آپ کو ان القاب سے یاد فرمایا ہے:

"حضرت پیر دستگیر، قطب دوراں، قیوم زماں، مہر سپہر ولایت، ماہ سماء ہدایت، سراج محفل صفا، چراغ بزم رضا، مظہر اسرار الہیہ، مہبط انوار نامتناہیہ، مورد فیض سبحانی، مصدر برکات رحمانی، مروج طریقہ مجددیہ، مکمل کمالات احمدیہ، سالک مسالک صراط مستقیم شریعت وایمان، ناہج مناہج سبیل طریقت واحسان، کاشف اسرار خلت ومحبت، واقف انوار محبت ومحبوبیت، مجدد مائۃ ثالثہ عشر، مروج شریعت خیر البشر جن کی شان یہ ہے ؎

امام جملہ خلائق امیر ہر دوسرا

محیط رحمت و دریائے جود و بحر عطا

آپ کی عمر مبارک نے چوراسی منزلیں طے کیں اور ۲۲ صفر المظفر ۱۲۴۰ھ /۱۸۲۴ء کو بعد اشراق استغراق و مشاہدہ کے عالم میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

آپ نے فرمایا تھا کہ میرے جنازے پر یہ اشعار پڑھے جائیں:

وفدت علی الکریم بغیر زاد

من الحسنات و القلب السلیم

فحمل الزاد اقبح کل شی

اذا کان الوفود علی الکریم

آپ کے وصال کی وحشت انگیز خبر نے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہزاروں

لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو آپ کے مرشد پاک حضرت مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے دائیں جانب دفن کیا گیا۔تاریخ وصال اس مصرعے سے نکلتی ہے:

جاں بحق نقشبند ثانی داد

عربی میں ''نور اللہ مضجعہٗ'' کے الفاظ موزوں ہوئے۔ نیز شاہ رافت نے اس طرح طبع آزمائی کی۔

چوں جناب شاہ عبد اللہ قیوم زماں
زایں جہاں فرمود رحلت سوئے مولائے کریم
سال او باحال او جستم چواے رافت زدل
گفت'' فی روح وریحان و جنّات النعیم''

اب ذیل میں آپ کی سیرت و کردار کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ درویش کامل کس طرح سنت و شریعت اور طریقت ومعرفت کی دولتوں سے مالا مال تھا۔

علم وفضل:

تیرہویں صدی ہجری کے مجدد اسلام میدان علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے درالمعارف میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی درس دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کے تبحر علم سے متاثر ہو کر کہا کہ آپ کی دقت نظر شاہ عبدالعزیز سے زیادہ ہے۔تو آپ نے فرمایا ''توبہ! ایشان بحر علم ودریائے بیان اند، ازگل گلدستہ مہیا سازند ومن ازگل غنچہ میکنم''

سرسید لکھتے ہیں ''علم حدیث وتفسیر نہایت مستحضر تھا، اگر باعتبار علوم نقلی آپ کو خاتم المحدثین والمفسرین کہا جائے تو بجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجمع علوم پیدا کیا

تھا کہ ہر ایک علم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال بہ انتہائے کمال حاصل تھا۔

آپ نے بہت سی تصانیف ورسائل رقم فرمائے جو آپ کے علم و فضل کا دائمی ثبوت ہیں۔ مثلاً مقامات مظہری، ایضاح الطریقت، احوال بزرگاں، مقامات مجدد الف ثانی، طریق بیعت و اذکار، طریقہ شریفہ شاہ نقشبند، احوال شاہ نقشبند، رسالہ اذکار، رسالہ مراقبات، رد اعتراضات شیخ عبد الحق، رد مخالفین حضرت مجدد، رسالہ مشغولیہ، کمالات مظہری، سلوک راقیہ نقشبندیہ، مکاتیب شریفہ مشہور ہیں اور آپ کے علم و عرفان پہ گواہ ہیں۔ آپ کے ملفوظاتِ شریفہ کو شاہ عبد الرؤف رافت اور مولانا غلام محی الدین قصوری نے جمع فرمایا جو اپنی جگہ علم و فضل، فکر و عرفان کے خزانے ہیں۔ وقت کے بڑے بڑے علماو فقہا کا آپ کے سامنے عجز و انکسار سے کام لینا آپ کی بارگاہ علم و فضل کے حضور خراج تحسین نہیں تو اور کیا ہے؟ مولانا خالد کردی، حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کے سوا کسی اور سے متاثر نہیں تھے، جب آپ سے ملے تو آپ کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کے علم و فضل کی یہ دلیل کامل ہے کہ آپ نے بڑے بڑے مشکل مسائل کو عام فہم انداز بیان سے بالکل آسان بنا دیا۔ بالخصوص آپ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا بہت کامیاب دفاع کیا اور آپ کے افکار لطیفہ پر اٹھائے جانے والے اعتراجات و تنقیدات کی خوب خبر لی۔ مولانا رحمان علی لکھتے ہیں ''مولانا غلام علی دہلوی علوی بزرگ مرزا جان جاناں کے مرید، عارف کامل اور علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔'' (تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۴)

عشق رسول کی دولت:

عشق رسول کی دولت ہر مرد مومن کا سرمایہ حیات اور وسیلہ نجات ہے اور وہ جتنا اس جذبے میں موجزن ہوگا اتنا ہی فقر و عرفان میں کامل

ہوگا۔ جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ، عشق رسول کے خاص الخاص مقام پر فائز تھے۔ مولانا عبدالغنی دہلوی رقمطراز ہیں:

"آپ کو جناب سرور کائنات کے ساتھ عشق کا مرتبہ حاصل تھا جب آپ ﷺ کا اسم گرامی لیتے تو بے تاب ہو جاتے، ایک مرتبہ خادم قدم شریف سے پانی کا تبرک لایا اور کہا کہ حضرت رسول خدا ﷺ کا آپ پر سایہ ہو یہ بات سنتے ہی آپ بے تاب ہو گئے اور اس خادم کی پیشانی پر بوسہ دیا، فرمایا میری ہستی ہی کیا ہے کہ مجھ پر حضرت رسول خدا ﷺ کا سایہ مبارک ہو۔ اور اس پر خادم پر بہت نوازش فرمائی ہے۔" (ضمیمہ مقامات مظہری)

آپ حضور جان کائنات ﷺ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اس لئے سرکار نے قدم قدم پر آپ کی راہنمائی فرمائی، فرماتے ہیں:

☆......ایک روز آنحضرت ﷺ کے فراق کی بے تابی میں، میں نے (سر پر) خاک ڈالی، چونکہ یہ امر شرع میں اچھا نہیں ہے اس لئے (میرے باطن میں) ظلمت پیدا ہوگئی۔ میں نے خواب میں میر روح اللہ جو کہ حضرت شہید مرزا مظہر علیہ الرحمۃ کے مخلص تھے، دیکھا کہ وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ تمہارے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ میں نہایت شوق سے آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے معانقہ فرمایا۔ معانقہ تک آپ ﷺ اپنی شکل شریف میں رہے۔ اس کے بعد میں سید میر کلالؓ کی شکل اختیار کر لی۔

☆......ایک روز میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی سو گیا آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور منع فرمایا اور اس فعل کی مذمت بیان فرمائی۔

☆......ایک بار خواب میں، میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ

رانی فقد رای الحق آنجناب کی حدیث ہے فرمایا ہاں۔

☆...... میرا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک پر ہمیشہ تسبیح و تمجید پڑھا کرتا تھا لیکن ایک مرتبہ مجھ سے یہ عمل نہ ہو سکا میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اسی شکل میں جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے تشریف لائے اور شکایت فرمائی۔

☆...... ایک مرتبہ مجھ پر دوزخ کی آگ کے خوف کا شدید غلبہ ہوا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جو ہم سے محبت رکھتا ہے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

☆...... ایک بار آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی تو فرمایا کہ تیرا نام عبداللہ اور عبدالمبین ہے۔ (ضمیمہ مقامات فصل مکاشفات)

شاہ عبدالغنی دہلوی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کے مکان شریف سے اچانک خود بخود خوشبو آنے لگتی ہے۔ اس وقت آپ دوسروں کو باہر بھیج دیتے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ اور دیگر بزرگوں کی روح کا ظہور ہوتا تھا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ آثار شریف نبویہ جو جامع مسجد دہلی میں ہیں کے پاس لے جائیں اور حضور ﷺ سے میری شفاعت کے لیے عرض کریں۔ یہ واقعہ عشق رسول ﷺ کی کیسی لازوال دلیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کہا یا رسول اللہ ﷺ! آواز آئی ''لبیک یا عبد صالح'' یاد رکھیں جو عشق رسول ﷺ کے جتنے بلند مقام پر فائز ہو گا اتنا ہی زیادہ متبع شریعت ہو گا آپ اتباع رسول ﷺ میں بھی بہت اونچے تھے۔

مولانا عبدالغنی دہلوی فرماتے ہیں۔

''مرض موت کے وقت ترمذی شریف آپ کے سینہ مبارک پر تھی اگر

حدیث پاک سے آپ ﷺ کے عمل کا پتہ چلتا تو اس کے مطابق عمل کرتے۔ بکری کے شانے کا گوشت منگواتے اور اسے پکاتے کیونکہ وہ مسنون ہے۔ سر سید احمد خان آنکھوں دیکھا حال لکھتے ہیں۔

''سبحان اللہ کیا آزادی تھی کہ مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ کیا اطاعت سنت تھی کہ سر مو بھی فرق نہ تھا (آثار صنادید)

''اور میں تو اس بات پر عاشق ہوں کہ باوجود اتنی آزادی اور خود رفتگی کے سر مو احکام شریعت سے تجاوز نہ تھا۔ اور جو کام تھا وہ بہ اتباع سنت تھا لقمہ مشتبہ سے نہایت پرہیز کرتے اور مال مشتبہ ہرگز نہ لیتے جو شخص خلاف شرع و سنت ہوتا اس سے نہایت خفا ہوتے اور اپنے پاس اس کا آنا گوارا نہ کرتے۔ (ایضاً)

مولانا شاہ عبدالغنی فرماتے ہیں۔'' آپ کا عمل اکثر حدیث شریف کے مطابق ہوتا تھا۔'' نیز فرماتے ہیں۔'' سالکان راہ الٰہی اور طالبان فیض نامتناہی سے مخفی نہیں کہ خدا کی محبت اور اتباع سید انبیا ﷺ جیسی کوئی کرامت اور خرق عادت نہیں ہے۔ اور یہ دونوں امر آپ کے وجود باجود میں بدرجہ کمال پائے جاتے تھے۔'' (ضمیمہ مقامات فصل کرامت)

بزرگوں کی محبت:

حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کی سیرت و کردار کا اہم پہلو یہ بھی ہے۔ کہ وہ بزرگان دین سے بہت محبت فرماتے اور ان کی بارگاہوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سلاسل طریقت کے بزرگوں نے ان کو خوب نوازا ہے۔ ذیل میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

☆...... آپ فرماتے ہیں پندرہ سال تک شیخ کے ذکر و مراقبہ کے حلقہ میں شرکت کا

شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد مجھے آپ (حضرت مظہر) نے اجازت مطلقہ سے نوازا۔ مجھے اس ارادت کے شروع میں فکر تھی کہ وہ شغل جو میں نے طریقہ نقشبندیہ میں کیا ہے۔ حضرت غوث الاعظم کی اس میں رضامندی ہے یا نہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین ایک مکان میں تشریف فرما ہیں۔ اس کے جوار میں ایک دوسرے مکان میں حضرت شاہ نقشبند بھی تشریف فرما ہیں میں نے حضرت شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو فرمانے لگے خدا کی مرضی یہی ہے۔ جاؤ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (جواہر علویہ از رافت ص ۱۴۱)

اپنے مکاشفات میں فرماتے ہیں۔

☆...... کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرے چہرے کا گوشت دو انگلیوں کے برابر حضرت سلطان المشائخ کے چہرہ مبارک کا سا ہو گیا ہے۔ جو بدنما بھی معلوم نہیں ہوتا۔

☆...... ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند تشریف لائے اور میرے پیراہن میں داخل ہو گئے۔

☆...... ایک روز ایک بزرگ آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ''بہاالدین''

☆...... فرماتے ہیں ہم غوث اعظمؓ کے دربار کے خاکروب اور شاہ نقشبند کے چوبدار ہیں (ملفوظات شریفہ)

☆...... ایک بار ایک شخص ایک خلعت لایا اور کہا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے آپ کو عنایت کیا ہے۔ مولانا خالد نے عرض کی کہ یہ خلعت قطبیت ہو گا آپ

فرماتے ہیں کہ میں نے انکسار کے طور پر اس مقام کا نام نہ لیا۔

☆...... اگر میں کسی کے مزار پر جاتا تو اس کی نسبت پست ہو جاتی لیکن میں بھی خود کو پست کر دیتا اور صاحب مزار کی تواضع کرتا۔ (جواہر علویہ، ص ۱۵۶)

☆...... ایک روز حضرت خواجہ باقی باللہ مزار سے باہر تشریف لائے اور توجہ فرمائی۔

☆...... ایک دن حضرت قطب الدینؒ کے مزار پر گیا تو میں نے کہا شی للہ شی للہ اس وقت القا ہوا تیرا سینہ نسبت مجددیہ سے پر ہے۔ اس میں مزید گنجائش نہیں۔

☆...... ایک مرتبہ سلطان المشائخ سے توجہ کی عرض کی تو انہوں نے فرمایا تجھے کمالات احمدی حاصل ہیں۔ میں نے کہا اپنی نسبت عطا کریں۔ انہوں نے توجہ فرمائی تو میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ میری طرح ہو گیا ہے۔ اور میرا ان کی مانند۔ میں اس سے بہت محظوظ ہوا۔

☆...... ایک مرتبہ حضرت محمد زبیرؒ کے عرس پر حاضر ہوا آپ تشریف لائے اور فرمایا عبادت کثرت سے کیا کرو۔ اس راہ میں عبادت کرنی چاہیے کہ در تصوف کھل جائے۔

☆...... ایک بار میرا مکان معطر ہو گیا۔ خیال آیا کہ یہ آں سرور ﷺ کی روح مبارک ہے یا حضرت غوث اعظمؒ کی۔

☆...... ایک مرتبہ حضور سیدۃ النساءؓ تشریف لائیں۔ فرمایا تمھارے لیے ہم زندہ ہیں۔

☆...... آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے خصوصی محبت تھی ساری عمر ان کے افکار و نظریات کے تحفظ میں بسر کر دی۔ حضور مجدد پاک نے بھی اس تعلق محبت کو کمال شفقت سے نبھایا فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ تشریف

لائے اور فرمایا'' کہ تو میرا خلیفہ ہے۔'' ایک مرتبہ اہل خانقاہ میں نزاع لفظی ہو گیا تو حضرت مجدد تشریف لائے اور فرمایا جو جھگڑا کرے اسے خانقاہ سے نکال دو۔ ایک مرتبہ میرا ایک پہلو شل ہو گیا۔ تو میں نے حضرت مجدد قدس سرہ کی روح سے مدد چاہی۔ اسی وقت آپ کی صورت کو میں نے ہوا میں معلق دیکھا تو ساری بیماری سلب ہو گئی۔

آپ حضرت مجدد کے بارے میں فرماتے ہیں'' ان کا وجود تنہا، ہزار سالہ اولیاء اللہ کے بالمقابل ہے۔ (درالمعارف ص ۴۳) نیز فرماتے'' حضرت مجدد جیسے کمالات شاید کسی نے حاصل کیے ہیں۔ اگر تمام وجودی اولیا پر توجہ فرمائیں۔ تو وہ شاہراہ شہود پر آجائیں۔'' نیز فرمایا کہ نبوت کے سوا تمام وہ کمالات جو ایک انسان میں ممکن ہو سکتے ہیں۔ ان کا ظہور حضرت مجدد میں ہوا۔ (جواہر علویہ ص ۱۵۱)

فرماتے ہیں ہم سلسلہ چشتیہ کے بڑے معتقد ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے ہم پر بڑی عنایت فرمائی۔

مجاہدہ ومشاہدہ:

آپ مجاہدہ ومشاہدہ کے بلند مقام پر متمکن تھے سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

''بعد بیعت کے سالہا سال آپ نے پیرومرشد اپنے کی خدمت میں اوقات بسر کیے اور وہ زھد ومجاہدہ اور ریاضت کی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ دن بدن عروج کمال اور مشاہدہ جمال شاہد بے زوال اور مکاشفہ اور ترقیات فائقہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور صاحب ارشاد ہوئے اور تلقین وارشاد کا سلسلہ روبرو اپنے مرشد کے جاری فرمایا۔ اپنے پیرومرشد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور

حقیقت میں میرے اعتقاد کے بموجب اپنے پیر پر بھی فوق لے گئے۔(آثار صنادید ص ۴۶۴)

آپ کے معمولات زندگی آپ کی شان مجاہدہ پر شاہد ہیں، سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔

''آپ کی اوقات شریف نہایت منضبط تھی، کلام اللہ آپ کو حفظ تھا اور تحقیق قرأت بھی خوب تھی۔ نماز صبح اول وقت ادا فرما کر دس سپارہ کلام اللہ کے ختم فرماتے۔ اور بعد اس کے حلقہ مریدین جمع ہوتا اور تا نماز اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا۔ بعد ادا کرنے نماز اشراق کے تدریس، حدیث اور تفسیر کی شروع ہوتی، جو لوگ اس جلسہ میں بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا چاہیے کہ اس میں کیا کیفیت ہوتی تھی۔اور پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے والوں کا کیا حال ہوگا۔(ایضاً)

بعد اس تدریس کے آپ کچھ تھوڑا سا کھانا کہ عبادت معبود کو کافی ہوتا اول فرما کر بہ اتباع سنت نبوی قیلولہ استراحت میں آرام کرتے۔ تھوڑی دیر بعد اول وقت میں نماز ظہر ادا فرما کر پھر درس و تدریس حدیث و تفسیر و فقہ اور کتب تصوف میں مشغول ہوتے اور نماز عصر تا نماز مغرب حلقہ مریدین جمع ہوتا اور ہر ایک آپ کی توجہ سے علو مدارج حاصل کرتا۔ ہمیشہ تمام رات آپ شب بیداری فرماتے۔ شاید گھڑی دو گھڑی بمقتضائے بشریت غفلت آجاتی ہو سووہ بھی جائے نماز پر۔ برسوں آپ نے چار پائی پر استراحت نہیں فرمائی۔ اگر نیند کا غلبہ ہوا، یونہی اللہ اللہ کرتے پڑ رہے۔ آپ دن رات مصلے پر بیٹھے رہتے اور عبادت معبود کیا کرتے۔ اور سب طالبین گردا گرد آپ کے حلقہ باندھے بیٹھے رہتے۔ حق یہ ہے۔ کہ ایسا برشتہ جان شیخ دیکھنے میں نہیں آیا''(آثار الصنادید ص ۴۶۷)

خود فرماتے ہیں۔

''اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن اس سے پہلے شاہ جہاں آباد کی جامع مسجد کے حوض کا کڑوا پانی پی کر کلام پاک کے دس سیپارے پڑھتا اور دس ہزار مرتبہ ذکر نفی واثبات کرتا میری باطنی نسبت اس قدر قوی تھی کہ ساری مسجد نور سے بھر جاتی''(ملفوظات) فرماتے ہیں جب ہم مجاہدے میں مشغول ہوئے تو پورے پچیس سال ایک حجرے میں محبوس رہتے۔ سردیوں گرمیوں میں باہر آنا نصیب نہ ہوتا تھا۔(ایضاً)

شاہ عبدالروف رافت فرماتے ہیں'' یہ معلوم نہیں کہ کبھی آپ نے پاؤں بھی دراز کیے ہوں۔ اکثر احتیاط کے طور پر اس حالت میں جو سرور عالم ﷺ سے منقول ہے۔ اور اولیاء کرام مثلاً حضرت غوث اعظمؒ سے ثابت ہے۔ مراقبہ میں بیٹھتے۔ اور غایت درجہ حیا کی وجہ سے پاؤں بہت کم پھیلاتے۔ یہاں تک کہ وفات بھی اسی حالت میں ہوئی (جواہر علویہ ص۱۴۴)

مجاہدہ کے ساتھ آپ مشاہدہ کی قوت سے بھی مالا مال تھے آپ کا ارشاد ہے۔

''انسان تمام ممکنات کا جامع اس طور سے ہے۔ کہ باقی کل جہاں اسماء و صفات الٰہیہ کا ظہور ہے۔ اور انسان مظہر ذات الٰہی ہے۔ اور ذات تمام صفات کی جامع ہے۔ قلب انسان آئینہ جہاں نما ہے۔ عارف دیکھتا ہے کہ تمام جہان میرے دل میں ہے۔ بلکہ حق جل وعلا میرے اندر جلوہ گر ہے۔ (درالمعارف ص۴۰)

آپ کی ذات والا صفات آپ کے اس ملفوظ کی آئینہ دار تھی فرماتے ہیں

''حق سبحانہ، وتعالیٰ نے مجھے ایسا ادراک عطا کیا، کہ میرا بدن قلب کا حکم رکھتا ہے۔ چاروں طرف جو لوگ آتے ہیں مجھے ان کی نسبت معلوم ہو جاتی ہے۔''(جواہر علویہ ص

۱۵۲) فرمایا کہ ایک دن مجھ پر حق تعالیٰ کا قدم قدرت ظاہر ہوا میں اس پر انتہائے شوق میں گر گیا۔ میں نابود ہو گیا۔ پھر موجود ہوا پھر فنا ہوا۔ اس طرح کئی بار میرے ساتھ معاملہ ہوا۔ فرماتے ہیں۔ میں نے تین بار کلام الہی کو لحن، آواز اور صوت و حروف کے بغیر سنا اور ایسے کلام سے تین دفعہ مشرف ہوا۔ فرمایا کہ اکثر اوقات مجھے غیب سے آواز آتی کبھی فرشتوں کے ذریعے الہام ہوتا، کبھی مشائخ کی آواز آتی۔ اور کبھی سرور کون و مکاں ﷺ کی بارگاہ کا فرمان سنائی دیتا۔ (درالمعارف ص ۱۴۴)

آپ کی نظر کیمیا کا یہ عالم تھا۔ کہ مولانا خالد کردی سے فرمایا ہم تمہیں قطب بنادیں گے، فرمایا لوگ ہماری اس بات پر ہنس دیئے۔ اور مولانا کو بھی تعجب تھا۔ آخر جو کچھ ہم نے کہا وہ ہو کر رہا۔ وہ ان دنوں اپنے علاقہ کے قطب ہیں۔ (ملفوظات شریفہ ص ۸۷)

شان فقر واستغنا:

آپ فقر واستغنا، ترک و تجرید کے شہسوار تھے۔ فرماتے ہیں۔ درویشوں کی معاش وہی ہے جسے شیخ ابن یمین کبروی نے ان الفاظ میں نظم کیا۔

نان جوین و خرقہ پشمین و آب شور
سیپارہ کلام و حدیث پیمبری
ہم نسخہ دو چار ز علمی کہ نافع است
در دین نہ لغوبو علی و ژاژ عنصری
بایک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو
در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری

ایں سعادت است کہ حسرت برد براں
جویائے تخت قیصر و ملک سکندری

یعنی ایک مسلمان کے لیے چند کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ قرآن و حدیث کی ضرورت ہے۔آپ یہ بھی فرماتے:

برآنکہ کنج قناعت بہ گنج دنیا داد
فروخت یوسف مصری بہ کمترین ثمنی

یعنی جس نے گوشہ قناعت کو خزانہ دنیا کے بدلے قربان کر دیا اس نے گویا یوسف مصری معمولی سکے کے عوض فروخت کر دیا۔فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ اور یہی اصل گناہان کفر ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز وشب در بق بق و در زق زق اند

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ لفظ فقیر میں ''فا'' سے مراد فاقہ اور ''ق'' سے مراد قناعت ہے۔''ی'' سے مراد یاد الٰہی اور ''ر'' سے مراد ریاضت ہے فرماتے ہیں کہ کھانے میں ایک تو رضائے نفس ہے۔اور دوسرے حق نفس،رضائے نفس کی غذا بہت لطیف اور حق نفس یہ ہے کہ فرائض وسنن کی ادائیگی کے لیے بقدر توانائی کھانا کھایا جائے (جواہر علویہ ص ۱۴۹)

آپ نے کبھی حکومتی عہدیداروں اور امیروں رئیسوں کی پرواہ نہیں کی ۔مثلاً ''بندیل کھنڈ کا رئیس نواب شمشیر بہادر ایک مرتبہ انگریزی ٹوپی پہنے آپ کی

خدمت میں آیا۔آپ طیش میں آ گئے۔اور اسے منع کرنے لگے۔اس نے عرض کی اگر یہی احتساب ہے تو پھر نہیں آوٴں گا۔آپ نے فرمایا خدا تمھیں ہمارے ہاں نہ لائے ۔وہ مغلوب الغضب ہو کر اٹھا۔اور صفہ دلان کی سیڑھیوں تک گیا ہوگا کہ اپنا کلاہ خادم کو دے کر پھر حاضر خدمت ہوا۔اور بیعت کی۔بعض کو آپ نرمی سے منع فرما دیتے کیونکہ احتساب پہلے پہل سہل ہونا چاہیے۔(ضمیمہ مقامات مظہری)

شاہ عبدالغنی فرماتے ہیں۔

آپ کا ترک و تجرید اس مرتبہ کا تھا کہ بادشاہ وقت اور دوسرے امرا یہ تمنا کرتے رہے کہ وہ آپ کی خانقاہ کے خرچ کے لیے کچھ معین کریں۔لیکن آپ کی زبان پر اکثر یہ قطعہ رہتا۔

خاک نشینی است سلیمانیم　　نیک بود افسر سلطانیم
ہست چہل سال کہ می پوشمش　　کہنہ نہ شد خلعت عریانیم

نواب امیر خان والی ٹونک نے بھی یہی آرزو کی تو آپ نے شاہ عبدالروف رافت صاحب سے یہ لکھنے کو فرمایا۔

ما آبروے فقر و قناعت نمی بریم
بامیر خاں بگوی کہ روزی مقدر است

آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہماری جاگیر تو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں فی السماء رزقکم و ماتو عدون اللہ تعالیٰ آپ کی تمام دینی و دنیوی مہمات سرانجام دیتا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ خانقاہ کے اخراجات غیب سے پورے ہوتے ہیں۔اس کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے شکستہ ہاتھ، شکستہ پاوٴں، صحیح دین ،اور درست یقین ، (ضمیمہ مقامات مظہری) یہ فقر و استغنا کی دولت آپ کو حضرت

غیب سے ودیعت ہوئی تھی۔فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے مکان کی وسعت کی دعا کی تو آواز آئی تو اہل وعیال نہیں رکھتا پھر وسیع مکان کا کیا کرے گا۔

آپ فرماتے ہیں۔

ابتداء میں مجھے معاش کی بہت تنگی تھی جو کچھ تھا وہ بھی چھوڑ کر توکل اختیار کر لیا۔ایک پرانا بوریا بستر اور اینٹ کا سرہانہ بنالیا۔ایک مرتبہ شدت ضعف سے میں نے ایک حجرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا کہ یہی میری قبر ہے۔اس ذات پاک نے کسی کے ہاتھ فتوح بھیجی (جواہر علویہ ص ۱۴۱)

فرماتے ہیں اب میں پچاس سال سے اسی گوشہ قناعت میں بیٹھا ہوں کہتے ہیں ایک مرتبہ آپ نے دروازہ بند کر لیا کہ اگر میں مروں گا تو اسی حجرہ میں آخر اللہ کی مدد پہنچی۔ایک شخص آیا اور اس نے کہا دروازہ کھولیں۔آپ نے نہ کھولا،اس نے پھر کہا مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔کھولیں،آپ نے پھر بھی نہ کھولا۔وہ کچھ روپے بذریعہ شگاف اندر پھینک کر چلا گیا۔پس اسی دن سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔اس کے بعد صدہا علما وصلحا دور دراز کے ممالک سے آپ کی خدمت میں آنے لگے ان میں تو بعض آنحضرت سرور عالم ﷺ کے خواب میں حکم دینے سے خدمت میں پہنچے۔مثلاً مولانا خالد کردی، شیخ احمد کردی،سید اسماعیل مدنی،اور بعض نے بزرگوں کے تشویق دلانے سے بیعت کی،مثلاً مولانا جان محمد۔اور بعض نے خواب میں دیکھ کر۔ان میں سے دوسو تو آپ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔جن کی آپ بطریق احسن کفالت کرتے تھے۔اس کمال فضل کے باوجود طبعیت میں انکسار حد سے زیادہ تھا۔(ضمیمہ مقامات مظہری)

پروفیسر محمد اقبال مجددی لکھتے ہیں کہ اگرچہ ایک جہاں آپ کا گرویدہ تھا مگر آپ کو دنیاوی مال ومتاع اور آرام وراحت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔(مقدمہ

لے ملفوظات شریفہ ص ۱۷)

عفو و سخاوت:

آپ عفو و درگزر اور جود و سخاوت میں امتیازی وصف کے حامل تھے۔ آپ قرض بھی ادا کرتے جو خانقاہ کے فقرا پر خرچ ہوتا۔ جو کوئی بھی حاجت مند ہوتا اسے رقم دے دیتے۔ اور کبھی کوئی شخص بغیر اطلاع کے بھی لے جاتا تو اسے دیکھنے کے باوجود آپ اپنا منہ دوسری طرف کر لیتے۔ بعض لوگ آپ کی کتابیں (چرا کر) لے جاتے اور وہی بیچنے کے لیے آپ کے پاس لے آتے۔ تو آپ اس کتاب کی تعریف فرماتے۔ اور اس کی قیمت دے دیتے۔ اگر کوئی اشارتاً کہتا کہ حضرت یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے اور اس پر مہر بھی موجود ہے۔ تو آپ ناراض ہو کر منع فرماتے اور کہتے کہ صاحب ایک کاتب کئی کتابیں لکھتا ہے۔ (ضمیمہ مقامات مظہری)

"فتوح فقرا میں تقسیم کر دیتے۔ خود موٹا لباس پہننے کی عادت تھی اگر کوئی نفیس لباس بھیجتا تو اسے بیچ کر کئی کپڑے خریدتے اور انہیں صدقہ میں دے دیتے اور اسی طرح دوسری چیزوں کے بارے میں بھی کرتے بہ نسبت ایک کے اگر زیادہ لوگ پہن لیں تو بہتر ہے۔" (جواہر علویہ ص ۱۴۴)

"آپ اعلیٰ درجہ کے سخی تھے۔ یہ سخاوت خفیہ طور پر کرنا بہت پسند تھا، حلقہ کے وقت بھی لوگوں کو دیتے۔ آنجناب پر حیا اس قدر غالب تھی کہ لوگوں کی شکل دیکھنا تو ایک طرف کبھی اپنے شکل بھی آئینہ میں نہیں دیکھی تھی۔ آپ مومنوں پر اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ اکثر رات کو ان کے حق میں دعا کرتے۔ حکیم قدرت اللہ خاں جو کہ آپ کا ہمسایہ تھا۔ اور اکثر آپ کی غیبت میں اپنا وقت صرف کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے قید ہو گیا۔ آپ نے اس کی رہائی کے لیے کون سی کوشش نہیں

فرمائی۔ (ضمیمہ مقامات مظہری)

سرسید احمد خاں لکھتے ہیں۔

''حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو سے کم فقیر نہیں رہتا تھا۔ اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔ اور باوجود کہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب الغیب سے سب کام چلاتا تھا۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ جو اس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ اور تحفہ آتی اس کو بیچ کر فقرا پر صرف کرتے اور جیسا گزی گاڑھا موٹا تمام فقیروں کو میسر ہوتا ویسا ہی آپ بھی پہنتے۔ اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی آپ بھی کھاتے بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کر سکے (آثار الصنادید ص ۴۶)

غیرت وحمیت:

آپ نے اپنے ملفوظات شریفہ میں فرمایا ہے کہ ایک دن ہم نواب شاہ نظام الدین کے مکان پر ایک تقریب اور فاتحہ خوانی کی مجلس میں شریک ہوئے۔ اس مجلس میں دہلی کا گورنمنٹ کلف فرنگی بھی موجود تھا۔ تمام حاضرین اس کی تعظیم و تکریم کے لیے کھڑے ہوئے۔ مگر ہم بیٹھے رہے۔ جب وہ بیٹھ گیا تو اس کی طرف پشت کر کے دوسرے لوگوں سے ہم باتیں کرنے لگے۔ تاکہ ہماری نگاہ اس کے منحوس چہرے پر نہ پڑے۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ شاہ غلام علی آئے ہیں لوگوں نے بتایا تو اٹھ کر ہمارے پاس آگیا اور قدم بوسی کے لیے آگے بڑھا، ہمیں اس کے منہ سے شراب کی بدبو محسوس ہوئی۔ جس سے بڑی کوفت ہوئی۔ پوری شدت سے ہم نے اسے ڈانٹ کر اپنی جگہ چلے جانے کو کہا اور کتے کی طرح ہٹا دیا۔ اس نے دوسری بار آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ہم نے دوبارہ ہٹا دیا وہ اپنی کوٹھی میں گیا تو اپنے ملازم کو

کہنے لگا سارے ہندوستان میں، میں نے ایک باغیرت انسان دیکھا ہے۔''

امر بالمعروف:

منصب تجدید پر فائز شخصیت کا اہم فرض ہی یہی ہے کہ وہ رخصت کی بجائے عزم وعزیمت سے کام لے اور معاشرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے راہ راست پر گامزن کرے۔ حضرت الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ۔ اس وصف میں نہایت منفرد تھے۔ مولانا غلام محی الدین قصوریؒ فرماتے ہیں۔ عید الاضحیٰ کے دن حضرت شاہ غلام علی دہلوی نماز عید ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ غلام بھی حاضر تھا۔ نماز عید سے فارغ ہوکر لوگوں کا ایک انبوہ قدم بوسی کے لیے آپ کی طرف بڑھا۔ غلام مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھا تاکہ ہجوم منتشر ہونے کے بعد قدم بوسی کروں۔ عین اژدہام میں فرمانے لگے مولوی قصوری کہاں ہیں۔ انہیں یہاں لاؤ۔ احقر نہایت مسرت سے اٹھا اور قدم بوس ہوا۔ اپنے ہاتھ سے احقر کے سر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ سینے سے ہی دل میں القا کی حرارت محسوس ہوئی۔ آپ نے دعا فرمائی غلام واپس آکر اسی گوشے میں بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں مفتی شہر بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ مفتی صاحب نے اپنی داڑھی کترائی ہوئی تھی تبسم فرماتے ہوئے کہنے لگے۔ سبحان اللہ آپ تو بوڑھے ہوگئے۔ لیکن ابھی تک داڑھی نہیں آئی۔ مفتی صاحب سخت شرمسار ہوئے۔ پھر مجھے طلب فرمایا۔ ابھی تین چار ماہ ہوئے ہیں کہ یہ مولوی قصور سے آیا ہے۔ اس نے جو فیض تین ماہ میں حاصل کیا ہے۔ آپ چھ سال میں نہیں کر سکے۔ یہ ہماری پیری کا سرمایہ ہے۔'' (ملفوظات شریفہ ص ۹۷)

حضرت عبدالغنی مجددی فرماتے ہیں۔

☆...... امر بالمعروف و نہی عن المنکر شیوہ شریف بود بہ بادشاہ چہ قدر احتساب

فرمودہ اند ہرگز دریں امر خوف نداشتند مکتوبی کہ بہ بادشاہ اکبر شاہ در احتساب نوشتہ اند در مکتوبات شریف موجود است، یعنی اچھی بات کا حکم دینا اور برائی سے روکنا آپ کا شیوہ شریف تھا۔ بادشاہ کا سخت احتساب کرتے تھے۔ اور اس باب میں آپ کو کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ وہ مکتوب جس میں آپ نے اکبر شاہ ثانی پر احتساب کیا ہے۔ وہ آپ کے مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ (ضمیمہ مقامات)

☆...... سید اسماعیل مدنی آں سرور ﷺ کے حکم سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ ہی کے حکم کے مطابق جامع مسجد دہلی میں موجود آثار نبویہ کی زیارت کے لیے گئے۔ اور واپس آ کر کہا کہ اگر چہ وہاں حضرت رسالت ﷺ کی برکات محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن وہاں کفر کی ظلمت بھی موجود ہے۔ اس کی تحقیق کروائی تو وہاں بعض اکابرین کی تصاویر کی موجودگی کا علم ہوا آپ نے اس سلسلے میں بادشاہ کو لکھا تو وہ تصویریں وہاں سے باہر نکالی گئیں۔ (جواہر علویہ ص ۱۴۲)

☆...... میر اکبر علی کہتے ہیں۔ کہ میرے چچا نے داڑھی نہیں رکھی تھی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھا اور نرمی سے فرمایا کہ عجب ہے کہ میر صاحب کی داڑھی نہیں ہے۔ پھر خندہ پیشانی سے فرمایا کہ جو کچھ ہے وہ آپ ہی کے خاندان سے ہے۔ ہم تو آپ کے گماشتے ہیں۔ الغرض وہ چلا گیا اور پھر کبھی داڑھی نہ منڈوائی۔ (ضمیمہ مقامات)

دیگر اوصاف حسنہ

☆...... آپ حضرت مظہر جانجاناں قدس سرہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت مظہر کی

طبعیت میں حد درجہ کی نزاکت و لطافت موجود تھی۔ اسی نزاکت طبع کا فیض آپ میں موجود تھا۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی فرماتے ہیں۔ ''آپ کی طبیعت اس قدر نازک تھی کہ اگر کوئی دور تمبا کو کا دھواں چھوڑتا تو آپ ناراض ہو جاتے اور مکان کو دھونی دیتے۔ فرماتے افغانوں نے ہماری مسجد کو ہلاش دانی بنا دیا ہے۔

☆...... آپ کو قرآن پاک سے بہت محبت تھی۔ حضرت شاہ ابو سعید مجددیؒ سے ختم قرآن مجید سنتے اور کبھی غلبہ شوق سے زیادہ سنتے تو بے تاب ہو کر فرماتے بس کرو۔ مجھ میں بے تاب ہونے کی زیادہ طاقت نہیں۔

☆...... آپ کو ہر وقت آخرت کی فکر لاحق تھی۔ ایک دن فرمایا میری عمر سترہ سال تھی جب میں آیا اب میری عمر ساٹھ سال ہے۔ مگر ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جب ذکر و فکر اور حلقہ و مراقبہ نہ کیا ہو۔ بایں ہمہ آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ یہ خوف اس وقت تک رہے گا جب تک ہم نے بہشت میں قدم نہیں رکھ لیا اور اپنے رب سے **رضیت عنک یا عبدی** نہ سن لیا''

☆...... آپ اکثر درد انگیز اشعار سنتے تھے جن سے آپ کو وجد آجاتا تھا لیکن چونکہ استقامت کا پہاڑ تھے۔ اس لیے ضبط کر لیتے۔

ما برائے استقامت آمدیم
نے پئے کشف و کرامت آمدیم

☆...... آپ لقمہ کی احتیاط کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میں کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا۔ ایک روز اتفاق سے چند لقمے کھا لئے تو عالم مشاہدہ میں حضرت مرشدی و مولائی شہید نور اللہ مرقدہ المجید کی روح طیب کو دیکھا

کہ آپ سے فرما رہے ہیں۔ پھر بندہ کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہر کس و ناکس کے گھر کا کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ لقمہ کے بارے میں احتیاط ضروری ہے۔ کہ یہ درویشی کے لوازمات سے ہے۔

☆...... آپ کو اپنے شیخ کریم سے بہت محبت تھی جس کی دلیل آپ کے ملفوظات شریفہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جس کے ساتھ محبت ہو انسان اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ کے موجب آپ جا بجا حضرت مظہر قدس سرہ کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی بارگاہ کا ادب آپ کا سرمایہ تھا۔ مولانا قصوری فرماتے ہیں۔

''مسجد سے اٹھ کر آپ مرزا مظہر جان جاناں کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ مزار اقدس کے قدم گاہ سے مٹی اٹھا کر آنکھوں رخسار اور دل پر ملتے رہے۔ مزار کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر کہنے لگے یا حضرت! اتنی کمزوری ہو گئی کہ اب کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک نہیں پڑھا جا سکتا۔ مجھے آپ نے ناز و نعمت سے پالا ہے اب اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل خاتمہ بالخیر کرے۔ (ملفوظات شریفہ ص ۹۷)

☆...... آپ بہت منکسر المزاج تھے۔ ایک روز فرمانے لگے ایک کتا گھر آیا تو کہا یا الٰہی میں کون ہوں کہ تیرے دوستوں کا وسیلہ بنوں تو اس مخلوق کے صدقے مجھ پر رحم فرما اور اسی طرح اگر کوئی طلب کے لیے آتا ہے۔ تو اس کو تقرب کے لیے وسیلہ بناتا ہوں۔ (ضمیمہ مقامات) ایک ہندو نے آکر کہا میں دن میں پچاس ہزار بار اللہ کا نام لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ہندو سے شرم آتی ہے۔ ہندو ہو کر ذکر الٰہی سے غافل نہیں میں مومن ہو کر بھی غافل

ہوں۔ اللہ اکبر کیسی عاجزی ہے۔ ورنہ آپ تو بہت بڑے ذاکر تھے۔

☆...... ''آپ کو غیبت سے بڑی نفرت تھی شاہ عبدالغنی مجددیؒ لکھتے ہیں۔

''دنیا کا ذکر آپ کی مجلس شریف میں نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی امرا یا فقرا کا ذکر ہوتا گویا سفیان ثوری کی مجلس تھی۔ اگر کوئی غیبت کرتا تو فرماتے واقعی برائی مجھ میں ہی ہے۔ کسی نے شاہ عالم بادشاہ کی برائی کی۔ آپ روزے سے تھے فرمایا افسوس کہ روزہ جاتا رہا۔ کسی نے عرض کی کہ حضرت آپ نے کسی کی غیبت نہیں کی فرمایا صاحب اگرچہ ایسا نہیں کیا لیکن میں نے سنا ہے کہ غیبت کرنے اور سننے والا برابر ہوتے ہیں۔ (ضمیمہ مقامات)

☆...... آپ عزم و ہمت کی چٹان تھے۔ آخری عمر میں آپ کو ضعف بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ لیکن جب یہ شعر پڑھتے تو اسی شدید ضعف میں ہی اٹھ کر بیٹھ جاتے اور پوری قوت سے طالبوں پر توجہ کرتے شعر حافظ،

ہر چند پیر وخستہ دل و ناتواں شدم

ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

☆...... آپ اپنے مشائخ کرام کی اطاعت میں بہت سنجیدہ تھے۔ فرماتے ہیں مجھے سماع سے بہت رغبت تھی چونکہ ہمارے پیران عظام کے قاعدہ کے خلاف تھا اس لیے سننے کی جرات نہیں کی'' الغرض قسام ازل نے آپ کی ذات و صفات میں لاتعداد خوبیاں ودیعت فرمائیں۔

ذرا فخر الافاضل، مجدالاماثل شیخ الاسلام والمسلمین مولانا غلام محی الدین قصوریؒ جیسے سراپا علم و فضل کا ہدیہ ارادت ملاحظہ کیجیے اور آپ کی شان و عظمت کا اندازہ لگائیے۔

☆☆☆

پیر کامل مرشد ہادی مکمل رہنما
شاہ اقلیم شریعت در طریقت مقتدا

مخزن علم و حیاء و معدن علم و ادب
منبع جو د و سخا و مطلع صدق و صفا

خضر صورت سیرتش آب خضر را اند کے
از نگاہش بشگفد دل ہمچو غنچہ از صفا

سرو باغ استقامت شمع بزم معرفت
زیب بخش مسند حضرت مجدد مجتبیٰ

بے نظیر اندر کرم حاتم گدائے کوئے تو
ہست احسان خانہ زادش زاد خوانش ھل اتیٰ

ہست شیطان لعین راچوں عمر گردن زنے
بر سرفرعوں نفس آمد چو موسیٰ با عصا

ہر چہ می خواہد دلش موجود گرد ددرزماں
ہر ہدف دایم رسد تیر دعائش بے خطا

می رسد ہر دم برو مانند باراں پے بہ پے
فیض بوبکر و عمر، عثماں، علی المرتضیٰ

شاہ عبداللہ غلام شاہ علی قطب زماں
بس نمی گرد دستائش تا ابد بادش بقا

☆☆☆

ملفوظات مبارکہ

☆☆☆

آپ کے حسن تکلم نے ایک عالم کو تسخیر اور ایک زمانے کو پابہ زنجیر کیا۔ مولانا قصوری فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے کلام فیض نظام کے سامعین کے حلقہ میں منسلک فرمایا۔ مجھے وہ دیدار نصیب ہوا جو بحکم اولیاء اللہ اذا راو ذکر اللہ دیدار خدا کی یاد تازہ کرتا گیا۔ میں نے آپ کی زبان سے وہ کلام سنا جو عقل و خرد کے سانپ کے زہر کے لیے معرفت الٰہی کا تریاق تھا۔ (ملفوظات شریفہ ص ۷۸)

واقعی آپ کے ملفوظات مبارکہ کا مطالعہ کرنے والا انسان آپ کے علم و عرفان، ذوق و وجدان، حسن ایمان اور فہم قرآن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا آپ کے ملفوظات مبارکہ کو شاہ عبدالغنی دہلوی، مولانا عبدالروف رافت اور مولانا غلام محی الدین قصوری جیسے فضلائے کرام نے جمع فرمایا۔ ہم ان کے مجموعوں، ضمیمہ مقامات مظہری فصل ملفوظات، درالمعارف اور ملفوظات شریفہ سے ذیل میں چند جواہر پارے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ وہ بھی ایک ولی کامل کی مجلس حیات آفرین میں چند ثانیے بسر کرلیں۔

☆...... فرمایا! فقر کے لیے صبر لازم اور صبر کا معنی حبس نفس ہے۔

☆...... فرمایا! ہمارے طریقہ میں داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے نجات دے گا۔

☆...... فرمایا! ہم پتھر پر توجہ کریں تو انشاء اللہ اس سے بھی انوار الٰہی کا ظہور ہوگا۔

☆...... فرمایا! فنا دریا میں غوطہ زنی کو کہتے ہیں۔ اور پھر اس پانی کے جسم کے تمام اجزاء میں سرایت کرنے کا نام بقا ہے۔

☆...... فرمایا! مشکوک غذا سے باطن مکدر ہو جاتا ہے۔

☆...... فرمایا! حضرت غوث الثقلین کے کلام مبارک سے وحدت الوجود کی تصریح معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کے خلاف مفہوم نکلتا ہے۔

☆...... فرمایا! حضرت غوث الثقلین پر حالت بقا کا غلبہ تھا۔

☆...... فرمایا! شیخ کی رضا خالق کی قبولیت کا سبب ہے۔

☆...... فرمایا! عشق جبلی ہی اچھا اور مفید ہوتا ہے۔

☆...... فرمایا! اہل محبت کو اعمال کی حاجت نہیں۔ تھوڑے عمل بھی کافی ہوتے ہیں۔

☆...... فرمایا! نقشبندیوں کا طریقہ علماء کرام کا پسندیدہ ہے۔ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں، اس طریقہ کو مشائخ متقدمین مثل حضرت غوث الاعظم اور حضرت جنید بغدادی اور دوسرے مشاہیر اولیاء نے بھی پسند کیا ہے۔

☆...... فرمایا! طلب خدا سے کیفیت طاری نہیں ہوتی ذکر خدا کرنا چاہیے کیفیت خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ اگر کیفیت پیدا نہ ہوئی تو ذکر خدا بذات خود عبادت ہے۔

کہ نباشد از شکر جز نام بر　　　زاں بسے خوشتر کہ اندر کام ہر

☆...... فرمایا! جمعیت یہ ہے کہ رفتہ اور آئندہ کی تشویش دل میں رہے۔

☆...... فرمایا! سبحان اللہ کیا معطی ہے جو بغیر علت اور منت کے مجھ جیسے ناچیز اور حقیر کو اپنی نوازشات سے مالا مال کرتا ہے۔ نہ تعویز کرتا ہوں۔ نہ طومار۔ نہ حضرت شیخ عبدالقادر کا نواسہ ہوں۔ نہ حضرت قطب الدین کے شیر کا ن

سے ہوں ۔ پھر بھی مجھے عزیز رکھا جاتا ہے۔ ہاں اللہ کی دین کے لیے قابلیت شرط نہیں ۔ بلکہ اس کی دین ہی قابلیت کی شرط ہے۔

☆...... فرمایا! ہمارے خواجگان کی ہمت میں عجیب اثر ہے۔ایک دن خواجہ احرار ولی نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی آفتاب غروب ہو رہا تھا۔آپ نے اپنی ہمت اور توجہ سے آفتاب کو پابند کر دیا اور نماز ادا کرنے سے پہلے نہ غروب ہونے دیا ۔آپ کا جس وقت جی چاہا اسے چھوڑ دیا آناً فاناً سیاہی پھیل گئی (ملفوظات شریفہ)

☆...... فرمایا ! ذوق و شوق اور کشف و کرامات کا طالب ،خدا کا طالب نہیں ہوتا۔(بقول حافظ)

شرم مابا دازیں خرقہ آلودہ خود
گر بدیں فضل وکرم نام کرامات بریم

☆...... فرمایا! کمالات میں عریانی وصل ہوتی ہے اس مقام میں سالک کے لیے نا امیدی کے سوا کچھ نہیں۔ ہر چند وصول ہوتا ہے۔حصول نہیں ہوتا۔

فرمایا! ولایت میں خطرات مضر ہوتے ہیں۔لیکن کمالات نبوت میں نہیں ۔حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں اجھـز الـجیش و انا فی الصلوۃ ۔یعنی نماز میں لشکر کی تیاری بھی کرتا ہوں۔آفتاب کا مشاہدہ خطرات قلب میں مانع نہیں ہوتا۔

☆...... فرمایا! طریقہ نقشبندیہ چار چیزوں سے عبارت ہے بے خطرگی ۔دوام حضور ،جذبات، واردات۔

☆...... فرمایا! پیغمبر خدا ﷺ جمیع کمالات کے جامع تھے ان کمالات کا ظہور مختلف

زمانوں میں افراد امت کی استعداد کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔آپ کے اسم شریف محمد کا کمال حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے میں مکشوف ہوا۔

☆...... فرمایا! جس طرح طلب حلال مومنوں پر فرض ہے۔اسی طرح ترک حلال بھی عارفوں پر فرض ہے۔

☆...... فرمایا! اے عزیز جب تک کسی چیز کے خیال میں رہے گا تو اسی چیز کا غلام رہے گا۔

☆...... فرمایا! لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں ۔دنیا کے طالب نامرد، آخرت کے طالب مرد، آخرت و مولیٰ کے طالب جواں مرد، اور مولیٰ کے طالب فرد

☆...... فرمایا! دعا کے بعد انشراح صدر ہو جائے تو یہ قبولیت کی نشانی ہے۔

☆...... فرمایا! نورانی عقل وہ ہے۔جو بلا واسطہ مقصود پر دلالت کرے۔

☆...... فرمایا! عین زوال اس بات کا نام ہے کہ سالک "انا" نہ کہہ سکے۔خواجہ احرارؒ نے فرمایا انا الحق کہنا آسان ہے۔انا کو زائل کرنا مشکل ہے۔

☆...... فرمایا! طریقت میں کفر یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے اور ذات حق کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئے۔منصور حلاج کہتے ہیں۔**کفرت بدین اللہ والکفر واجب لدی و عندالمسلمین قبیح**"۔

☆...... فرمایا! جو مخدوم بننا چاہے وہ مرشد کی خدمت کرے۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

☆...... فرمایا! درویش اگر تین دن کے بعد بھی کھانا طلب کرے تو صوفی نہیں ۔ایک بزرگ کے دل میں تین دن رات کے بعد کھانے کا خیال آیا تو اسے الہام ہوا کم بخت تو نے ہماری صحبت کو روٹی کے عوض بیچ دیا۔

☆...... فرمایا! زکوۃ کا ادا کرنا ایک سال کے بعد لازم ہے۔ لیکن میرے پاس جب روپے آتے ہیں۔ میں اسی وقت زکوۃ ادا کر دیتا ہوں۔

☆...... فرمایا! آدمی کو چاہیے کہ اپنا وقت ضائع نہ کرے اس سے درجات میں نقصان ہوتا ہے۔

☆...... فرمایا! القاب و خطاب میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا شریعت میں ناجائز ہے۔

☆...... فرمایا! ادب ایسی چیز ہے جو خاک نشین کو افلاک نشین کر دیتی ہے۔

☆...... فرمایا! ''میں امیروں کی ملاقات کرنے، دنیا طلب کرنے۔ گانے باجے سننے اور ہمہ اوست کہنے سے بیزار ہوں۔ حالانکہ ہمہ اوست احوال کی بات ہے لیکن اس زمانے کے صوفیاء اسے قال میں لے آئے ہیں۔ اور حقیقت تک نہ پہنچنے کے باعث اس بات کو چرب زبانی کے ذریعے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے اور الحادو زندقہ میں گرفتار ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ سب خدا ہے۔ غیر ہے کہاں۔ میں نے اسے مجلس سے باہر نکال دیا۔ ایک شخص جب گدھے کی آواز سنتا۔ تو جل جلالہ کہتا (نعوذ باللہ) یہ کیسا کمال ہے یا حال ہے۔ کہ کلام الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔ اگر یہ بات حق ہوتی تو پیغمبر خدا پر نازل ہوتی۔ یہ پیغام کس کی طرف سے آیا ہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا.........)

درالمعارف ص ۲۸۶)

اثرات و فیوضات:

کسی بھی روحانی اور علمی و فکری شخصیت کا اندازہ اس

کے اثرات و فیوضات سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب ہم شیخ الاسلام الشاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ القوی کے اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ علم و عرفان کا شجر سایہ دار تھے جس کی پھل دار شاخیں تمام عالم اسلام میں پھیل گئیں۔ اور بلا مبالغہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے ان سے استفادہ کیا۔ آپ کی باقیات صالحات میں سے آپ کی تصانیف مبارکہ اور جلیل المرتبت خلفاء کرام ہیں۔ جن کے چشمہ ہائے فیض سے لاکھوں کروڑوں کے سینے سیراب ہوئے۔ ذیل میں آپ کے صرف چار خلفاء کرام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے آپ کے اثرات و فیوضات کے بارے میں علم ہو سکے گا۔

(1)

آپ کے خلیفہ اعظم، حضرت ابو سعید مجددی فاروقیؒ کا اسم گرامی زکی القدر اور کنیت ابو سعید ہے۔ آپ ۲ ذیعقد ۱۱۹۶ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ مفتی شرف الدین، شاہ رفیع الدین اور شاہ سراج احمد جیسے علمائے روزگار سے کتب متداولہ کی تعلیم حاصل کی اور شاہ غلام علی دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے سند حدیث سے نوازا۔ اول شاہ درگاہی سے بیعت ہوئے۔ اور ان کی خلافت و نیابت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ بعد ازاں مسند خلافت کو چھوڑ کر حضور الشاہ غلام علی دہلوی کی غلامی اختیار کی۔ آپ کی نظر کیمیا نے ان کو ولایت و معرفت کی بلند و بالا منزلوں پر فائز کر دیا۔ آپ نے حضرت دہلوی کے بعد آپ کی مرکزی خلافت و نیابت کی ذمہ داری سنبھالی اور خانقاہ مظہریہ کے جام تقسیم کیے۔ آپ کا فیض بہت عام ہوا۔ آپ کے صاحبزادے شاہ احمد سعید دہلوی، شاہ عبدالغنی دہلوی اور شاہ عبدالمغنی دہلوی نابغہ روزگار تھے۔ الشاہ احمد سعید دہلوی کا فیض حضرت خواجہ دوست محمد قندہاری اور آپ کے اجل خلفاء کرام

بلخصوص خواجہ محمد عثمان دامانی نے برصغیر کے طول وعرض میں پھیلا دیا۔ الشاہ ابوسعید کے فرزند گرامی الشاہ احمد سعید دہلوی بہت بڑے عالم دین اور عظیم القدر صوفی طریقت تھے۔ حضرت الشاہ غلام علی دہلوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''حضرت ابو سعید کا بیٹا حضرت احمد سعید علم وعمل، حفظ قرآن مجید اور نسبت شریفہ کے احوال میں اپنے والد صاحب کے قریب ہے۔'' (کمالات مظہری)

''ان کا شمار ان غیور علما کرام میں ہوتا ہے جنھوں نے انگریزوں کے خلاف فتوی جہاد جاری کیا اور اس کی پاداش میں وطن عزیز چھوڑ کر دیار حجاز کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ آپ کا مزار حضرت عثمان غنیؓ کے پہلو میں ہے۔ الغرض حضرت الشاہ ابو سعید دہلوی اور ان کے صاحبزادوں اور نائبوں نے اپنے شیخ کریم کے مشن کو خوب عام کیا۔ آپ کا وصال یکم شوال ۱۲۵۰ھ کو ہوا۔ جب آپ سفر حج وزیارت سے واپس آ رہے تھے۔ آپ کا مزار دہلی شریف میں موجود ہے۔

(2)

آپ کے دوسرے نامور خلیفہ اجل حضرت علامہ قصوری دائم الحضوری کی ذات والا صفات ہے۔ جو اپنے معاصر میں ایک مقام رکھتی ہے۔ آپ کا نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ ۱۲۰۲ھ کو جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ علم وعرفان میں یکتائے عصر تھا۔ آپ نے اپنے عم کریم حضرت مولانا محمد قصوری سے معقول ومنقول کی مروجہ کتابوں کا علم حاصل کیا۔ نیز انہیں سے مکتوبات مجددیہ کا درس لیا۔ بعد ازاں ان کی خلافت و نیابت سے سرفراز ہو کر ان کی عمر ظاہری میں ہی شہرت دوام حاصل کی۔ آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بہت سے اضلاع کے کثیر التعداد لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ اپنے عم کریم کی وفات ۱۲۳۳ھ کے بعد حضرت

الشاہ غلام علی دہلوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت الشاہ دہلوی نے پہلے ہی فرما دیا کہ "آج ایک امر عظیم ظاہر ہوگا۔ کہ ایک فاضل ہم سے طریقہ اخذ کرے گا۔" پھر شاہ صاحب نے انہیں قادریہ سلسلہ میں بیعت کر کے حضرت غوث اعظمؓ کے فیض سے بھر دیا۔ پھر چھ طریقوں قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ۔ سہروردیہ، مجددیہ، اور کبرویہ کی نسبت القا فرمائی۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ اس طرح یہ علم و عرفان کا چراغ درخشاں پورے پنجاب کو روشن کرنے کے لیئے تیار ہوا۔

آپ کے صاحبزادہ حافظ عبدالرسول قصوری ۱۲۳۵ھ کو آپ کی بشارت مبارکہ کے عین مطابق پیدا ہوئے۔ اور حصول علم و فضل کے بعد علمائے عصر میں ہر دل عزیز ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب کے علاوہ مولانا غلام دستگیر قصوری۔ مولانا غلام نبی للہی، مولانا حافظ غلام مرتضی بیر بلوی اور حافظ نورالدین چکوڑوی کے دینی و روحانی کارنامے زباں زد عام و خاص ہیں ان سب افراد قدسیہ کے اندر ایک کائنات علم و فضل آباد تھی۔ حضرت قصوری کثیر التصانیف تھے۔ بہت بڑے کتب خانہ کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے مرشد گرامی کے ملفوظات شریفہ کو مرتب فرمایا۔ آپ نے ۶۹ سال کی عمر میں ۱۲۷۰ھ کو بحالت مراقبہ وصال فرمایا۔ اور قصور میں دفن ہوئے۔ آپ کے ارشاد کا سلسلہ برصغیر پاک و ہند سے نکل کر بلخ و بخارا تک پہنچا اور لاکھوں لوگ ان کے علوم ظاہری و باطنی سے مستفیض ہوئے۔ حضرت دہلوی کا آپ کے بارے میں فرمان ہے۔ کہ غوث پاک نے امیر معاویہ کو خلیفہ پنجم قرار دیا ہے۔ ہم مولانا قصوری کو اپنا خلیفہ پنجم قرار دیتے ہیں۔ (مناقب احمدیہ ص ۵۷)

(3)

آپ کے ایک اور جید واکمل خلیفہ حضرت الشاہ عبدالروف رافت کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۴ محرم ۱۲۰۱ھ کو مصطفیٰ آباد میں ہوئی۔ آپ شاہ ابوسعید دہلوی کے خالہ زاد تھے۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد یحییٰ فاروقی کے توسل سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ بہت بڑے عالم دین اور ژرف نگاہ مفسر قرآن تھے۔ آپ کی تفسیر روفی بہت بڑا علمی وفکری ذخیرہ ہے۔ انہوں نے حضرت دہلوی کے ملفوظات ومکتوبات کو بھی جمع کیا۔ نیز ان کے حالات مقدسہ پر جواہر علویہ جیسی کتاب لکھی۔ آپ بلند خیال شاعر بھی تھے۔ رافت تخلص تھا۔ علم تفسیر کے علاوہ آپ کو حدیث وفقہ اور تصوف وکلام میں عبور حاصل تھا۔ آپ نے شاہ درگاہی" کی خلافت و نیابت کے بعد حضرت دہلوی کی غلامی اختیار کی تو استعداد باطنی کے جوہر کھل اٹھے۔ پھر خود چمک کر لاکھوں کو چمکا دیا۔ علاقہ بھوپال میں آپ کے دریائے فیض نے تشنہ لبوں کو سیراب کر دیا۔ دلوں کی بنجر زمینوں کو رشک بہاراں بنا دیا۔ آپ نے ۲۷ ذیقعد ۱۲۵۳ھ کو سفر حج وزیارت کے دوران بحری جہاز میں وفات پائی۔ اور برعلی کے قریب یلملم میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند گرامی شاہ خطیب احمد مجددی بہت صاحب مقام ہوئے۔ والد گرامی کی مسند کو رونق بخشی، اور طریقہ عالیہ کو خوب شائع فرمایا۔ ان کے بارے میں آیا ہے کہ جب انہیں قبر میں اتارا گیا۔ تو انہوں نے آنکھیں کھول لیں۔

(4)

حضرت دہلوی کے گرامی قدر خلفاء عظام میں خالد کردی شہر زوری کا ذکر بہت آب وتاب سے ملتا ہے۔ مشہور عالم دین تھے اور ہر فن میں عجیب استعداد رکھتے

تھے۔ آپ نے حدیث کی پچاس کتابوں کی سند حاصل کی۔ صحاح ستہ کی سند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے وصول کی (البہجۃ السنیہ ص ۸۲) آپ کے بارے میں حضرت دہلوی کا ارشاد ہے۔

''حضرت باقی باللہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں حضرت مجدد جیسا خلیفہ ملا، حضرت مجدد کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں حضرت آدم نبوری جیسا خلیفہ ملا اور میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے مولانا خالد کردی جیسا خلیفہ ملا'' ۔ ایضاً)

آپ نے مرزا رحیم بیگؒ کے کہنے پر حضرت دہلوی کی جستجو اختیار کی ۔ بالآخر مختلف دیار و امصار کی سیاحت کرتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۔ اور آپ کی توجہات قاہرہ سے مقام قطبیت پر فائز ہوئے ۔ حضرت خالد کے سامنے اگر کوئی آپ کے شیخ کی بدگوئی کرتا تو وہ آپ کو خنزیر کی طرح دکھائی دیتا جس سے ان کا اعتقاد مضبوط ہو گیا۔ وہ مرشد برحق کی بارگاہ میں جوتوں کی قطار کے پیچھے گردن جھکا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی حسن ادب نے انہیں آسمان طریقت کا آفتاب بن دیا۔ آپ کے خلفاء کرام ہزاروں اور ان کے خلفاء کرام بھی ہزاروں کی تعداد میں پہنچ گئے۔ آپ کا ایک مکتوب گرامی پیچھے گزر چکا جس سے آپ کے فیض کا اندازہ لگایا جا سکتا۔ آپ اچھے شاعر بھی تھے۔ حضرت دہلوی نے ان کے اشعار کو رومی و جامی کا ہم پایہ قرار دیا ہے۔ آپ کے ذریعے روم، عرب، عراق اور عجم کے وسیع و عریض علاقے نیز ترکستان میں آپ کے خلفاء کرام کے ذریعے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کو رواج و دوام ملا۔ اسلام کے شہرہ آفاق مفسر علامہ محمود آلوسی اور فقیہہ علامہ ابن عابدین شامی بھی انہی کے دامن کرم کے خوشہ چین تھے۔ علامہ شامی نے آپ کے حالات پر کتاب بھی لکھی ہے۔ آپ نے اہل تشیع کے پرانے علاقوں شیراز، یزدا، اور اصفہان میں بھی تبلیغی دورہ

کیا۔اوران سے مباحثے کئے۔آپ کثیر التصانیف ہوئے۔جن میں تعلیقات حاشیہ ملا سیالکوٹی علی الخیالی''العقد الجوہری فی الفرق بین الماتریدی والاشعری'' حاشیہ علی جمع الفوائد،حاشیہ علی النہایہ فی فقہ الشافعی شرح عقائد العضد یہ جیسی تحقیقی تصانیف موجود ہیں۔آپ نے اپنے شیخ کریم کے دو سال بعد ۱۲۴۰ھ کو وبائے طاعون کی وجہ سے مقام شہادت حاصل کیا۔

ان چار عظیم خلفاء کرام کے علاوہ بھی متعدد خلفاء کرام نے حضرت دہلوی کی روحانیت تقسیم کی جو کہ آپ کے مجددی اثرات وفیوضات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ایک حسین خواب:

الحمد للہ یہ احقر العباد دو دمان مجددیہ کا ادنیٰ سا گدا مورخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء کورات ۱۱ بجے تک حضرت شیخ الاسلام خواجہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے حالات واوصاف رقم کرنے سے فارغ ہوا۔تو نیند نے آلیا۔صبح صادق کے خوشگوار سمے میں یہ حسین خواب دیکھا کہ حدنگاہ تک خلقت خدا کا جم غفیر ہے اور احقر اس میں کھڑا ہو کر حضور رسالت مآب ﷺ کے محامد ومحاسن بیان کر رہا ہے۔احقر کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔حضور زندہ ہیں۔سب کہو حضور زندہ ہیں۔آپ جانتے ہیں یہ عقیدہ ہمیں کس نے دیا ہے۔یہ عقیدہ ہمیں حضور مجدد الف ثانی نے دیا ہے۔یہ عقیدہ ہمیں شیخ الاسلام غلام علی دہلوی نے دیا ہے۔اسی اثناء میں سب لوگ تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ میں نے پوچھا سب کیوں کھڑے ہو گئے۔کسی نے کہا حضرت شیخ الاسلام تشریف لائے ہیں۔پھر نجانے میں کس طرح ایک مکان کی چھت پر پہنچ گیا۔وہاں ایک حسین وجمیل بزرگ طویل عبا میں ملبوس ایک کرسی پہ جلوہ افروز ہیں۔ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔وہ ہجوم سے خطاب فرمانے والے ہیں کہ میں ان کے قریب بیٹھ گیا۔

اس ارادے سے کہ دوران خطاب انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو میں خدمت کروں گا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہی حضرت شیخ الاسلام غلام علی دہلوی ہیں۔ احقر کے غریب خانہ کے قریب مسجد ہے۔ جس میں نماز فجر کے بعد صلوۃ وسلام سپیکر میں پڑھا جاتا ہے۔ صلوۃ سلام کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں اس خواب حسین کے مناظر میں ڈوبا ہوا نماز فجر کی ادائیگی کے لیے وضو کرنے لگا۔ دراصل یہ اس خیال کا جواب تھا۔ جو حضرت شیخ الاسلام کے حالات لکھتے ہوئے میرے دل میں آیا تھا۔ کہ میرے جیسے گنہگاروں کو ایسے عالی مرتبت بزرگوں کی زیارت کب نصیب ہوگی۔ واقعی یہ لوگ غریب نواز ہوتے ہیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

مورخہ ۲۶ اپریل بروز بدھ میں نے آپ کی شان میں یہ حرف نیاز لکھا۔

☆☆☆

شہنشاہ ولایت ،مرد حق ،محبوب سبحانی
گلستان حقیقت میں بہار صبح ایمانی
وہ عبداللہ ،قیوم زماں ،سلطان دورانی
نبی کا فیض روحانی ،علی کا نور عرفانی
مجدد دین و ملت کا مفکر شرع وسنت کا
وہ مہتاب درخشاں آسمان عزم و ہمت کا
چمن زار مجدد الف ثانی کا نگہباں ہے
یقیناً دودمان علویہ کا سازوساماں ہے
ادب کا عشق ومستی کا فراست کا خزینہ ہے
وہ جس کا سرمہ چشم صفا خاک مدینہ ہے
لگن تھی جس کو ہر لحظہ عزیمت استقامت کی
در والا پہ دنیا جھک گئی کشف وکرامت کی
وہ جس کا ہر زماں میں دریائے فیضان جاری ہے
وہ جس کا ہر جہاں میں غلبہ احسان طاری ہے
وہ محبوب قصوری ،روح خالد ،مرشد رافت
وہ مظہر جان جاناں کی نگاہوں کی حسیں راحت
وہ جس کے لفظ میں پنہاں ہوئی تاثیر صدیقی
وہ جس نے توڑ دی دنیا میں ہر زنجیر زندیقی
مجدد کا دلاور ،مسند تجدید کا وارث
جہان کفر اور الحاد میں توحید کا وارث
سکھائی کورچشموں کو ادائے دلبری جس نے
اٹھائی بزم ہستی میں صدائے حق رسی جس نے
وہ جس کی تربیت میں ہاتھ تھا غوث دلآرا کا
وہ نائب تھا شہنشاہ سمر قند و بخارا کا
غلام زار پر نظر کرم فرما گیا کیسے
اندھیروں پر محبت کا سویرا چھا گیا کیسے

حضرت الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی

☆☆☆

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں خاندان ولی اللہی نے علم حدیث میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ برصغیر میں ہر بڑے سے بڑا عالم سند حدیث میں اس خاندان کا مرہون منت دکھائی دیتا ہے۔ اس خاندان کے مورث گرامی حضرت شیخ الشاہ عبد الرحیم دہلوی سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے دربار کی زینت تھے ان کے لخت جگر الشاہ ولی اللہ دہلوی نے برصغیر کے مذہبی و سیاسی اور معاشرتی حالات پر گہرے اثرات مرتب فرمائے۔

مفتی عنایت اللہ کاکوروی نے خوب لکھا ہے۔

"شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال شجر طوبیٰ کی سی ہے۔ کہ اس کی شاخ ہر ایک جنتی کے گھر میں ہوگی۔ جس کے گھر طوبیٰ کی شاخ نہ ہو وہ جنتی نہیں۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۵ ص ۲۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو بڑے جلیل القدر فرزند عطا کیے۔ ان میں حضرت سراج الھند شیخ المحدثین الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سب سے بلند قامت اور عالی منزلت ہوئے۔ ان کو تیرھویں صدی ہجری کا مجدد اسلام بھی کہا جاتا ہے۔

حالات وآثار:

خاندان فاروقی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ،۱۷۴۶ء کو بروز جمعۃ المبارک پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۴ واسطوں سے ہوتا ہوا حضرت عمر فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا تاریخی نام غلام حلیم ہے۔ خاندان میں ''مسیتا'' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کے والدین کے کوئی اولاد نہیں بچتی تھی۔ آپ پیدا ہوئے تو آپ کو غسل دے کر مسجد کی محراب میں رکھ دیا گیا۔ اس سال کئی اہل نظر بزرگ معتکف تھے انہوں نے آپ کو آپکے والدین کے سپرد کر دیا۔ (تاریخ ساز شخصیات) علم دین اپنے والد گرامی حضرت الشاہ ولی اللہ دہلوی سے حاصل کیا اور ان کی مسند علم و فضل پر رونق افروز ہوئے۔ بعض کتب احادیث کی سند حضرت مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے حاصل کی۔ علم فقہ اپنے خسر مولانا نوراللہ سے حاصل فرمایا۔ آپ کے بارے میں بالخصوص اور آپ کے دوسرے برادران گرامی کے بارے میں بالعموم حضرت الشاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے مکشوفات ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

''در عالم مثال در یکے از فرزندان خود جاہے وثروتے تمام و عظمتے و نورانیتے عظیم مشاہدہ نمودم امید آنست کہ ایں معنیٰ ظہور نماید و در بعضے از فرزندان علمے وسیع معلوم می شود و از بعضے دیگر بقائے نسل ادراک نمودہ می آید''

اس کشف کی تشریح میں مولانا حافظ تقی انور علوی نے لکھا ہے:

''آپ کے فرزند شاہ عبدالعزیز کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت، علمیت اور نورانیت کی دولت سے نوازا۔ شاہ ولی اللہ نے کتابیں لکھیں اور شاہ عبدالعزیز نے چار

اطراف میں ان کے علم کو پھیلایا۔آپ سارے ہندوستان کے مسلم استاد ہوئے۔شاہ عالم بادشاہ نے جاگیر عنایت کی۔دو مواضع آپ کے اور آپ کے تین بھائیوں کے اور ایک بلاشرکت غیرے آپ کا۔بادشاہ آپ کے حلقہ وعظ میں آیا کرتے تھے۔شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر آپ کے دست و بازو تھے۔جب تک یہ دونوں بھائی زندہ رہے۔آپ سکون سے رہے۔(سعی التقی فی ترجمہ القولی الجلی)

ایک دن حضرت الشاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اپنے چار فرزندان گرامی کو بشارت عظیمہ سے نوازا۔آپ نے شیخ عبدالعزیز سے فرمایا میرے فرزند شیخ محمد کو اللہ سے نسبت فلاں شاہ حسین کی طرح ہوگی۔اور تمھارا نام ملاء اعلیٰ میں حجۃ اللہ ہے۔رفیع الدین کا نام ابوالعجائب ہے۔ان کو عناصر کی تسخیر حاصل ہوگی۔جو بات کہیں گے وہ ہوگی۔اور عبدالقادر کا نام معین الحق ہے۔وہ مال سے یا دوسرے طریقے سے حجۃ اللہ کی مدد کریں گے۔یہ سن کر شیخ عبدالعزیز نے آپ سے کہا کیا ولایت مجھ کو نہ ملے گی۔آپ نے فرمایا تم سمجھے نہیں حجۃ اللہ اللہ تعالیٰ کا آلہ ہے۔وہ اس سے مراد کی تکمیل کراتا ہے۔(ایضاً) آپ کے والد گرامی کو آپ سے بہت محبت تھی آپ کے بغیر وہ کھانا بھی تناول نہیں فرماتے تھے۔

علمی وفکری عظمت:

شاہ عبدالعزیز کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے مزین فرمایا تھا۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے آپ کو مندرجہ ذیل القاب سے یاد کیا ہے۔

''ہدایت مآب''، قدوۃ ارباب صدق وصفا، زبدۂ، اصحاب فنا و بقا سید العلماء، سند الاولیاء، حجۃ اللہ علی العالمین، وارث انبیاء والمرسلین، مرجع ہر ذلیل وعزیز مولانا و مرشدنا الشیخ عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ واعزنا سائر المسلمین بمجدہ وعلاءٖ

(صراط مستقیم ص ۱۶۴)

آپ اپنے عہد میں علم و فکر کے بحر رواں تھے۔ عرب و عجم کے جید علما کرام نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ سید عبدالحی ندوی لکھتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز اپنے علم و فضل، آداب۔ ذکاوت، ذہانت، فہم، فراست اور سرعت حافظہ میں عالم کے اندر یگانہ روزگار علماء میں سے تھے (نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۲۶۸ مولانا عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولانا شاہ عبدالعزیز علم تفسیر و حدیث، فقہ، سیرت، اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے (علم و عمل جلد ص ۲۴۶)

صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں۔ کہ علماء و مشائخ کے مرجع تھے۔ تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنون عقلیہ ہوں یا نقلیہ ان کو جو دستگاہ حاصل تھی بیان سے باہر ہے (اتحاف النبلاء ص ۲۹۶) آپ کی عظیم الشان کتابیں فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی بستان المحدثین و تحفہ اثنا عشریہ آپ کے تعمق فکر و نظر کی گواہ دیتی ہیں۔ ایک تحفہ اثنا عشریہ کو لیجیئے جس کے شائع ہونے سے روافض میں کہرام برپا ہو گیا۔ نواب آصف الدولہ نے مولوی دلدار علی جائسی مجتہد لکھنو سے ''تحفہ'' کا جواب لکھوایا جس کا نام ذوالفقار ہے۔ ایک مرتبہ آصف الدولہ نے اپنے مصاحب مرزا قتیل سے دریافت کیا کہ قبلہ و کعبہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں کیسی کتاب لکھی ہے۔ مرزا قتیل نے کہا خیر کتاب جیسی بھی ہو گی وہ اپنی جگہ ہے۔ مگر قبلہ و کعبہ کو تو کتاب کا نام رکھنا بھی نہیں آیا۔ بھلا یہ کوئی تک کی بات ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز تو تحفہ پیش کریں اور قبلہ و کعبہ اس کے جواب میں ذوالفقار (تلوار) دکھائیں، مرزا قتیل باوجودیکہ خود بھی شیعہ تھے مگر چونکہ بہت ہوش مند اور صاف گو آدمی تھے اس لیے سچی بات انہیں کہنی

پڑی اور نواب صاحب کو بھی خاموش ہونا پڑا۔(علمائے حق ص ۵۱) مرزا قتیل نے دونوں کتابوں پر ان لفظوں میں بھی تبصرہ کیا" کہاں جائس کا جولا با اور کہاں دلی کی سیڑھیوں میں بیٹھا شہدہ" (حکایات اولیاء)

آپ نے کھل کر حنفیت وسنیت کا پرچم بلند کیا۔آپ کے فتاویٰ مذہب امام اعظمؒ کے موید ہیں۔آپ نے اپنی تحریروں میں عقائد اہل سنت کا تحفظ فرمایا۔آپ اعراس، فاتحہ، نذر ونیاز انبیاء واولیا کے عطائی علوم غیبیہ کا اعتراف کرتے تھے۔میلاد مصطفیٰ علیہ صلی اللہ اور شہادت امام عالی مقام کی تقریبات کا زبردست اہتمام فرماتے تھے۔آپ نے اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریات کو ناپسند فرمایا۔یہاں تک فرمایا کہ اگر صحت خراب ہوگئی تو میں اس کی تردید لکھنے کا اردہ رکھتا ہوں۔تم ابھی نوجوان بچے ہو، ناحق شور شرابا نہ کرو۔آپ نے عالم رویا میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔اوران کے خلاف لکھی جانے والی پشتو کتاب کا جواب پشتو میں دے کر پھیلایا۔آپ کو پشتو زبان حضرت علیؓ کے فیض سے نصیب ہوئی۔

آپ کے تمام قابل قدر شاگردوں نے بھی اسماعیلی نظریات سے بیزاری کا اعلان کیا۔عوام الناس کو اسکی گمراہی سے بچایا۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر الشاہ عبدالعزیز دہلوی کے افکار ومعارف کی عظمت کو سامنے رکھا جائے تو موجودہ دور کے مختلف مکاتیب فکر کے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔آپ نے نہایت غیرت وحمیت اور سچائی کی زندگی بسر فرمائی۔" آپ نے شوال ۱۲۳۹ھ میں وصال فرمایا" (علمائے حق ص ۵۱) ۵۵ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، حکیم مومن نے تاریخ وصال کہی۔

دست بیداد اجل سے بے سروپا ہو گئے	فقر و دیں، فضل وہنر، لطف وکرم، علم وعمل

حاضر جوابی کا ملکہ:

حضرت شاہ صاحب بہت حاضر جواب اور بزلہ سنج انسان تھے ۔ بڑے بڑے دقیق سوالات آپ نے چند سیکنڈ میں اور جامع و مانع الفاظ میں حل فرما دیئے۔ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں:

☆ ......''ایک عیسائی پادری نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سامنے یہ اعتراض کیا۔ کہ آپ کے رسول ﷺ تو خدا کے محبوب تھے۔ جب آپ کے رسول ﷺ کے نواسے کو یزیدی لوگ کربلا میں قتل کرنے لگے تو کیوں نہیں آپ کے رسول ﷺ نے خدا سے کہا کہ میرے نواسے کو بچا لے ۔شاہ صاحب نے پادری کو الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ پادری صاحب! ہمارے رسول ﷺ نے خدا سے کہا تھا مگر (بقول نصاریٰ) اس نے فرمایا کہ اے محبوب! میرے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو میرے سامنے یہودیوں نے سولی پر لٹکا دیا۔ جب میں اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکا تو تمھارا نواسہ کیسے بچا سکتا ہوں۔ یہ سن کر پادری مبہوت ہو کر لاجواب ہو گیا اور بڑی دیر تک حیرت سے حضرت شاہ صاحب کا منہ تکتا رہا (روحانی حکایات ص ۱۱۵)

☆ ......''اسی طرح قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں آیا اور علماء کے پاس گیا، وہ جس عالم کے پاس جاتا اس سے کہتا مجھ سے قطب صاحب نے فرمایا ہے کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور ان کو ایک ٹکہ دو اور کلاہ ان کے سر پر باندھ آؤ۔ لہذا میں تعمیل حکم کے لیے آیا ہوں۔ وہ یہ کہہ کر ٹکہ پیش کرتا، کلاہ باندھ دیتا اور کچھ نذرانہ لے کر چلتا ہوتا۔ یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا۔ آپ نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا اس وقت مجھے وضو نہیں۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ آخر

کہنے لگا حضرت مجھے تبرک مل جاوے۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے۔آپ نے تعمیل حکم کر دی۔ جب قطب صاحب مجھے حکم دیں گے میں بھی خدمت کر دوں گا۔وہ مجبوراً رخصت ہو گیا۔(حکایات اولیاء ص ۳۲)

اسلام پر اعتماد:

☆......آپ کو دین اسلام کی حقانیت پر پورا یقین تھا۔ایک آزاد منش صوفی خام گلزار شاہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ شاہ صاحب کب تک شریعت کی قید میں رہو گے۔نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو شریعت کو۔شاہ صاحب نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔اور فرمایا تو نو مہینے ماں کے پیٹ کی قید میں رہا۔پھر اس کے پستانوں کی قید میں رہا۔پھر اس کی انگلی پکڑنے کی قید میں رہا۔اتنے دن موہنڈوں کی قید میں رہا۔پھر تو قرآن پڑھنے گیا۔تو اس کی قید میں رہا۔استاد کی قید میں رہا۔پھر عربی فارسی کی قید میں رہا۔پھر فنون سپہ گری کی قید میں رہا۔پھر اتنے دن انگریزوں کی قید میں رہا۔اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے۔پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے۔الحاصل اس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو۔تو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے۔ہم شریعت کی قید میں ہیں۔مگر یاد رہے کہ تمھاری قید کچی چاندی ہے۔تم اس کی قیمت مانگو گے تو اسے تپایا جائے گا اور ہماری قید پر سکہ شاہی لگا ہوا ہے۔جہاں چاہیں گے بھنا لیں گے۔فقیر شرمندہ ہو کر چلا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شاہ صاحب نے کتنی ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے۔

(ملخصاً حکایات اولیاء ص ۳۶)

☆......ایک مرتبہ ایک پادری نے اعلان کیا کہ ہماری کتاب سچی ہے۔اگر مسلمان اپنی کتاب کو سچا سمجھتے ہیں تو میدان میں آئیں۔ہم بھی کتاب آگ میں پھینک دیتے ہیں اور مسلمان بھی پھینک دیں۔جو سچی ہوگی آگ سے محفوظ رہے گی۔حضرت شاہ صاحب نے اس کی للکار کا جواب دیا۔ایسے نہیں۔تم اپنی کتاب کو سینے سے لگا کر آگ میں کود جاؤ۔میں اپنی کتاب کو سینے سے لگا کر آگ میں کود جاتا ہوں۔حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔آپ کے اس چیلنج نے پادری کو شکست خوردہ بنا دیا۔

فراست و بصیرت:

☆......حضرت شاہ صاحب کا دل فراست و بصیرت کے جواہر تابدار سے لبریز تھا۔آپ کو فوراً بات کی گہرائی میں اتر جاتے۔مولوی فضل امام صاحب نے اپنا خواب بیان کیا۔کہ جناب رسول اللہ ﷺ میرے مکان میں تشریف لائے ہیں۔اور مکان کے فلاں کمرے میں بیٹھے ہیں۔اس کی تعبیر میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم فوراً جا کر اپنا تمام سامان اس کمرہ سے نکال دو۔اور سب کو بالکل خالی کر دو۔انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ کمرہ فوراً گر گیا۔مگر یہ سمجھ نہ آیا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کیونکر ہوئی۔ہزاروں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور کچھ ضرر نہیں ہوتا۔آپ نے فرمایا اس وقت بے اختیار یہ آیت ذہن میں آگئی تھی، ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا (ملخصاً حکایات اولیاء ص ۴۷)

☆......ایک شخص اکثر یہ خواب دیکھتا تھا کہ اس کے گھر چھپکلیاں لڑتی ہیں، آپ نے فرمایا تیری بیوی موئے زہار قینچی سے کاٹتی ہے۔اس نے آکر بیوی سے

دریافت کیا تو بیوی نے تصدیق کی (حکایات اولیا ص ۳۸)

☆......کشف باطن آپ کا ایسا تھا کہ نماز جمعہ کیلئے آتے تو عمامہ آنکھوں پر رکھ لیتے۔ شیخ فصیح الدین نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے عمامہ ان کے سر پر رکھ دیا تو وہ فوراً بے ہوش ہو گئے۔ کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے۔ سو، سوا سو لوگ آدمی تھے باقی سب کوئی ریچھ، کوئی بندر، کوئی خنزیر کی شکل تھا، اس وقت مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا میں کس طرف دیکھوں، اسی لئے نہیں دیکھتا (کمالات عزیزی ص ۱۶)

قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو باکمال حافظہ عطا فرمایا تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جہاز ران انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے۔

شاہ صاحب نے بعض پرزوں کے حالات بیان کئے تو وہ اسے بھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہوگئی۔ پوچھا تو فرمایا بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی، اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا ہوگا۔ (حکایات اولیا ص ۴۴)

شاہ صاحب کے پاس دو قوال آئے، ان میں کسی راگنی میں اختلاف تھا، اور شاہ صاحب کو حکم بنایا، دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا، شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ، اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستے میں ایک ڈوم نے بالا خانہ کرایہ پر لے رکھا تھا، ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے، اسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا۔ جو ہمیں یاد ہے۔ (ایضاً)

سرسید احمد خاں صاحب لکھتے ہیں'' علمائے متبحر اور فضلائے مفغی المرام باوجود نظر غائر اور احاطہ جزئیات مسائل کے جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اس کے اظہار میں لب وا نہ کرتے تھے۔اور اس کے بیان میں زبان کو جنبش نہ دیتے تھے، حافظہ آپ کا نسخہ لوح تقدیر تھا، بارہا اتفاق ہوا کہ کتب غیر مشہورہ کی اکثر عبارات طویل اپنی یاد کے اعتماد پر طلبا کو لکھوا دیں اور جب اتفاقاً کتابیں دستیاب ہوئیں تو دیکھا گیا کہ جو عبارت آپ نے لکھوا دی تھی اس میں من وعن کا فرق نہ تھا (مقالات سرسید)

بزرگوں سے محبت:

شاہ صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے، آپ کے متعلقین بھی آپ کے ساتھ جاتے اور وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے، فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا کچھ اور تقسیم فرما دیتے۔(حکایات اولیا ص ۴۲)

آپ کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے خصوصی پیار تھا۔آپ نے بعض مقامات پر ان کا دفاع کیا ہے۔ بلکہ مجدد صاحب کے دفاع میں اپنے والد گرامی کی عبارات پر بھی محاکمہ کیا ہے۔آپ کو چاروں سلاسل میں اجازت حاصل تھی، بادشاہوں کو سلسلہ چشتیہ میں بیعت کرتے، خواص کو سلسلہ قادریہ میں بیعت کرتے اور عوام کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرتے تھے، آپ نے سب بزرگان دین کے ادب ومحبت کا درس دیا۔

زبان دانی کا کمال:

شیعہ حضرات نے مرزا قتیل کوتحفہ کا جواب لکھنے سے
کہا تو اس نے جواب دیا کہ میں شاہ صاحب جیسی فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں
ہوں۔اوراس کی تائید میں اس نے بیان کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی
ہےاور میں نے نہایت دماغ سوزی سےاوراپنی پوری قابلیت صرف کر کے اسے ایک
خط لکھا تھا،وہ رنڈی خط کودلی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لے گئی اوردرخواست
کی کہ اس کا جواب لکھ دیا جائے۔مگراس کے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا۔مجبور ہو کر وہ
خط کوشاہ صاحب کی خدمت میں لے گئی،اورظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں مگر کسی
نے جواب کی حامی نہیں بھری،اب میں مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی
ہوں،حضوراسکا جواب لکھ دیں،شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فی البدیہہ اس کا جواب لکھوا
دیا،وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہےاور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کا جواب لکھوں
مگراب تک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہوسکا،اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا
جواب کس طرح دے سکتا ہوں (حکایات اولیا ص ۴۰)

صبر واستقامت:

دلی میں نجف علی خان کا تسلط تھا۔اس نے علمائے اہل سنت اور
صوفیہ ملت پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے،حضرت مرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمہ کو
شہید کر دیا گیا۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر
دیئے تھے کہ کوئی کتاب یا مضمون نہ لکھ سکیں،شاہ عبدالعزیز اورشاہ رفیع الدین کواپنی
قلمرو سے نکال دیا اور ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے،اس
کے بعد مولانا فخرالدین صاحب کی سعی سے زنانوں کوسواری مل گئی تھی اور وہ پھلت

روانہ ہو گئے تھے، مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز کو سواری بھی نہ ملی، شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنو چلے گئے اور شاہ عبد العزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ ان دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا نہ ساتھ رہنے کا۔ اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا۔ جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی، جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔ (حکایات اولیا ص ۳۱) نجف خاں نے آپ کی ساری زمین و جائیداد بھی ضبط کر لی تھی۔

اتنے مصائب و آلام میں بھی اس درویشِ خدا مست نے اسلامی تعلیمات کے فروغ کیلئے زندگی بسر کی اور صبر و رضا کے ساتھ زمانے کے ظالم حکمرانوں کا سامنا کیا، آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ روافض کا مقابلہ کر کے ملت اسلامیہ کو ہندوستان میں محفوظ کر دیا۔ یہ آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

بارگاہ رسالت میں مقام:

نواب مبارک علی خاں صاحب لکھتے ہیں، کہ آپ نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ پہلے سال جب قرآن مجید سنایا، نماز تراویح ختم ہوئی تھی کہ ایک سوار بہت خوب زرہ بکتر وغیرہ لگائے برچھا ہاتھ میں لئے تشریف لائے اور کہا حضرت محمد رسول ﷺ کہاں تشریف رکھتے ہیں جو لوگ وہاں بیٹھے تھے سب اٹھ کر دوڑے اور سوار کو گھیر لیا اور پوچھا کہ حضرت یہ آپ کیا فرما رہے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، میرا نام ابو ہریرہ ہے جناب سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہم عبد العزیز کا کلام مجید سننے چلیں گے، پھر مجھے ایک کام کے واسطے بھیج

دیا۔اس لئے دیر سے یہاں پہنچا ہوں، اتنی بات کی اور غائب ہو گئے (کمالات عزیزی)

دست سخاوت:

حضرت الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ کو اللہ تعالیٰ نے دست سخاوت عطا فرمایا۔جو کچھ آپ کے پاس آتا آپ محتاجوں، مسکینوں اور بے سہاروں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔آپ کے علم و فضل کی طرح آپ کا دسترخوان بھی از حد وسیع تھا۔وصال کے قریب آپ نے گھر کا مال واسباب مستحق افراد کو عطا فرما دیا۔آپ کی علمی و روحانی سرگرمیاں محفل قال وحال تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں کی عام رفاہ کا خیال بھی ہر وقت دامن گیر تھا۔(ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۱۶)

الغرض آپ بہت سے خصائل واوصاف کے مالک تھے، شیخ سید محسن ترہتی لکھتے ہیں۔''ان کے خصائل حمیدہ اور اخلاق فاضلہ ایسے ہیں کہ جن میں ان کے عام معاصرین ان سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے (الیانع الجنی ص ۷۸)

اثرات وفیوضات:

حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی نے بے پناہ اثرات و فیوضیات چھوڑے۔آپ کی لاجواب تصانیف اسلام کی حقانیت کا عظیم المرتبت سرمایہ ہیں۔جن پر ہمیشہ اہل حق کو فخر رہے گا وہ تصانیف جہاں جہاں بھی پہنچیں لوگوں کے عقائد ونظریات کو مضبوطی نصیب ہوئی۔لوگ اہل سنت و جماعت کے مذہب مہذب پر جم گئے۔ان کے علاوہ آپ کے نامور شاگردوں نے پوری دینا میں آپ کی تعلیمات کو عام کیا۔آپ کا سلسلہ تلمذ بہت وسیع ہے۔چند اسمائے گرامی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت الشاہ عبدالقادر دہلوی، حضرت الشاہ رفیع الدین دہلوی، حضرت

الشاہ ابو سعید دہلوی، حضرت الشاہ احمد سعید دیلوی، حضرت الشاہ عبدالروف رافت، حضرت سید آل رسول مار ہروی، حضرت عبدالغنی پھلواری، حضرت فضل حق خیر آبادی ،مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا ظہور الحق پھلواری حافظ البخاری، مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی۔ شیخ الاسلام غلام علی دہلوی، حضرت مولانا محمد خالد کردی، حضرت محی الدین قصوری، شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، یہ تمام نفوس قدسیہ علم وعمل، زہد وتقویٰ، فراست ودانائی کا مجسمہ تھے۔ تمام برصغیر پاک وہند کے بالخصوص اور دیگر بلاد اسلامیہ کے بالعموم علماء کرام، فضلا عظام اور صوفیہ فخام۔ انہی حضرات کے چشمہ ہائے فیض سے سیراب ہوئے۔ اہل حدیث کے معروف عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کہتے ہیں۔ "بڑے بڑے علما آپ کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں۔ اور فضلا آپ کی تصنیف کردہ کتابوں پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں (تاریخ اہل حدیث ص ۲۸۸)

سرسید احمد خان نے بڑے اچھے انداز سے انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

اعلم العلماء۔ افضل الفضلا، اکمل الکملاء، اعرف العرفاء، شرف الافاضل، فخر الاماجد والاماثل، رشد سلف، داغ خلف۔ افضل المحدثین، اشرف العلماء ربانیین ،مولانا وبالفضل اولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز، ذات فیض سمات ان حضرت بابرکت کی فنون کسبی ووہبی اور مجموعہ فیض ظاہری وباطنی تھی (مقالات سرسید)اعلحضرت بریلویؒ نے بھی آپ کو اعلم المحدثین" کا لقب دیا ہے۔ آپ کے علم تفسیر و حدیث کے دریا سے لاکھوں خوش نصیب لوگوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ آپ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ تین بیٹیاں تھیں۔ تینوں آپ کی حیات ظاہری میں وصال فرما گئیں۔ ایک بیٹی کی اولاد مولانا اسحاق اور مولانا یعقوب تھے۔

ملفوظات

☆☆☆

حضرت الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بارگاہ علم وفضل میں تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے نذرانہ محبت پیش کیا ہے۔ آپ کی سیرت کے بیان میں ہم نے تمام مکاتب فکر کے مشاہیر کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ اب مزید نقل کرتے ہیں۔

مولانا محمد سرفراز خان گکھڑوی لکھتے ہیں۔!''بلا شبہ مسلک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ بلا شبہ دیوبندی حضرات کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ (اتمام البرہان ص ۱۳۸)

اہل حدیث کے عالم مولوی اشرف سندھو نے آپ کو شمس الہند لکھا ہے، (تاریخ التقلید ص ۲۵)

اہل حدیث کی دہلی کانفرنس کے خطبہ استقبالیہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حلقہ درس حدیث بہت وسیع تھا۔ آپ سے ہزار ہا تلامذہ نے علم حدیث حاصل کیا اور ہندوستان و بیرون ہند گوشہ گوشہ میں علم حدیث پھیلایا۔ (اخبار اہل حدیث ۲۱ اپریل ۱۹۴۴ء مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے ان کو استاذ الہند کہا ہے۔ ان کی دقیقہ شناسی اور نکتہ رسی کو مسلم کل تسلیم کیا ہے۔ (واضح البیان ص ۲۶)

اب سوچنے کی یہ بات ہے کہ اب تمام مکاتیب فکر کو ایسی عظیم شخصیت کے عقائد پر متفق ہو کر ملت اسلامیہ کو مستحکم بنانا چاہیے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ کے عقائد کیا تھے۔ نیز یہ جانتے ہیں کہ آپ کے نقش قدم پر کون سا مکتب فکر عمل کر رہا ہے۔

☆...... نبی پاک ﷺ کی ولادت پاک کے وقت ایک نور چمکا جس کی وجہ سے آپ

کی والدہ ماجدہؓ پر ملک شام کے شہر نمودار ہو گئے۔ (تفسیر فتح العزیز جلد ۳ ص ۲۱۹)

☆......یا صاحب الجمال و یا سید البشر ــــ من وجھک المنیر لقد نور القمر۔ (گویا آپ کے نزدیک حضورﷺ کو پکارنا جائز ہے۔) (ایضاً جلد ۲ ص ۲۲۷)

☆......حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ (تفسیر فتح العزیز پارہ ۳۰)

☆......اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر اپنے رسول ﷺ کو مطلع فرماتا ہے۔ (تفسیر فتح العزیز پارہ ۲۹)

☆......نماز عشاء کے بعد حضور کی صورت مبارک کو حاضر و ناظر جان کر کوئی بھی درود پڑھنا چاہیے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۶۴)

☆......یعنی حضور ﷺ نور نبوت کی مدد سے اپنے دین میں ہر متدین کے رتبے سے اطلاع رکھتے ہیں۔ نیز وہ جانتے ہیں کہ میرے دین میں وہ کہاں تک پہنچا۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ کونسا حجاب ہے جس کی وجہ سے وہ ترقی سے محروم رہا۔ پس آپ تمھارے گناہوں، اور اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اس لیے آپ کی گواہی دنیا و عقبیٰ میں امت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔ (تفسیر فتح العزیز)

☆......حضرت شاہ صاحب نے شیخ احمد زروق علیہ الرحمتہ کا قول نقل فرمایا کہ میں اپنے مرید کی پریشانی کو تسلی دینے والا ہوں جب زمانہ نکبت سے اس پر حملہ کرے۔ اگر تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو ''یا زروق'' پکار میں فوراً موجود ہوں گا (بستان المحدثین)

☆......اے اللہ! ہم، تجھ سے اس نبی امی احمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں۔

جن کے بھیجنے کا تو نے وعدہ کیا ہے۔(التوسل بالنبی ص ۲۰۰)

☆......قبر میں شجرہ رکھنا بزرگوں کا معمول ہے۔(فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۱)

☆......حق یہ ہے۔کہ بلند آواز سے ذکر کرنے کا انکار کرنا جہالت ہے۔کیونکہ تلاوت قرآن مجید میں صریح جہر ہے۔(فتاویٰ عزیزی جلد ا ص ۱۷)

ایاک نستعین کی تفسیر میں فرماتے ہیں "یہاں سمجھنا چاہیے کہ غیر خدا سے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اسے مظہر امداد خدا نہ جانتے ہوئے مدد مانگنا حرام ہے۔لیکن اگر باطن حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو تو ان سے مظہر ذات الٰہی جانتے ہوئے اور اسباب وحکمت الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر غیر خدا سے ظاہری امداد طلب کی جائے تو یہ عرفان الٰہی سے بعید نہیں۔یہ امر شریعت میں جائز ہے۔اور روا ہے۔انبیاء، اولیا نے اس قسم کی استعانت غیر سے کی ہے۔درحقیقت یہ نوع استعانت غیر سے نہیں بلکہ حضرت حق سے استعانت ہے۔(تفسیر فتح العزیز)

☆......بعض اولیا اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت وارشاد کے لیے پیدا کیا ہے، ان کو اس حالت میں اس عالم کے تصرف کا حکم ہوا ہے۔۔۔۔اہل حاجت اپنی مشکلوں کا حل انہی سے چاہتے ہیں اور جو چاہتے ہیں وہ حاصل بھی کرتے ہیں اور زبان حال سے یہ گنگناتے ہیں "من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"(ایضاً)

☆......گیارہویں شریف کی حقیقت بیان فرماتے ہیں:"حضرت غوث اعظمؒ کے روضہ مبارک پر گیارھویں تاریخ کو بادشاہ وغیرہ شہر کے اکابرین جمع ہوتے ،نماز عصر کے بعد مغرب تک کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظمؒ

کی مدح میں قصائد اور منقبت پڑھتے ،مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے ۔اور ان کے ارد گرد مریدین حلقہ بگوش بیٹھ کر ذکر جہر کرتے اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس کے بعد طعام شرینی جو نیاز تیار کی ہوتی تقسیم کی جاتی ۔نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہو جاتے۔" (ملفوظات عزیزی ص ۶۲)

☆......دو مجلسیں فقیر کے مکان پر منعقد ہوتی ہیں ۔مجلس ذکر وفات ،مجلس شہادت حسین ۔۔۔۔چار پانچ سو بلکہ ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں ۔اگر یہ سب فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتا تو فقیر ان چیزوں پر اقدام نہ کرتا (فتاویٰ ص ۱۷۷)

☆......قبر پر پھول اور خوشبو رکھنا شرعاً ثابت ہے۔میت کو سرور ہو سکتا ہے۔(فتاویٰ ۱۵۲)

☆...... بزرگ کی یاد کے طور پر عرس منانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔الیضاً ص ۱۵۱ملخصاً)

☆......ایصال ثواب کے لیے فاتحہ میں کوئی مضائقہ نہیں ۔(الیضاً ص ۱۵۸ملخصاً)

☆......جس کھانے کا ثواب حضرات امامینؓ کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ ،قل ،درود پڑھا جائے وہ کھانا تبرک ہو جاتا ہے۔اس کا کھانا بہت خوب ہے۔(الیضاص ۱۶۷)

☆......مشہور محدث شیخ شمس الدین شارح بخاری متوفی ۷۸۶ھ نے اپنے زمانہ حیات میں ہی اپنی قبر اور اس کے اوپر قبہ بنالیا تھا۔(بستان المحدثین ص ۳۰۱)

☆......حق تعالیٰ اہل بغداد پر سے حضرت محاملیؒ کے طفیل و برکت سے بلا کو دفع کرتا ہے۔(بستان المحدثین ص ۳۹)

☆..... تمام افراد امت، حضرت علی اور ان کی اولاد کو پیروں کی طرح جانتے ہیں۔ ان حضرات کے ساتھ امور تکوینیہ کو وابستہ جانتے ہیں ان کے نام کی فاتحہ۔ درود، صدقات اور نذر و نیاز دلاتے ہیں یہ تمام اولیاء اللہ کا معمول ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۱۴)

............☆☆☆............

قرن چہاردہم

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ

اعلیحضرت الشاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ

☆

برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ ہندو اور انگریز مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ان عیار قوموں نے اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ حالانکہ برصغیر پاک وہند کے طول وعرض میں ایک ہی مسلک مہذب اہل سنت وجماعت کا غلبہ تھا۔ امراء سے لے کر غرباء تک سب اہل سنت تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی قوت وعظمت کو تار تار کرنے کے لئے کہیں فتنہ قادیانیت کو ہوا دی، کہیں فتنہ انکار حدیث کو پھیلایا، کہیں وہابیت و دیوبندیت کی نظریاتی تحریکیں پیدا کیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں سے پہلے ان جماعتوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ بلکہ یہ بھی سچ ہے کہ وہابی لوگوں کو اہل حدیث کا نام بھی انگریزی حکومت نے دیا۔ اور ان کے علما کو ''شمس العلما'' کے خطاب بھی وہاں سے نصیب ہوئے۔ کسی صحیح العقیدہ سنی عالم کو انگریز نے یہ لقب نہیں دیا۔

سب سے پہلے ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی نے ابن عبدالوہاب نجدی کے افکار ونظریات کو فروغ دیا۔ جن کی روشنی میں تمام ملت اسلامیہ کی تکفیر وتفسیق کر ڈالی۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان نامی کتاب

انگریزوں نے مفت تقسیم کی۔ یہ کتاب "شیخ نجد" کی کتاب التوحید کی عکاس ہے۔

اس اعتقادی افلاس کے شکار زمانے میں کسی ایسے مرد حر، فرد خدا مست، عالم باعمل اور صوفی وقت کی ضرورت تھی جو علم و فضل کی مسند کا وارث ہوتا۔ اور اسلاف کرام کے عقائد و نظریات کو قرآن و سنت کی تائید کے ساتھ ثابت کرتا اور حضور سید کونین ﷺ کی سادہ لوح امت کو گمراہی کی ان آندھیوں سے بچا کر منزل عشق و مستی پر گامزن کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد رضا بریلوی کو پیدا فرمایا جو چودھویں صدی ہجری میں مجدد اسلام بن کر افق ہدایت پر جگمگانے لگے۔

حالات و آثار:

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ انقلاب ۱۸۵۷ سے ایک سال قبل ۱۰ شوال ۱۲۷۲۔ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولانا نقی علی خان اور دادا حضرت مولانا رضا علی خان اپنے عہد کے بلند پایہ علماء میں شامل تھے۔ آپ کا پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار رکھا گیا۔ دادا حضور آپ کو احمد رضا خان کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ آپ نے خود "عبدالمصطفیٰ" کا اضافہ فرمالیا۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا، تو تو ہے عبد مصطفےٰ

آپ کی تاریخ ولادت قرآن پاک کی اس آیت سے نکلتی ہے۔ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ یعنی ان لوگوں کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا اور روح سے ان کی مدد فرمائی۔

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ پڑھا۔ چھ سال کی عمر میں منبر رسول پر بیٹھ کر میلاد رسول بیان کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی میں شرح لکھ دی تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کر کے سند فراغت

حاصل کی اور اسی روز رضاعت کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب لکھا۔ والد ماجد نے اسی روز فتوی نویسی کی اجازت بھی مرحمت فرمادی ۔اور خود اس عہدے سے سبکدوش ہو کر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد ،مرزا غلام قادر بیگ ،مولانا عبد العلیم راپوری، مرشد گرامی شاہ آل رسول مارہروی اور شاہ ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ مشہور ہیں۔ ۱۸۷۵ء میں آپ کی شادی ہوئی۔

فریضہ حج ادا کیا:

۱۸۷۸ء میں آپ نے حضرت شاہ آل رسول مارہروی کے دست حق پر بیعت کی۔ ساتھ چاروں سلاسل طریقت کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپ کے مرشد گرامی کا ارشاد ہے۔

''آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے آل رسول تو میرے لیے کیا لایا۔ تو میں عرض کروں گا کہ الہی میں تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔'' (سوانح اعلیٰحضرت ص ۱۰۳)

۱۸۷۸ء میں والدین کریمین کے ہمراہ فریضہ حج ادا کیا۔

ایام حج کے دوران بڑا عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی۔ نماز کے بعد امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آپ کو اپنے گھر لے گئے اور دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے۔ اور فرمایا بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا فرمائی اور فرمایا تمھارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ امام بخاری تک اس سند مذکور میں گیارہ واسطے ہیں۔'' دوسری مرتبہ ۱۹۰۵ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ محبوب سے مشرف ہوئے۔ اس سفر حج میں تائید غیبی قدم قدم پر آپ کا ساتھ

دے رہی تھی۔ کیونکہ حق و باطل کا فیصلہ ہونا تھا۔ آپ نے جن گستاخان رسول کی تکفیر کی تھی ان کی کفریہ عبارتوں کو علماء حرمین کے سامنے پیش کیا اور ان سب نے آپ کے فتوی کی دل کھول کر حمایت فرمائی۔ اس کی تفصیل ''حسام الحرمین'' میں قابل دید ہے۔

اسی مبارک سفر کے دوران ''الدولتہ المکیہ'' جیسی تصنیف معرض وجود میں آئی۔ جو مسئلہ علم غیب پر شاہکار اور نہایت زور دار تحقیق ہے آپ نے یہ کتاب مختلف نشستوں میں آٹھ گھنٹوں کے اندر نہایت بلیغ عربی میں رقم فرما کر علماء عرب سے خراج تحسین وصول کیا۔ اس کتاب نے دشمنان مصطفٰے کا منہ اس طرح بند کیا ہے۔ کہ وہ آج تک سراپا حیرت بنے ہوئے ہیں۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسی چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، وار سے پار ہے

اسی سفر کے دوران آپ نے ایک فقہی مسئلہ پر رسالہ لکھا جس کا نام ہے **کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم**، اس رسالہ میں آپ نے نوٹ کی شرعی حیثیت واضح فرمائی ہے۔

یہاں لطف کی بات یہ ہے۔ کہ آپ کی تمام کتابیں ہندوستان میں موجود تھیں یہ سارا تحقیقی کام آپ کے زور حافظہ کی بھی شہادت فراہم کر رہا ہے۔

آپ نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۱ء کو وصال فرمایا اور بریلی شریف میں مدفون ہوئے۔ اب آپ کے چند اوصاف و کمالات بیان کیے جاتے ہیں۔

عشق رسول ﷺ:

فاضل بریلوی قدس سرہ عشق رسول کے جام پر کیف سے سرشار تھے۔ آپ کا عشق ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ خود فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم اگر میرے دل کو چیر کر دو ٹکڑے کر دو تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا پاؤ گے۔"

آپ کی تمام تصانیف و فتاویٰ میں عشق مصطفیٰ کی منظر نگاریاں دیدہ و دل کو سرور عطا کرتی ہیں۔ آپ بہت بڑے شاعر تھے آپ کے شعر و سخن کا مرکزی خیال حمد ہے یا نعت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ فرماتے ہیں:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جسکو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک حرف عشق و مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ بارگاہ رسالت ﷺ کے آداب کا جس قدر آپ کے کلام میں لحاظ ہے۔ اور کم دیکھنے میں ملتا ہے۔ آپ نے عشق مصطفیٰ کی غیرت وحمیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ آپکی ساری زندگی حضور سرور کائنات ﷺ کی عزت و ناموس کے دفاع کے لیے صرف ہوئی۔

قادیانیت کا رد فرمایا:

آپ نے قادیانیت کا رد فرمایا، وہابیت کی خبر لی۔ دیو بندیت کی جڑ کاٹی۔ نیچریت کو نیچا دکھایا۔ رافضیت کو للکارا۔ آپ نے جہاں بھی محبوب خدا ﷺ کے خلاف کوئی محاذ دیکھا میدان عمل میں کود پڑے۔ آپ کے نزدیک یہی ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ اس دور میں ترجمہ قرآن کی آڑ میں حضور پاک ﷺ کی شان میں توہین کی گئی۔ آپ نے نہایت عشق افروز ترجمہ کنز الایمان لکھ کر مسلمانان ہند کو اس پراسرار فتنے سے بچالیا۔ آپ کا ترجمہ قرآن، وحی الٰہی کا صحیح ترجمان ہے۔ اور واقعی ایمان کا خزانہ ہے۔ جب دنیا سے گئے تو اسی عشق ومحبت پر ناز تھا۔

لحد میں عشق رخ شاہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

عشق رسول ﷺ کے اہم تقاضے کے مطابق آپ نے سرور موجودات ﷺ کے محبوبوں کا پوری جانفشانی سے دفاع کیا ہمیں آپ کسی مقام پر غافل دکھائی نہیں دیتے ۔صحابہ کرام کی شان بیان کی ۔آل رسول کا مقام بتایا اور اولیا کرام کی عظمت کی گواہی دی ۔آپ قادریت کے عظیم علمبردار تھے ۔حضور غوث پاک ؓ کے وارث کامل تھے ۔مولانا سید اسماعیل بن خلیل نے فرمایا کہ امام اعظم اگر اس ہستی کو دیکھتے تو اپنے اصحاب میں شامل فرمالیتے ۔

علم و فضل:

آپ کا علم و فضل حضور پاک ﷺ کی نظر رحمت کی زبردست دلیل ہے ۔ذرا تصور کیجئے کہ حضور ﷺ جب کسی کو عطا کرتے ہیں ۔تو کتنا عطا کرتے ہیں ۔اپنے عہد کے اس نابغہ روزگار مصنف نے پچاس علوم وفنون میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں رقم فرمائیں ،آپ کو تفسیر ۔حدیث ۔فقہ ،کلام ،فلسفہ ،منطق ۔تجوید ۔ریاضی ۔توقیت ۔تصوف ۔پر یکساں عبور حاصل تھا کچھ علوم وفنون صرف آپ کی ایجاد ہیں ۔آپ نے جس میدان علم کی طرف رخ موڑا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سربلند فرمایا ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

آپ نے فقہ کو اپنا خصوصی میدان قرار دیا ۔جس میں درجہ امامت پر فائز ہوئے العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے ۔جس میں عقائد ،اعمال ۔اخلاق اور دیگر فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی آبیاری کی گئی ہے آپ کا قلم حضرت امام اعظم ؒ کا تحفہ محسوس ہوتا ہے ۔یہ درست ہے کہ وہ معاصرین جو اپنی فقاہت

ولیاقت پر نازاں تھے۔امام بریلوی کے تحقیقی مباحث کو دیکھ کر خود کو طفل مکتب سمجھنے لگے
مولانا عبدالحی لکھنوی نے فتویٰ دیا کہ جانور کے سامنے جماع ناجائز ہے۔
اس پر اعلیٰحضرت نے گرفت فرمائی کہ اس سے لازم آتا ہے۔کہ مکان سے تمام مکھیوں کو نکالے، چارپائیاں کھٹملوں سے صاف کرے اور یہ تکلیف مالایطاق ہے۔جب نا سمجھ بچے کے سامنے جائز ہے۔تو جانور کے سامنے کیوں ممانعت (ملفوظات حصہ اول) بعض مسائل کو بارہ سو فقہی ذخیروں کی مدد سے حل کیا اس سے آپ کی دقت نظر ۔وسعت مطالعہ اور قوت حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔فقہ و تصوف یا کسی بھی فن کی کوئی بھی کتاب دیکھتے تو ایک بار دیکھنے سے ہی از بر ہو جاتی ۔پھر ساری عمر اس سے علمی استفادہ فرماتے رہتے۔نہایت حاضر دماغ تھے۔قرآن پاک تقریباً ایک مہینے میں حفظ فرمالیا۔ہزاروں احادیث کے متون زبانی یاد تھے۔فقہ کی عبارات پر مکمل عبور تھا۔آپ اپنے عہد میں مرجع علماء تھے۔ہزاروں علماء کرام نے آپ کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیقات کا قبلہ درست کیا۔آپ نے بعض سابقہ فقہا کرام کی کتابوں پر حواشی رقم فرمائے۔جن میں ان کی گرفت بھی کی گئی۔سر ضیاء الدین مشہور ریاضی دان تھے۔انہوں نے ریاضی کا ایک دقیق مسلہ آپ سے حل کروایا تو ہمیشہ کے لیے آپ کے گرویدہ ہو گئے آپ کے علوم آپ کے والد گرامی کے ان الفاظ کی تعبیر تھے۔فرمایا میں نے شرح چغمینی شروع کی تو حضرت والد نے فرمایا اس میں اپنا وقت کیوں صرف کرتے ہو، مصطفیٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تمہیں سکھا دیئے جائیں گے۔

فہم وفراست:

وہ بہت نازک زمانہ تھا۔مسلمان علمی افلاس کا شکار تھے۔

خانقاہوں میں طریقت کے نام پر معرفت کے سودے ہو رہے تھے۔آپ نے اپنے خداداد فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے اسلامیان ہند کی منزل مقصود متعین فرمائی۔ جب قائد واقبال جیسے لیڈر محمد علی جوہر اور شوکت جیسے مجاہد ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے رہے تھے۔امام بریلوی نے انقلابی اسلامی نظریہ مودت پیش کیا۔آپ کی کتاب المحجۃ المؤتمنہ اس باب میں زبردست شان کی مالک ہے۔آپ نے اسلام کو ہندومت میں مدغم ہونے سے بچایا اور وہی کردار ادا کیا جو ان کے پیشرو حضرت مجدد الف ثانیؒ ادا کر چکے تھے۔آپ نے فرمایا کہ متحدہ قومیت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں اسلام دوقومی نظریہ پر یقین رکھتا ہے۔اللہ کے دوست کا اللہ کے دشمن سے اتحاد کیسا؟ اسی نظریے کو بعد میں حضرت اقبال نے پیش کر کے پاکستان کے عظیم تصور کی بنیاد رکھی۔

اس دور میں تحریک ترک موالات کا زور پیدا ہوا۔امام بریلوی نے درست فیصلہ کیا۔جس پر آج کا مورخ مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔اس دور میں مسلمانوں کو معاشی میدان میں نہایت کمزور کر دیا گیا تھا۔آپ نے مسلمانوں کے لیے چند سنہری معاشی اصول مرتب فرمائے جن پر عمل کر کے مسلمان اپنی اقتصادیات کو بہتر بنا سکتے تھے۔مسلمان پر علم کے دروازے بند تھے۔آپ نے علم وہنر کے حصول پر زور دیا۔آپ کا نظریہ تعلیم اپنی مثال آپ ہے۔آپ نے جاہل صوفیوں کی ہمیشہ مذمت بیان کی اور ان مشائخ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔جو علم وفضل کے واقعی قدردان تھے۔

قومی غیرت وعزیمت:

اس دور میں مسلمانوں کی قومی غیرت کا جنازہ نکالنے کے لیے ہندو اور انگریز نے اتنا کردار ادا نہیں کیا جتنا ان کے زرخرید ملاؤں نے ادا کیا۔مسلمانوں کے دل ودماغ سے حضور کی محبت،قوم کی غیرت اور روح عزیمت کو ملیا

میٹ کرنا ان کے جبہ و دستار کا اولین مقصد تھا۔ اسی مقصد کے لیے ان کی نمازیں تھیں ۔ اور اسی کے لیے ان کے مدرسے۔ خود انگریز کو اعتراف تھا۔ کہ ہماری یونیورسٹیاں وہ کام نہیں کر رہیں جو یہ مدرسے کام کر رہے ہیں۔ اس دور میں امام بریلوی، علامہ اقبال ، اکبر آلہ آبادی اور ظفر علی خان جیسے لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں میں غیرت و عزیمت کی روح بیدار کی۔ اور مردہ دلوں کو اپنی مسیحا نفسی سے زندہ کر دیا۔

اعلیٰحضرت کی قومی غیرت کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں کے دور میں ان سے شدید نفرت کا اظہار کرتے۔ خط پر بادشاہ کی تصویر الٹی لگاتے۔ ہندوؤں سے کوئی میل جول نہ رکھتے تھے۔ آپکو بدعقیدہ لوگوں سے شدید نفرت تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ امام باڑے کا تاریخی نام رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا بدر رفض'' اس نے کہا پچھلے سال تعمیر ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا'' دار رفض'' رکھ لیں۔ وہ دراصل رفض سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا اس سے پچھلے سال تعمیر ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا چلو '' در رفض'' رکھ لیں۔ عزیمت کا یہ عالم تھا۔ کہ جب علم و دانش کے بڑے بڑے مینار انگریزی سیم و زر کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے۔ فقر غیور کا یہ علمبردار صرف مدینہ و بغداد کا محتاج نظر آتا تھا۔

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ءناں نہیں

بارگاہ رسول ﷺ میں مقبولیت:

آپ کو حضور تاجدار انبیا ﷺ کی بارگاہ میں مقبولیت دائمی نصیب ہوئی۔ جب آپ کا وصال ہوا کسی عاشق زار نے دیکھا حضور ﷺ آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔ اور ویسے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اتنا عشق و محبت ، اسقدر علم و فضل اور ہمہ گیر اوصاف و کمالات انہی لوگوں کو ملتے ہیں۔ جو بارگاہ مصطفیٰ

ﷺ کے در یوزہ گر ہوتے ہیں۔

جو بھی ان کے غلام ہوتے ہیں؛: دو جہاں کے امام ہوتے ہیں۔

ادب بزرگان ملت:

لگتا ہے اعلیٰحضرت کا جسم مبارک مٹی کی بجائے خمیر ادب واحترام سے تشکیل دیا گیا ہے۔حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ کا ادب واحترام تو آپ کا سرمایہ حیات تھا ہی۔حضور کی امت کے بزرگوں کا ادب واحترام بھی بڑے اہتمام سے فرماتے۔بزرگوں کے نام القاب سے لکھتے۔رحمتہ اللہ علیہ کا اہتمام کرتے آپ کے انداز ادب واحترام کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

چھ برس کی عمر میں آپ نے معلوم کرلیا کہ بغداد شریف کدھر ہے۔پھر اس وقت سے آخردم تک بغداد شریف کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔(سوانح اعلیٰحضرت ص۸۹)

سادات کرام کا بہت زیادہ ادب فرماتے۔ایک سید زادے کو پالکی میں بٹھا کر اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ایک نوعمر سید زادہ آپ کے گھر میں قیام فرما تھا۔آپ نے اہل خانہ کو ہدایت کر دی کہ ان سے کوئی کام نہ لیا جائے۔ان کی خدمت کی جائے۔ایک سید طالب علم جتنی بار آپ کے سامنے سے گزرتا آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔آپ کا عقیدہ تھا۔

تیری نسل پاک میں ہے۔بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مولانا بدرالدین احمد آپ کے حسن ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سنی مسلمانوں اور علمائے حق کے لیے ابر کرم تھے جب کسی سنی عالم سے

ملاقات ہوتی، دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے۔ اور اس کی ایسی عزت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے کو نہ سمجھتا۔ جب کوئی حج بیت اللہ شریف کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان سے پہلے یہی پوچھتے کہ سید عالم ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں بھی حاضری دی۔ اگر وہ کہتے ہاں تو فوراً انکے قدم چوم لیتے اور اگر کہتے نہیں تو پھر ان کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے۔" (سوانح اعلیٰحضرت ص ۱۷۹)

"آپ کو قبلہ کی طرف پشت کرتے کبھی کسی نے نہیں دیکھا (حیات اعلیٰحضرت ص ۱۷۹) آپ اپنے والدین کا بہت احترام فرماتے۔ والد کے انتقال کے بعد ساری جائیداد والدہ کے سپرد کر دی خود کتابوں کی خریداری کی ضرورت پڑتی تو ان سے رقم طلب کرتے وہ اجازت دیتیں تو کتابیں منگواتے۔

پابند فرائض وسنن:

اعلیٰحضرت فرائض وسنن کے ازحد پابند تھے۔ ہمیشہ عزیمت پر عمل فرماتے۔ بالخصوص نماز باجماعت کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ سخت بیماری کے عالم میں بھی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے تھے۔ مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں۔" ایک دفعہ اعلیٰحضرت سخت بیمار تھے نشست وبرخاست کی بالکل طاقت نہ تھی اس کے باوجود فرض نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ انتظام یہ تھا۔ کہ کرسی میں لکڑی باندھ کر چار آدمی آپ کو مسجد میں لے جاتے اور بعد نماز دولت خانہ میں پہنچا دیتے۔ بارہا میں نے دیکھا کہ اس نازک حالت میں آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے۔ طاقت نہ دیکھتے ہوئے مجبوراً بیٹھ کر پڑھنی پڑتی۔ لیکن ایسی حالت میں بھی دونوں پیروں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگانے کی بیحد سعی فرماتے۔ (حیات اعلیٰحضرت ص ۱۷۹)

آپ آداب مسجد کا بہت لحاظ فرماتے۔ایک مرتبہ نواب صاحب نے چھڑی کوفرش پر بے پرواہی سے گرادیا۔جسکی آواز سب حاضرین نے سنی۔اعلیٰحضرت نے فرمایا۔نواب صاحب مسجد میں زور سے قدم رکھ کر چلنا بھی منع ہے۔پھر کہاں چھڑی کو اتنے زور سے ڈالنا۔

مولانا ظفرالدین بہاری لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ سیدی امام احمد رضا خان مسجد میں معتکف تھے،سردی کا موسم تھا۔اور دیر سے مسلسل بارش ہورہی تھی۔حضرت کونماز عشاء کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی۔پانی تو موجود تھالیکن بارش سے بچاؤ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں وضو کرلیا جاتا۔کیونکہ مسجد میں مستعمل پانی کا ایک قطرہ تک گرانا بھی جائز نہیں ہے۔آخر کار مجبور ہو کر مسجد کے اندر ہی لحاف اور گدے کی چار تہ کر کے ان پر وضو کرلیا اور ایک قطرہ تک فرش مسجد پر گرنے نہیں دیا۔سردیوں کی رات جس میں طوفان بادو باراں کے اضافات مگر خود اتنی سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے رات گزارنی منظور کی لیکن ایسی دشواری میں بھی مسجد کی اتنی سی بے حرمتی برداشت نہ کی۔(حیات اعلیٰحضرت ص ۱۷۹)

غریبوں کی حمایت:

اعلیٰحضرت بہت غریب نواز تھے۔ایک واقعہ پڑھیئے:

موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں ایک فرد پیش کی۔اعلیٰحضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ سردیوں میں رضائیاں تیار کروا کر غرباء میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔اس وقت تک سب رضائیاں تقسیم ہو چکی تھیں ایک صاحب نے آپ سے رضائی کی درخواست کی تو آپ نے ننھے میاں صاحب والی فرد اتار کر اسے عنایت کردی۔(حیات اعلیٰحضرت ص ۴۲)

مولانا بدر الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

''کاشانہ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں۔ اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لیے ہی نہ تھی بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے۔ (سوانح اعلیٰحضرت ص ۹۰)

آپ نے فرمایا ''میں نے کبھی ایک پیسہ زکوۃ کا نہیں دیا۔ اور یہ بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ حضور پر زکوۃ فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ زکوۃ فرض تو جب ہو کہ مقدار نصاب ان کے پاس سال تمام تک رہے۔ اور یہاں تو یہ حال تھا کہ ایک طرف سے آیا۔ دوسری طرف گیا۔ (حیات، ص ۵۲)

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کیے۔ اعلیٰحضرت کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ آپ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی حضور! میں نے بندگان خدا کے مہینے آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لیے ہیں۔ رات بے چینی سے گزاری۔ صبح ایک سیٹھ صاحب نے اکیاون روپے بطور نذرانہ عقیدت حاضر خدمت کیے۔ آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ ارشاد فرمایا یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے۔ یعنی پچاس روپے بھیجنے کے لئے اور ایک روپیہ ڈاک خرچ کے لیے۔ چنانچہ ڈاک خانہ کھلنے پر منی آرڈر کر دیا گیا۔ (حیات ص ۵۲)

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

آپ نے وصال کے وقت بھی غریبوں اور ناداروں کو فراموش نہ کیا۔ فرمایا فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیں فقرا کو دیں اور وہ اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ

نہ جھڑک کے۔ غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

آپ غریبوں کو امیروں کے برابر درجہ دیتے۔ اس اسلامی مساوات کے منظر آپ کی بارگاہ میں بکثرت نظر آتے تھے۔ آپ غریب لوگوں کو اپنے پاس بٹھا لیتے ایک مرتبہ آپکا ایک دوست صرف اسی وجہ سے چھوڑ کر چلا گیا۔ کہ آپ نے حجام کو اس کے برابر بٹھا دیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہم بھی ایسے مغرور آدمی سے نہیں ملنا چاہتے۔

یقین محکم کی دولت:

آپ کو قرآن و حدیث اور اپنے اعتقاد پر مکمل یقین تھا۔ فرمایا۔ میرے پاس عملیات کے ذخائر ہیں۔ لیکن آج تک کبھی اس طرف خیال نہیں کیا۔ ہمیشہ ان دعاؤں پر جو احادیث میں ارشاد ہوئیں عمل کیا۔ تمام مشکلیں حل ہوتی رہتی ہیں۔ (ملفوظات جلد۲)

☆...... سفر حج کے دوران سمندری طوفان کی وجہ سے جہاز ڈوبنے والا تھا لوگوں نے کفن پہن لیے۔ آپ کی زبان سے نکلا خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم آپ نے حدیث کے اطمینان پر کھائی۔ کیونکہ آپ نے کشتی کی دعا پڑھ لی تھی۔ لہذا آپ حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھے۔ آپ نے حضرت عزت کی طرف رجوع کیا اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد للہ!

وہ مخالف ہوا جو تین دن سے بشدت چل رہی تھی دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔ (ملفوظات جلد۲)

☆...... بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ آپ کے مسوڑھوں میں ورم ہو گیا۔ اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا۔ مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتے اور اسی پر اکتفا فرماتے بات نہ کر سکتے بلکہ قرآت سریہ بھی میسر نہ تھی سنتوں میں بھی کسی کی

اقتداء کرتے، فرماتے ہیں: اس وقت مذہب حنفی میں عدم جواز قرآت خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا۔ لکھ دیتا۔ بخار بہت شدید تھا۔ اور کان کے پیچھے گلٹیاں تھیں۔ طبیب نے کہا یہ طاعون ہے۔ حالانکہ میں خوب جانتا تھا۔ کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ کہ مجھے طاعون ہے۔ اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ بارہا یہ دعا پڑھ لی ہے۔ جسے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ کہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں۔ اور بعونہ تعالیٰ محفوظ رہوں گا۔ (حیات اعلیحضرت ص ۹۱)

ایک مرتبہ آپ نے آشوب چشم کے مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لی۔ ساری عمر آشوب چشم کے مریض نہ ہوئے۔ بعد میں افسوس بھی کرتے رہے۔ کہ اس مقام پر دعا نہیں پڑھنی چاہیے تھی۔ کیونکہ حدیث مبارک ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو۔ زکام کو کہ جس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹتی ہے خارش کہ جس کی وجہ سے جلدی امراض جزام وغیرہ کا انسداد ہوتا ہے۔ آشوب چشم کہ جو نابینائی دفع کرتا ہے۔

کثرت مطالعہ کی وجہ سے داہنی آنکھ کو تکلیف ہوئی ڈاکٹر نے پندرہ دن تک مطالعہ چھوڑنے کی تجویز دی مگر آپ پندرہ گھڑیاں نہ چھوڑ سکے۔ حکیم مولوی اشفاق حسین صاحب نے اسے ''مقدمہ نزول آب'' قرار دیا اور بیس سال تک پانی اترنے کا خدشہ ظاہر کیا۔ آپ نے التفات نہ کیا کیونکہ آپ نے نزول آب' والے کو دیکھ کر دعا پڑھ لی اور مطمئن ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''مجھے محبوب ﷺ کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا۔ کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمد للہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں۔ اور وہ

حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا۔ نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتب بینی میں کبھی کمی کی نہ کروں َمیں نے اس لیے بیان کیا کہ یہ حضور کے دائمی معجزات ہیں ۔ جو آج تک آنکھوں سے دیکھے جا رہے ہیں ۔ اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے ''(حیات اعلیحضرت ص ۹۲)

سراپا للّٰہیت:

سب سے بڑا عمل البغض فی اللہ والحب فی اللہ ہے۔ اللہ کے لیے کسی سے نفرت اور اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا مسلمان کا شیوہ حیات ہے۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے۔ اور دوست کو اپنے دوست تصور کرتے تھے۔ کوئی اپنا مخالف سامنے آتا تو کج خلقی سے پیش نہ آتے۔ اخلاق کا یہ عالم تھا۔ کہ جو ایک بار ہمکلام ہوتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ مگر دین کے مخالف سے کبھی نرمی نہ برتی۔ ایک رافضی آپ کے پاس آیا تو آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ وہ چلا گیا۔ ننھے میاں صاحب عرض کرنے لگے کہ اگر اخلاقاً توجہ فرما لیتے تو کیا حرج تھا۔ حضور اعلیحضرت نے جلال کی حالت میں فرمایا میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی مثال دی۔ کہ انہوں نے ایک شخص کے آگے رکھا ہوا کھانا اٹھا لیا کہ اس کے منہ سے بد مذہبی کے کچھ الفاظ نکل آئے تھے۔ خود سید عالم ﷺ نے مسجد نبوی شریف سے منافقین کو نکلوا دیا۔ (حیات ص ۹۳)

مجاہدہ کی شدت:

آپ بہت عبادت گزار تھے۔ صرف دو گھنٹے آرام فرماتے تھے۔ باقی تمام وقت تصنیف اور کتب بینی اور دیگر خدمات اسلام میں صرف کرتے

تھے۔آپ ہمیشہ نام محمد ﷺ کی شکل بنا کر سویا کرتے تھے۔ سر میم ۔کہنیاں ح۔کمر۔میم اور پاؤں دال بن جاتے۔کبھی خدام عرض کرتے حضور ذرا پاؤں دراز کر لیں ہم درد نکال دیں ۔فرماتے۔پاؤں تو قبر میں ہی دراز ہوں گے۔اس کا راز یہ ہے۔کہ ستر ہزار فرشتے رات بھر اس نام مبارک کے گرد درود شریف پڑھتے ہیں ۔اور وہ اس طرح سونے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب رامپور نے آپ کی خدمت میں چاندی کی کرسی پیش کی۔آپ نے فوراً فرمایا مرد کے لیے چاندی حرام ہے۔ایک مرتبہ گرمیوں میں روزہ رکھنا مشکل دکھائی دیا کہ بدن میں کمزوری بہت تھی آپ پہاڑی علاقے میں تشریف لے گئے کہ فرض نہ چھوٹے۔دیگر عادات وخصائل مختصراً درجہ ذیل ہیں۔

☆......ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کے سوا ہر کام کی ابتداء سیدھے ہاتھ سے کرتے۔

☆......عمامہ شریف کا شملہ سیدھے شانے پر رہتا۔

☆......کسی کو کوئی چیز دیتے تو وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا۔آپ فوراً روک دیتے اور فرماتے داہنے ہاتھ سے لو، بائیں ہاتھ سے شیطان لیتا ہے،

☆......اعداد کو دائیں جانب سے لکھنا شروع کرتے ۔مثلاً بسم اللہ شریف کے اعداد ۷۸۶ میں سے پہلے ٦ لکھتے، ۸ لکھتے اور پھر ۷ لکھتے۔

☆......بغیر صوف کی دوات استعمال نہ کرتے۔

☆......لوہے کے قلم سے اجتناب فرماتے۔

☆......خط بنواتے وقت اپنا کنگھا، شیشہ استعمال فرماتے۔

☆......مسواک فرماتے۔

☆ ......ہمیشہ عمامے اور انگر کھے سے نماز ادا کرتے۔

☆ ......مطالعہ اور تحریر کے لیے خلوت گزیں رہتے۔

☆ ......غذا نہایت قلیل استعمال کرتے۔ ایک پیالی بکری کے گوشت کا شوربا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ اور وہ بھی روز نہیں۔ کبھی ناغہ ہو جاتا۔ چکی کے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ بھی آپ کی غذا تھی۔

☆ ......دنیا سے بے رغبتی بے حد نصیب تھی نظام دکن نے کئی مرتبہ دعوت دی مگر نہ گئے۔ آپ نے فرمایا میں جس دروازہ خدائے کریم کا فقیر ہوں میرے لیے وہی کافی ہے۔

☆ ......ایک بار نواب رامپور کا بریلی سے گزر ہوا وہ آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ آپ نے کہلا بھیجا فقیر کا مکان نہ اس قابل ہے کہ کسی والی ریاست کو ٹھہرا سکوں اور نہ میں والیان ریاست کے آداب سے واقف ہوں کہ خود جا سکوں (حیات ص ۱۹۲)

☆ ......حق گوئی آپ کی سیرت و کردار کا خاصہ تھی۔ نواب رامپور نے آپ کو کئی بار دعوت دی۔ آپ نے فرمایا آپ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعادات میں معاون ہیں۔ لہذا میں نہ آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اپنی صورت آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ (تصویت الایمان ص ۷۰)

☆ ......آپ خود بھی پابند شرع تھے اور اپنے محلے میں بھی یہ نظام شرع نافذ کر رکھا تھا۔ مولانا منور حسین لکھتے ہیں۔

☆ ......سات برس میں آپ کے محلے میں رہا مگر باجے گاجے اور شب برات وغیرہ

کے دن پٹاخوں کی آواز نہیں آئی۔ کبھی آٹھ نو سال کی بچی کو بے پردہ نہیں دیکھا۔ محلہ میں ایسے لگتا تھا جیسے سب متقی اور نہایت پابند شرع لوگ رہتے ہیں۔

☆......آپ ہمیشہ فقہ کے احوط مسئلہ پر عمل فرماتے تھے۔

☆......ہمیشہ سفید لباس میں ملبوس رہتے۔ سیاہ ٹوپی سے گریز فرماتے کہ عزاداروں سے مشابہت کا شبہ ہے۔

ملفوظات

......☆......

☆......فرمایا: اگر کوئی تمھارے ماں باپ کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے۔ شائع کرے کیا تم اس کا ساتھ دو گے اگر مسلمان ہو تو ماں باپ کی محبت وحمایت کو اللہ ورسول کی محبت وخدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔

☆......جب وہ حضور محمد ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرے اصلاً تمھارے قلب میں انکی عظمت ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ۔

☆......کیا جسے محمد ﷺ تمام جہان سے پیارے ہوں گے وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا۔ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو

☆......جس کو بارگاہ رسالت ﷺ میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمھارا کیسا بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو

☆......پیر سے پردہ واجب ہے۔ جبکہ محرم نہ ہو۔

☆......بدعتی کی امامت مکروہ وممنوع ہے۔

☆......غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

☆......شرع شریف میں شرافت قوم میں منحصر نہیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ان اکرمکم عنداللہ اتقکم

☆......لاحول شریف کی کثرت کریں یہ ۹۹ بلاؤں کو دفع کرتی ہے۔سب سے آسان تر پریشانی ہے۔

☆......سچے وجد کی پہچان یہ ہے کہ فرائض وواجبات میں مخل نہ ہو۔

☆......سچے مجذوب کی یہ پہچان ہے کہ شریعت مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے گا۔

☆......یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے۔یا نہیں۔ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی طرف سے..........سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔

ثمرات و اثرات

......☆......

اللہ کریم نے اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ کے ثمرات واثرات کو زمانے بھر میں پھیلا دیا۔آپ کی اولاد آپ کی طرح علم وفضل کا نمونہ اور زھد وتقویٰ کا آئینہ تھی ۔پسر اکبر حضرت مولانا حامد رضا خان اور پسر اصغر حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان مرجع خاص و عام تھے۔انہوں نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔آپ کے جید خلفائے کرام حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی ۔حضرت مولانا ظفر الدین بہاری ،حضرت مولانا سید سلیمان شاہ ،حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی ،حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ لاہوری ،حضرت مولانا سید ابوالبرکات شاہ لاہوری۔حضرت مولانا امجد علی رضوی ،حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی ،حضرت مولانا محمد یوسف کوٹلوی

،سب کے سب اپنی ذات میں ایک جہاں تھے۔علم وفضل کے ستون اور عشق ومستی کے امام تھے انہوں نے آپ کا پیغام محبت گھر گھر پہنچایا آپ کی حیات ظاہری میں ہی آپ کے ثمرات واثرات ہندوستان سے باہر عرب، چین۔افریقہ،عراق، وغیرہ میں فتاویٰ کی صورت میں پہنچ رہے تھے۔ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے۔ہر کام فی سبیل اللہ ہوتا تھا۔جس کی برکت دور دراز تک دیکھنے کو ملتی۔آپ کی کتب و رسائل اور بلند پایہ فتاویٰ اور عشق افروز قصائد ومحامد نے آپ کو تمام عالم اسلام کا امام بنا دیا۔اہل سنت کے عوام وخواص آپ کو عقیدت واحترام سے یاد کرتے تھے۔بڑے بڑے مشائخ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

یہ آپ کی مقناطیسی شخصیت تھی کہ ہر کوئی دل و جان قربان کرتا تھا۔ہاں بدمذہب اور بدعقیدہ لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ان کی نفرت بھی آپ کے ایمان کامل کی دلیل ہے۔یہ اعلیحضرت کا فیض ہے کہ آج صفحہ ہستی پہ ارض پاک کا وجود قائم ہے۔پاکستان کی تمام بدعقیدہ ،انگریز پرست اور کانگریسی ،ملاؤں نے سخت مخالفت کی۔یہ اعلحضرت کے غلام تھے جنہوں نے قائداعظم کا دل کھول کر ساتھ دیا اور مسلم لیگ کے لیے ماحول ہموار کیا۔قائداعظم تمام علمائے اہل سنت سے خوش تھے۔جو اعلیحضرت کے خلفاء یا مرید نہیں تھے۔انہوں نے بھی آپ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا اور آپ کے خلفا کرام کا ساتھ دیا۔یہ بات اب چھپانے سے بھی نہیں چھپ سکتی کہ اعلیحضرت بھی ان دور اندیش افراد ملت میں شامل ہیں جنہوں نے دو قومی نظریہ کھل کر بیان فرمایا اور ہندو اور انگریز کی عیاریوں پر گہری نظر رکھی۔اب گرد چھٹ رہی ہے۔اغیار کے پھیلائے ہوئے اندھیرے مٹ رہے ہیں۔لوگ امام اہل سنت پر تحقیق کر رہے ہیں۔دنیا کے گوشے گوشے میں نغمات رضا کی گونج سنائی

دے رہی ہے۔ بعض غیر مسلم مفکرین کی تحقیقات سے بھی حضرت امام کو ہر میدان علم و فن میں نابغہ روزگار قرار دے کر دشمنان رضا کا منہ بند کر دیا ہے۔ دیار عرب میں بھی آپ کا فیض عام ہو رہا ہے، مصر میں ترجمہ کنز الایمان کی تصدیق ہو چکی ہے۔ یہ اعلیحضرت کا ہی ثمرہ ہے۔ عرب میں علمائے حق علمائے نجد کے خلاف آواز حق بلند کر رہے ہیں۔ علامہ مالکی کی تالیفات دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ حال ہی میں حضرت شیخ سید ہاشم رفاعی کے نعرہ مستانہ نے نجدی علماء کو ناصیہ فرسا کر دیا ہے۔ کہ یوں لگتا ہے، جیسے یہ سب صدائیں اس صدائے بریلی کی بازگشت ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ تمام اہل سنت اپنے باہمی اختلافات ختم کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں اور فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کو فروغ دے کر جس طرح پاکستان کو بنایا تھا اسی طرح پاکستان کو بچالیں۔ اپنی خانقاہوں کا نظام بدلیں۔ اپنے مدرسوں کے مقاصد کو بلند کریں۔ آرام دہ گدیوں کو چھوڑ کر اعلیحضرت کی طرح عزیمت کا راستہ اختیار کریں۔ تاریخ نے کبھی ''کاہل پیروں'' کو یاد نہیں کیا، اولوالعزم لوگوں اور ظاہری اور عارضی زندگی کا عیش قربان کر کے تختہ دار عشق پر کھڑے ہونے والے مستانوں کی عظمت بیان کی ہے۔ اسی طرح غافل مولوی اسلام کا سرمایہ نہیں۔ حالات سے باخبر علماء اسلام کی پیشانی کا جھومر ہوتے ہیں۔ اٹھو! اعلیحضرت پکار رہے ہیں۔ جاگو، مجدد الف ثانی بلا رہے ہیں۔ دوڑو! زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔

☆☆☆

سلامِ دل

صاحبانِ مسندِ تجدیدِ دیں
وارثانِ رحمۃ للعالمین ﷺ

دولتِ عرفان کے معمار ہیں
عظمتِ ایمان کے مینار ہیں

وہ عمرؒ وہ شافعیؒ بالا نشیں
وہ طحاویؒ وہ غزالیؒ مہ جبیں

ابنِ حنبلؒ رہبرِ حق آشنا
جس کا ہر نقشِ قدم منزل نما

طبریؒ و شیخِ یگانہ اشعریؒ
ہر سو جس کے علم کی ہے روشنی

وہ شہاب الدینؒ نظامؒ پاک بھی
وہ سیوطیؒ طائرِ افلاک بھی

شیخ احمدؒ شاہِ فاروقی جناب
عرصۂ توحید میں گردوں رکاب

زیبِ اورنگِ یقیں عالم پناہ
وہ غلامؒ شہ علی روشن نگاہ

عبدِ حقؒ عبدِ عزیزؒ دلربا
اعلیٰؒ حضرت پیکرِ حسن وفا

سب نشانِ عزتِ اسلام ہیں
سب جہانِ عشق کے گلفام ہیں

سب کو کشتِ دین کا حاصل کہو
سب کی خدمت میں سلامِ دل کہو

☆ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے ☆

مصنف کی تصانیف و تراجم

